علامۂ ہند، محدث عصر، فقیہ بے مثال

علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی

(۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ)

تالیف

ڈاکٹر ولی الدین ندوی

ترجمہ

محمد رافع اعظمی ندوی

ناشر

مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامۂ ہند، محدث عصر، فقیہ بے مثال

علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلیؒ

(۱۲۶۴ھ - ۱۳۰۴ھ)

حیات وخدمات

تالیف:

ڈاکٹر ولی الدین ندوی

ترجمہ:

محمد رافع اعظمی ندوی

ناشر: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی، مظفرپور، اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

نام کتاب: علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی (حیات وخدمات)

مؤلف: ڈاکٹر ولی الدین ندوی

مترجم: محمد رافع اعظمی ندوی

کتابت: مشتاق احمد غازیپوری، صلاح الدین ندوی

اشاعت نو: بائیس سو (۲۲۰۰)

باہتمام: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی

سن طباعت: ۲۰۱۲ء

صفحات: ۳۰۹

قیمت:

ناشر: جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (یوپی) 9450876465

(۲) نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند 01336-223294

(۳) مکتبہ الشباب العلمیۃ لکھنؤ 9696437283

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اولیں

از: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين، أما بعد!

علامہ عبدالحی فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ کی ذات گرامی اس زمانہ میں عالم وجود میں آئی کہ جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا، ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کا ہولناک حادثہ پیش آچکا تھا، علماء وصوفیاء نے علم دین کی بقاء کے لیے مدارس قائم کیے اور خانقاہوں کو آباد کیا، اس پُرآشوب زمانہ میں ہندوستان کے مشہور خاندان فرنگی محل کے علمی گھرانے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا، ذہانت وفقاہت اور علم واجتہاد کی وہ قوت عطا فرمائی کہ مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنی نے یہ شہادت دی: ”**كان من عجائب الزمن ومن محاسن الهند، كان الثناء عليه كلمة إجماع والاعتراف بفضله ليس فيه نزاع**“ ان کی ذات گرامی زمانہ کے عجائب میں اور ہندوستان کے محاسن میں شمار ہونے کے قابل ہے، جن کی ثناء وتعریف پر اہل علم کا اجماع ہے، ان کے فضل وکمال کے اعتراف میں کسی کو کلام نہیں۔

مشہور شامی عالم شیخ ابوغدہ مرحوم ان کی شان میں فرماتے ہیں: ”مختصر عمر پائی لیکن وہ علم میں امام تھے اور مفید کتابوں کی تالیف وتصنیف میں بھی ان کو امامت کا درجہ حاصل ہے“۔

جب اس ناچیز کا قیام عالم عربی میں ہوا اور علماء ہند کی حدیثی کتابوں کی تحقیق و

تعلیق کی خدمت کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو ہندوستانی علماء میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی کتاب ''التعلیق الممجد'' کی تحقیق وتعلیق کی خدمت کے لیے مؤتمر امام مالک منعقدہ ۱۹۸۲ء ابوظبی کی علمی کمیٹی نے اس ناچیز کو مکلّف کیا، الحمد للہ! وہ کتاب مکمل ہوکر ۳؍جلدوں میں سات مرتبہ شائع ہوچکی ہے، اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں اوران کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

مجھے شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عالم اسلامی میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی ذات گرامی اوران کی مؤلفات کا تفصیلی تعارف کرایا جائے، اب تک جو کچھ عرب ممالک میں تعارف کرایا گیا ہے اس بحر ناپیدا کنار کا ایک جزء ہے، اس لیے ہمارے صاحبزادے مولوی ڈاکٹر ولی الدین ندوی جب جامعہ اسکندریہ مصر میں پی ایچ ڈی کے مرحلہ میں پہنچے تو ان کے لیے شعبۂ دراسات اسلامیہ پی ایچ ڈی کا موضوع ''الامام عبدالحی اللکنوی وجھودہ فی علم الحدیث'' اختیار کیا گیا، اس رسالہ کے مشرف پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ صاوی جوینی مقرر ہوئے، اس موضوع کے لیے ضرورت تھی کہ حضرت مولانا فرنگی محلی کی ساری کتابوں کو تلاش کیا جائے، جوآج سے سوسال پیشتر شائع ہوئی تھیں یا مکتبات میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں، بہرحال ڈاکٹر ولی الدین سلمہ نے اس کے لیے بیحد کوششیں کیں کہ ساری کتابیں جمع کی جائیں، الحمد للہ علامہ فرنگی محلی کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا، جوشاید کسی ایک مکتبہ میں موجود نہیں ملے گا۔

درحقیقت یہ کتاب ان کے پی ایچ ڈی کے رسالے کا ایک جزء ہے، جس میں انہوں نے حضرت علامہ فرنگی محلی کی سیرت اوران کی مؤلفات کا ذکر کیا اوران کا تعارف کرایا ہے، اور یہ کتاب عربی زبان میں علامہ فرنگی محلی کے حالات زندگی اور علمی کارناموں

کے معلوم کرنے کا سب سے بڑا مرجع ہے، اس جزء کو دار القلم دمشق نے بعنوان: **الإمــــام عبدالحی اللکنوي علامة الهند إمام المحدثين و الفقهاء**'' شائع کیا، اس کتاب میں علامہ فرنگی محلی کی زندگی کا پورا تعارف اور ان کی نادر مؤلفات کا پورا احصاء کیا گیا ہے اور ہر کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے اس لیے کہ اردو زبان میں بھی علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی سیرت پر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جو ان کے حالات زندگی اور علمی کارناموں کا مکمل تعارف کرا سکے، اس قلیل مدت عمر میں جو ۳۹ سال چار مہینے پر مشتمل ہے اور یہ عظیم الشان کارنامے، بلاشبہ اسلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، اس لیے اس ناچیز نے جامعہ اسلامیہ کے مدرس عزیز گرامی محمد رافع ندوی جو عربی اردو دونوں میں دسترس رکھتے ہیں، ان سے مستقبل میں ہمیں بڑی توقعات ہیں اس کتاب کے ترجمہ کی ذمہ داری ان پر ڈالی، انہوں نے سعادت سمجھ کر نہایت ہی سلاست وروانی کے ساتھ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا کہ ترجمہ کا شائبہ بھی محسوس نہیں ہوتا، جس کی شہادت مولانا عمیر الصدیق ندوی نے اپنے مقدمہ میں دی ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف اور مترجم دونوں کو دنیا وآخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے، اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

واللہ من وراء القصد وھو یھدی السبیل

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی مظاہری (دامت برکاتہم)

تقریظ

مولانا عمیر الصدیق ندوی
رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ، یوپی

مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۸۴۷-۱۸۸۶) انیسویں صدی کے اس دور میں پیدا ہوئے جو ہندوستان اور مسلمانان ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پُر آشوب دور تھا، ۱۸۵۷ء کی پہلی اور نہایت خونی انقلابی جدوجہد سے صرف دس سال پہلے باندہ میں ان کی پیدائش ہوئی اور دس سال کی عمر میں انہوں نے لکھنؤ کو تاخت وتاراج ہوتے دیکھا، یہ ایک خونی بادل کی تراوش تھی جس سے ہر جگہ تو خون برسا لیکن بقول مولانا سید سلیمان ندوی ''کہیں کہیں خون کے قطروں کی بجائے سرخ یاقوت کے دانے بھی برسے'' عین زوال وادبار کے ایسے عہد میں مولانا عبدالحی لکھنوی کی شخصیت، علم وفضل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت کی ایک آیت بن کر سامنے آئی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کے کمالات کو سمجھنے کے لیے اس علمی سلسلہ وروایت کو جاننے کی بھی ضرورت ہے جس کی عظیم الشان کڑی کی شکل میں ان کا ظہور ہوا، یعنی سلسلۂ درس نظامیہ، علامہ شبلی نعمانی کی نظر میں ''درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے'' اسلامی ہند کے تمام تعلیمی سلسلے سب اسی درس کی شاخیں ہیں، اہل نظر کی نظر میں کوئی عالم، عالم ہی نہیں اگر اس نے

اس طریقۂ درس کے مطابق تعلیم نہ حاصل کی ہو، اسی طرح درس نظامیہ سے خارج کوئی کتاب گویا اس بات کا اعلان ہے کہ وہ نصاب تعلیم میں داخل ہونے کی صلاحیت سے خارج ہے، اودھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں، ملا نظام الدین کا وجود اور ان کے مسند تدریس کا قبول عام دراصل قدرت کی نیرنگی اور فیاضی کا ایسا مظہر ہے جس کی بظاہر کوئی توجیہ اور تعبیر آسان نہیں، ملا نظام الدین اور ان کے والد شہید قطب الدین کے لہو کی وہ کیا حدت وحرارت تھی کہ ہندوستان کے دوسرے ممتاز علماء کے خاندان دو تین نسل سے زیادہ مملکت علم پر حکمرانی نہ کر سکے لیکن درس نظامی اور خاندان نظامی (فرنگی محلی) کی حکومت اور سکہ آج بھی جاری ہے، کیسے کیسے تاجداران علم ودانش اس تاریخ سے وابستہ ہوئے، مثلاً ملا نظام الدین کے فرزند مولانا عبدالعلی جو بحر العلوم کے لقب سے مشہور ہوئے، اور جن کے متعلق وقت کے حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی نے گواہی دی کہ ”درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک نہیں پیدا ہوا“، حق یہ ہے کہ خاندان نظامیہ اور اس کا مرکز علم فرنگی محل، علم وفن کا ایسا معدن بنا کہ سو سال پہلے اس قول کی واقعیت کا کوئی منکر ہی نہیں تھا کہ ”آج ہندوستان میں جہاں جہاں علوم عربیہ کا نام ونشان باقی ہے اسی خاندان کا پرتو فیض ہے“ اور آج بھی اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ اب ہندوستان کا یہ کعبہ علم وفضل، تحصیل علم کے احرام باندھنے والوں کے طواف سے محروم ہے، اور اس کی ایک دلیل مولانا عبدالحی لکھنوی کی شخصیت اور کمالات پر لکھی گئی یہ قابل قدر کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کی حیات مستعار صرف ۳۹؍سال کے لیے تھی اس میں بچپن اور طالب علمی کے سن وسال سے صرف نظر کیا جائے تو صرف بیس

بائیس سال اور وہ بھی سن رشد سے پہلے کے عالم شباب کے ملتے ہیں، عمر کی اس فرصت کو دیکھئے اور پھر مولانا لکھنوی کے کارناموں کو تو یہ کسی مافوق فطرت کارنامے سے کم نظر نہیں آتا، شاید اسی لیے بعضوں نے ان کو ملا بحرالعلوم پر ایک درجہ فوقیت دی، ان کے ہم نام اور ہم عصر اور علم و فضل کے نباض مولانا حکیم عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ الخواطر نے اگران کے متعلق لکھا کہ وہ زمانے کے عجائب اور ہندوستان کے نوادر میں تھے، ان کی تعریف وتوصیف میں سب متفق اور اعتراف فضیلت میں کوئی بھی مختلف نہیں تو یہ محض کلمات مدح نہیں بلکہ ایک نہایت محتاط اور الفاظ کی حقیقت سے باخبر، نقاد و محقق کے حرف گفتار تھے، اسی طرح دوسرے اہل فضل نے مولانا عبدالحی لکھنوی کو اگر آیت اللہ فی العالمین، وارث علوم سید المرسلین، فخر خلف، یادگار سلف جیسی تعبیرات سے ذکر کیا تو اب تک ان جذبات پر آمنا وصدقنا کہنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

مولانا لکھنوی کی معجز نما حیات وتالیفات کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ بھی ہے کہ باوجود اس بے مثال کمال کے ان کی زندگی اور علمی کارناموں پر علماء و محققین کے اعتناء میں کمی بلکہ محرومی بھی رہی، تذکروں کے اجمالی بیان کے سوا عربی تو کیا اردو میں بھی کوئی شایانِ شان کتاب نہیں ملتی، برسوں پہلے ایک تحقیقی مقالہ جناب غلام مرسلین کا ضرور کتابی شکل میں شائع ہوا تھا لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ کما حقہ نہیں تھا، جب اردو کا یہ عالم ہے تو عربی زبان کا کیا شکوہ؟ قریب ترین عہد میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ہندوستان کے اس آفتاب علم کی چند کرنوں سے عالم عرب کو منور کرنے کی کوششیں کیں، کئی کتابوں اور رسائل کی اشاعت کی، مقدمے لکھے، یہ سب قدر کے لائق، لیکن یہ سچائی اپنی جگہ کہ زندگی اور سیرت کے متعلق وہ پہلو ان کی نظر سے پوشیدہ ہی رہے جن

کوتلاش وجستجو سے پایا جاسکتا تھا، یہ ضروری بلکہ عظیم خدمت قسام ازل نے شاید اس کتاب کے جواں سال مصنف مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی کے سرمایہ سعادت کے لیے مقدر کررکھی تھی، جنہوں نے اپنے عظیم والد، محدث کبیر، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کے ایماء واعتناء اورنگرانی وسرپرستی میں بڑی محنت اورنہایت سلیقہ سے یہ کتاب مرتب کردی، اس کا اندازہ کتاب کی فہرست پر اجمالی نظر سے ہی ہوجاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح نایاب مخطوطات کوحاصل کرکے اور جہاں جہاں امکان تھا وہاں رسائی حاصل کرکے گویا چیونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانوں کوایک ایک کرکے جمع کیا اور پھر شہد کی صورت میں شیرینی وشفا کا آمیزہ پیش کردیا، ڈاکٹر ولی الدین ندوی سلمہ اللہ کی اس دیدہ ریزی اورریزہ کاری میں رنگ اس لیے بھی ہے کہ والد ماجد ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی کی تمام علمی وحدیثی خدمات کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ علمائے ہند کے بیش قیمت علمی کارناموں سے عالم عرب کو روشناس کیا جائے، میر عرب کوسوئے ہند سے ٹھنڈی ہواؤں کے احساس کی بات، سنداً کیسی بھی ہولیکن اسلام اورعلوم اسلامیہ کی خدمت علمائے ہند کے نصیب میں آئی، اس میں کسی شک کی گنجائش بہرحال نہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ تذکرہ خوش نصیب ماضی کا نہایت خوشگوار جھونکا ہی نہیں، عرب وہند کے علمی ومذہبی تعلقات کا بڑا خوبصورت اظہار بھی ہے۔

ڈاکٹر ولی الدین کے اس عربی تذکرہ کوشائع ہوتے ہی قبولیت کی دولت ملی، پھر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ خود اردو دنیا اس نعمت سے کیوں محروم رہے؟ الحمدللہ اس ضرورت کی تکمیل بھی جامعہ اسلامیہ کے ایک ہونہار طالب علم اوراب استاذ شعبہ عربی

عزیز گرامی محمد رافع ندوی کے قلم سے ہوئی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور کی تعلیم وتربیت اور حضرت مولانا تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تمناؤں کا لائق مترجم، عمدہ نمونہ ہیں، انہوں نے بعض عربی کتابوں اور تحریروں کا پہلے بھی ترجمہ کیا ہے، لیکن زیر نظر کتاب ان کی ترجمہ نگاری کا بھی بہترین نمونہ بن کر سامنے آئی ہے، سلاست ہے، روانی ہے، جملوں کا دروبست بالکل درست ہے اور تفہیم میں ذرا دشواری نہیں، ترجمے کی خوبی کے لیے اس کے سوا اور کیا چاہیے۔

جامعہ اسلامیہ کا تحقیقی شعبہ مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی واقعی لائق تحسین ہے کہ ایک اور نہایت قیمتی کتاب اس کے ذریعے اور حوالے سے اردو دنیا کی ثروت میں اضافے کا سبب ہو رہی ہے۔

فاضل مؤلف، لائق مترجم، شکریہ اور تبریک کے مستحق ہیں، دعائیں ان کے لیے اور ان کے ساتھ اس فنا فی العلم اور فنا فی خدمت الحدیث شخصیت کے لیے بھی کہ اصلاً اس فیض کا سرچشمہ اسی کی ذات والا صفات ہے ؎

داتا رکھے آباداں ساقی تری محفل کو

(مولانا) عمیر الصدیق ندوی

پیش لفظ

از: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی

علامہ محمد عبدالحی لکھنوی کی شخصیت عمر کے اعتبار سے جس قدر مختصر تھی، علم و تحقیق، فضل وکمال اور افادۂ عام کے لحاظ سے اسی قدر عظیم وجلیل تھی، سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم شرعیہ میں کمال پیدا کرنے والی اور ۳۹؍سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے دنیائے علم کو اپنی تصنیفات وتحقیقات سے حیران وششدر کردینے والی شخصیت کیا عظیم شخصیت نہیں کہلائے گی؟

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں: ’’کل عمر چالیس برس کی ملی، مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی، اطراف ودیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحوں تک موجیں مارتا رہا، دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درسگاہ میں ہوتا تھا، پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اسی فیض سے سیراب ہوئے‘‘۔

(مقالات سلیمان ۲؍۶۱)

علامہ محمد عبدالحی لکھنوی کو یوں تو جملہ علوم شرعیہ میں امتیازی مقام حاصل تھا، شیخ

عبدالفتاح ابوغدہ نے آپ کو فخر المتاخرین، نادرۂ محققین، محدث، فقیہ، اصولی، منطقی، متکلم، مؤرخ، نقاد کے الفاظ سے یاد کیا ہے، مگر علم حدیث اور فقہ اسلامی کو آپ کا خصوصی فن قرار دیا جاسکتا ہے، جس پر مؤطا امام محمد کی شرح التعلیق الممجد، ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی اور سعایہ شاہد عدل ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں: ''حدیث اور متعلقات حدیث کی متعدد نادر کتابیں اپنے مقدمہ اور تحشیہ کے ساتھ شائع کیں، حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے لکھے'' (مقالات سلیمان ۲/۶۱) فقہ وفتاویٰ سے خصوصی لگاؤ کا ذکر مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''علم فقہ وفتاویٰ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے''۔

آپ کی تصنیفات وتحقیقات کی تعداد سو سے زائد ہے، یہ سب اس پایہ کی ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے والا ان کی تحقیقی شان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہتا، یہ سب کتابیں آپ کی زندگی میں ہی مقبول ہوتی گئیں اور بعد از وفات ان کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اسی کا ایک ادنی اظہار علامہ عبدالحی لکھنوی کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ کتاب بھی ہے، جو ناچیز نے اصلاً اپنے پی ایچ ڈی کے رسالہ کے ایک جزء کے طور پر برسوں پہلے سپرد قلم کیا تھا جو دارالقلم دمشق سے چھپ کر عالم عربی میں مقبول بھی ہو چکا ہے اور اب محض اللہ کے فضل سے اس کتاب کا اردو ترجمہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ کے فاضل استاذ مولانا محمد رافع ندوی کے قلم سے اردو داں وار دو خواں حلقہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اللہ ناچیز کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور مترجم کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(مولانا ڈاکٹر) ولی الدین ندوی

علامہ عبدالحی لکھنویؒ

کے بارے میں

علمائے مشاہیر کی گراں قدر آراء

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ موجودہ زمانے کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت اور بنی نوع انسانی پر اللہ کا ایک بڑا انعام ہیں، میں نے ان سے ملاقات کی، احادیث نبویہ کا ایسا استحضار، فقہی نصوص کا ایسا پختہ تصور، مختلف علوم میں اعلیٰ تحقیقات اور منطوقات ومفہومات میں ایسی موشگافیاں کہ آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل میں ایک عجیب مسرت وانبساط کا احساس جاگزیں ہوا، علامہ لکھنویؒ بادنسیم سے زیادہ سبک اور گلستانِ بہاراں سے زیادہ معطر اخلاق وکردار کے حامل ہیں۔

(مؤرخ فقیہ مفتئ حنابلہ مصنف "السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة" مصنف شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید متوفی ۱۲۹۵ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ وقت کا ایک عجیب شاہکار اور ہندوستان کے قابل فخر علماء میں سے ہیں، ان کی جلالتِ شان پر سب متفق، فضل وکمال کے اعتراف میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنی متوفی ۱۳۴۱ھ)۔

☆ آپ علمائے ہند کی آخری کڑی ہیں، قابل لحاظ کتابوں کے مؤلف، ہمہ

گیر علم کے حامل، انصاف مزاج اور اعتدال پسند ہیں۔ (علامہ محدث حافظ عبدالحی کتانی متوفی ۱۳۴۵ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا شمار ان علمائے ربانیین میں ہے جو علومِ روایت ودرایت اور منقولات ومعقولات کے جامع، اور تقوی وپرہیزگاری، عبادت وریاضت اور حسن سیرت سے آراستہ ہیں۔ (علامہ محدث محمد یوسف بنوریؒ متوفی ۱۳۹۷ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ علم کے اعلی مقام پر فائز ہیں، مختصر سی عمر میں بڑی تعداد میں گراں قدر مفید کتابیں لکھیں، انتالیس (۳۹) سال اور چار مہینے کی مدت حیات میں ایک سو پندرہ (۱۱۵) کتابیں اور رسائل تصنیف کئے، اگر ان کی زندگی کے دنوں کو شمار کر کے ان کی تالیف کردہ کتابوں کے صفحات پر تقسیم کر دیا جائے تو سخت تعجب ہوتا ہے...... ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں اور اس کی خوشنودی حاصل ہو۔ (علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ "مقدمہ التعلیق الممجد" ۱/۱۴۱ سے ماخوذ)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد!

مسلمانوں نے ہر زمانے میں سنت نبویہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، حدیث کی حفاظت، جمع وتدوین، صحیح وضعیف احادیث کی تمییز، معانی ومطالب کی تشریح وتوضیح اور احکام ومسائل کے استنباط واستخراج کے سلسلہ میں بڑی کوششیں صرف کیں، جس کے نتیجہ میں احادیث سے متعلق قسم قسم کی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں، ان میں اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو احادیث کی روایت ودرایت کی خدمت کے جذبے سے تالیف کی گئیں۔

انہیں علماء میں جنہوں نے موجودہ زمانے میں حدیث وفقہ کی خدمات انجام دی ہیں علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی ہیں، علوم حدیث وعلوم شرعیہ کی خدمت میں ان کی مہتم بالشان مساعی نظرانداز نہیں کی جاسکتیں لیکن انہیں محققین وباحثین کی وہ توجہ حاصل نہیں ہوسکی جس کے وہ واقعتاً اہل تھے، البتہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے علامہ لکھنویؒ کی بعض کتابوں کو تحقیق وتدقیق کے بعد چھاپا اوران کتابوں کے مقدمے میں ان کے حالاتِ زندگی بھی لکھے جس کے لئے وہ شکریے کے مستحق ہیں، خوبصورت طباعت اور عمدہ

ٹائٹل کے ساتھ ان کتابوں کو منظر عام پر لاکر انہوں نے علوم حدیث کے طلبہ اوراساتذہ کواس علامۂ وقت کے فضل وکمال اوراس کی کتابوں سے بخوبی روشناس کرنے کا کام انجام دیا ہے، اللہ انہیں بہترین جزا سے سرفراز کرے اوران کے علم اورعلمی کاوشوں میں برکت عطا فرمائے۔

میں نے اپنے مقالے کے لئے علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی شخصیت کا انتخاب کیا تا کہ وہ أعلام المسلمین کے سلسلہ کی ایک نئی کڑی ثابت ہوں، گو مجھے بڑی دقتوں اوردشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ کا فضل شامل حال رہا، فلله الحمد و المنة ، پہلی دشواری تو یہ تھی کہ ہندوستان کے باہر علامہ لکھنویؒ کی کتابیں دستیاب نہ تھیں اور ہندوستان میں ان کا حاصل کرنا بھی آسان نہیں تھا کیونکہ اکثر کتابیں سوسال (۱۰۰) سے زیادہ عرصے پہلے چھپ کر گویا نایاب مخطوطات کے زمرے میں شامل ہوچکی ہیں، اس سلسلہ میں جہاں میں نے بہت سے کتب خانوں کی خاک چھانی وہیں علامہ لکھنویؒ کے خاندان والوں سے ملاقات بھی کی تا کہ ان کی کتابوں اورسوانح کے مراجع حاصل ہوسکیں، اللہ کا شکر ہے کہ مجھے چند کتابوں کے سوا بیشتر کتابوں کی واقفیت حاصل ہوئی اوروہ چند کتابیں جن تک رسائی نہ ہوئی وہ واقعتاً اب نایاب ہیں۔

بات اسی پر ختم نہ ہوئی ایک دوسری مشکل یہ درپیش تھی کہ تمام کتابیں باریک فارسی خط میں پتھر پر چھاپی گئی تھیں، علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے ''التعلیق الممجد'' کا حال بیان کرتے ہوئے پہلے ہی اس کی طرف اشارہ کیا تھا انہوں نے لکھا کہ: ''پتھر والی طباعت، غیر واضح سطریں اور حاشیے، صفحے کے تین طرف گولائی میں لکھی

گئیں عبارتیں، کسی اسم، لفظ، عطف کی وضاحت، اعراب، لغت، روایت اور اسی جیسی چیزوں کو ضبط میں لانے کے لئے سطروں کے درمیان ایک دوسرے میں ضم و مدغم مختصر عبارتیں، الغرض پڑھنا سخت دشوار ہے''۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس خط کی مشق وممارست سے اس صبر آزما دشواری پر میں نے قابو پالیا جس سے نہ صرف میں ان کتابوں سے واقف ہوا بلکہ ان کا مطالعہ میرے لئے نہایت مفید رہا۔

میں نے مقالے کو ایک تمہید، تین فصول اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

تمہید: علامہ لکھنوی کا زمانہ:

میں نے تمہید میں علامہ لکھنویؒ کے زمانے کے علمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا مختصراً ذکر کیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب پر گفتگو کے ضمن میں جس نے انگریزوں کے خلاف سارے ہندوستان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اس کے اسباب وواقعات اور ہندوستانی قوم پر عموماً اور خاص طور سے مسلمانوں پر مرتب ہونے والے آثار ونتائج کو بیان کیا ہے، اسی طرح ہندوستان میں قائم دینی علمی مدارس کے تذکرہ میں مسلمانوں کی دینی تعلیم، اسلامی عقائد کے تحفظ اور بدعات اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے سلسلہ میں ان کے نمایاں کردار کو واضح کیا ہے جنہوں نے انگریزی سامراج کے سائے میں سر اٹھایا تھا، تمہید کے خاتمے میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام حالات علامہ لکھنوی پر کتنے اثر انداز ہوئے اور خود علامہ لکھنویؒ نے اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات پر کس حد تک اثرات ڈالے

نیز علامہ لکھنوی سے پہلے ہندوستان میں تاریخ علم حدیث کا ایک خلاصہ بھی آ گیا ہے۔

فصل اول: نشو ونما اور حالات زندگی:

اس فصل میں میں نے ان کی زندگی کے مراحل کا جائزہ لیتے ہوئے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، نام ونسب اور کنیت کے ذکر کے ساتھ قدرے تفصیل سے ان کی علمی نشو ونما اور اسفار پر گفتگو کی ہے، پھر ان امراض کا ذکر کیا ہے جن سے وہ دوچار ہوئے اور وفات کا بیان ہے، فصل کے اخیر میں علماء کی ان آراء کو شامل کیا گیا ہے جو انہوں نے علامہ لکھنوی کی تعریف وتوصیف میں ظاہر کی ہیں۔

فصل دوم: اساتذہ اور تلامذہ:

اس فصل میں علامہ لکھنویؒ کے ان اساتذہ کے حالاتِ زندگی لکھے گئے ہیں جن سے انہوں نے علم حاصل کیا اور سندِ اجازت لی، ان میں سرِ فہرست ان کے والد بزرگوار ہیں جو بلا شبہ ان کے پہلے استاذ شمار کئے جاتے ہیں، اسی طرح علامہ کے اساتذہ کی قلت تعداد کا سبب بیان کیا ہے بعد ازاں علامہ کے شاگردوں پر گفتگو کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ علامہ کا ان کے ساتھ معاملہ کیسا تھا۔

فصل سوم: الف۔ثقافت۔ب۔تصنیف کردہ کتابیں۔ج۔معاصرین کے ساتھ علمی مناقشے:

اس فصل میں علامہ لکھنوی کے علوم وفنون اور ان کی خدمات پر بحث اور ان کے فقہی مسلک کا تذکرہ ہے پھر علامہ کی کتابوں پر گفتگو کی گئی ہے اس ضمن میں مختصر سی

عمر میں کتابوں کی کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے، اور کتابوں کی تعداد میں اختلاف اور اختلاف کے سبب کی وضاحت کے ساتھ ہر اس کتاب کا جس سے میں واقف ہو سکا ایک مختصر تعارف بھی شامل ہے، جس میں کتاب کے نام، موضوع، سبب تالیف اور اس کے ایڈیشنوں کا تذکرہ ہے، اگر کسی کتاب کے نام کے تعلق سے کوئی اختلاف تھا تو اس کی وضاحت کی ہے، علاوہ ازیں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے، جو درحقیقت ان کی تالیفات نہیں ہیں لیکن غلطی سے ان کی طرف منسوب کردی گئی ہیں نیز ان کتابوں کی تفصیل ہے جو علامہ لکھنویؒ کی تالیف ہیں لیکن دوسرے علماء کی طرف منسوب کردی گئیں، اس فصل میں آپ کے ان معاصرین کا تذکرہ بھی ہے جن سے آپ کے علمی مناقشے ہوئے جیسے نواب صدیق حسن خاں اور محدث سہسوانی وغیرہ، میں نے ان مناقشوں کے سبب کی وضاحت کے ساتھ ان علماء کے حالات زندگی بھی قلمبند کئے ہیں، اس ضمن میں ان کتابوں کا جو علامہ لکھنویؒ اور ان کے مخالفین نے ان علمی مناقشات کے دوران لکھیں تجزیہ کرکے اور علامہ لکھنویؒ کے مرتبہ کو نمایاں کیا ہے۔

اللہ عزوجل کی ذات سے امید کامل ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف کے مقصد کو پورا فرمائے گا اور طلبہ کو اس کتاب سے فائدہ پہونچے گا، اسی کی ذات سوال وطلب کے لئے سب سے بہتر ہے اور وہی توفیق اور ہدایت سے نوازتا ہے۔

ولی الدین ندوی

جمعہ ۲۶/ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۶/مئی ۱۹۹۴ء

وزارۃ الشؤون الإسلامیہ والأوقاف پوسٹ باکس: ۲۲۷۲/ابوظبی

تمہید

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا زمانہ

الف۔سیاسی حالات

ب۔معاشی اور معاشرتی حالات

ج۔علمی حالات

سیاسی حالات

علامہ لکھنویؒ اس زمانے میں پیدا ہوئے جب انگریزی سامراج کا آکٹوپس ہندوستان پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا، مغل شہنشاہیت دم توڑ رہی تھی، مسلم مغل بادشاہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا وہ اپنے دائرۂ حکومت کے کسی خطہ، سلطنت یا ریاست پر کوئی حکم نافذ نہیں کر سکتا تھا، اس کی حکمرانی کی کل کائنات یہ تھی کہ وہ اپنے شاہی ایوان میں اور عوام کے سامنے اس شان وشکوہ کے ساتھ آتا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ یہ خاندان کبھی ہندوستان پر حاکم تھا[۱]۔

۱۸۳۷ء میں مغل حکمراں سراج الدین ابو مظفر بہادر شاہ ظفر تختِ شاہی پر بیٹھا، تو انگریزوں نے جبراً درا بخت کو ولی عہدِ سلطنت مقرر کیا، اس مغل بادشاہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا، وہ نہ کوئی حکم نافذ کر سکتا تھا اور نہ روک سکتا تھا، اس کی شہنشاہیت کا دائرہ اس کے محل تک محدود تھا[۲]۔

۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۴ھ تک جب انگریز حکومت کے خلاف ایک زبردست انقلاب برپا ہوا، صورت حال یہی تھی، مؤرخین نے اس بغاوت کے بہت سارے اسباب بیان کئے ہیں، ہم یہاں کچھ اہم اسباب بیان کرتے ہیں:۔

---

[۱] دیکھئے: داستان غدر، مصنفہ: ظہیر دہلوی (ص ۹۴)۔

[۲] دیکھئے: بہادر شاہ ظفر، مصنفہ: اسلم پرویز (۴۶)۔

۱۔ ایک ہندو مؤرخ ''رمیش دت'' بیان کرتا ہے کہ ''لارڈ ڈلہوزی'' کے زمانے میں جب تمام معاہدوں اور قوانین کے برخلاف ایک ایک کر کے ہندوستانی علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اقتدار آ گئے، تب اس کمپنی کے تئیں لوگوں کے نظریے میں تبدیلی آئی اور انہوں نے اس کے سامراجی مقاصد، ہندوستان کو فتح کرنے کی خواہش اور برٹش امپائر میں اس کو ضم کر لینے کی سازش کو بھانپ لیا[۱]۔

۲۔ ہندو مسلم فوجیوں کے عقائد کی توہین: واقعہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے خنزیر اور گائے کی چربی سے بنے کچھ کارتوس منگوائے جن کو استعمال کرنے سے پہلے دانتوں سے کاٹنا ضروری تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کے یہاں گائے کا گوشت کھانا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمانوں کے یہاں خنزیر کا گوشت حرام ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں بے چینی پیدا ہوئی اور فوجیوں نے انگریز کمانڈروں کے احکام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، انگریزوں نے ان باغی فوجیوں کو سخت سزائیں دیں، قریب ۸۵/ فوجیوں کو دس سال قید کی سزا سنائی گئی[۲]۔

انگریز مؤرخ '' مسٹر کے'' اس فیصلے کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ۸۵/ فوجیوں کو سخت حفاظتی بندوبست کے ساتھ فوجی عدالت میں پیش کیا گیا اور یہ سخت فیصلہ سنایا گیا، پھر ان کے جسموں سے فوجی لباس اتار لئے گئے اور لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دیا گیا، یہ ایک ایسا دردناک منظر تھا جس سے ان کے ساتھی دل

---

[۱] ملاحظہ کیجئے: Ramesh Dutt:India in The Victorian Age p.223

[۲] دیکھئے: بغاوت کے اسباب، مصنفہ: سرسید احمد خان (ص۴۵)، Edward:The other side of medal p.33

مسوس کر رہ گئے، ان فوجیوں میں وہ وفا شعار اور بے لوث سپاہی بھی تھے جنہوں نے انگریزوں کے لئے بڑی بڑی خدمات پیش کی تھیں، ان کے شانہ بشانہ ان کے دشمنوں سے جنگیں کی تھیں، اوران انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں جھیلی تھیں، تمام قیدیوں نے جرنیل کے سامنے اپنی کسمپرسی کا رونا رویا، لرزتے آنسوؤں اور لڑکھڑاتی زبان میں ان سے فریاد کی کہ انہیں اس ذلت میں مبتلا نہ کیا جائے، لیکن اس نے ان کی باتیں سنی ان سنی کردی، اپنے آقاؤں سے مایوس ہوکر ان کی نگاہیں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں، جو زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں کیا تم ہمیں اس ذلت ورسوائی میں دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہوگے؟ آنکھوں کی زبانی کہے گئے یہ الفاظ ان کے دلوں کو چھلنی کر گئے اور بجلی بن کر گرے [۱]۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان فوجیوں کے عقائد کی توہین ہی اس بغاوت کا بنیادی اور اصل سبب ہے، مزید برآں انگریزوں نے ان کے مذہبی جذبات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے نہ صرف شدید برہمی کا اظہار کیا بلکہ سخت ظالمانہ فیصلے صادر کئے اوراس بات کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ کیا کہ ان فوجیوں نے ان کے لئے ناقابلِ فراموش خدمات پیش کی ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستانی فوجیوں نے اپنے مظلوم ساتھیوں کا تعاون کیا اور ۹رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ [۲] کے فوجی کیمپوں میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

یہی اسباب بنگال میں فوجیوں کے اندر رونما ہونے والی بیداری کے بھی ہیں

---

[۱] ترجمہ مجلّہ الضیاء، ربیع الاول ۱۳۵۴ھ۔ Edward:The other side of medal p.34

[۲] یہ دہلی سے پچاس میل کی مسافت پر اترپردیش کا ایک معروف شہر ہے۔

اس طرح اس انقلاب کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

دہلی میں باغیوں کا داخلہ: ۱۱؍مئی کی صبح میرٹھ کے فوجی کیمپوں سے باغی فوجیوں کا قافلہ پایۂ تخت دہلی کا قصد کر کے نکلا، یہ قافلہ قتل وغارت گری کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، انگریز فوج نے انہیں دہلی پہونچنے سے پہلے روکنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی اور شکست کی ذلت اٹھانی پڑی[۱]، ایک انگریز خاتون ''مسز ہورٹسٹ'' کے مشاہدات کا ذکر کرنا یہاں موزوں ہوگا، جس نے اپنی یادداشت میں اس بغاوت کی ہولناکی کا حال لکھا ہے، وہ لکھتی ہے: ہم میرٹھ کی طرف سے آنے والے راستے پر واقع اپنے گھر میں بیٹھے اس بغاوت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ شہر کی جانب سے اٹھتا ہوا غبار نظر آیا، انگریز فوجی کبھی ہمارے سامنے آجاتے کبھی پیچھے کی طرف چلے جاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ انگریز لشکر کے ہندوستانی فوجی، باغیوں سے مل گئے ہیں، پھر ''جنرل کراو'' نے انہیں روکنے کے لئے ایک توپ نصب کی لیکن جوش سے بھرے یہ باغی اس توپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہماری دیوار کے پاس اپنے زخمیوں اور مقتولین کو چھوڑ کر دہلی کی طرف بڑھ گئے، جب لوگوں نے ''جنرل کراو'' کی ہزیمت کی خبر سنی تو ایک جھرجھری لی اور چیخ چیخ کر کہنے لگے جہاں کہیں انگریزوں کو پاؤ قتل کر دو، کسی مرد، عورت اور لڑکے کو زندہ مت چھوڑو[۲]۔

''مسز ہورٹسٹ'' کہتی ہیں: اس کے چند دنوں کے بعد ہندوستانیوں کی

---

[۱] دیکھئے: چراغ دہلی، مرزا حیرت دہلوی (ص ۶۰)۔

[۲] مجلّہ الضیاء، (ص ۲۰) شمارہ رجب وشعبان ۱۳۵۴ھ۔ مسز ہورٹسٹ کی یادداشتوں کا ترجمہ پہلے فارسی، پھر فارسی سے عربی میں ہوا، ترجمہ لکھنؤ یونیورسٹی کے سید علی زینی صاحب نے کیا ہے۔

بغاوت کا جوش کچھ سرد پڑا تو وہ انگریز مردوں کو تحقیق کے بعد قتل کر دیتے اور عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے، یہ احکامات بادشاہِ ہند سراج الدین محمد بہادر شاہ کی جانب سے صادر ہوتے تھے[۱]۔

لکھنؤ میں انقلاب کی لہر: اودھ اور اس کا پایۂ تخت لکھنؤ انگریزوں کی شہ پا کر ۱۸۱۹ء میں خود مختار ریاست بن گیا تھا، یہ مرکزی مغل حکومت کی دخل اندازی سے بری تھا، اودھ کے نواب نے اپنے لئے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، قبل ازیں ۱۸۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور سلطنت اودھ کے شیعی حکمراں نواب سعادت علی خاں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی ایک دفعہ میں اس بات کی صراحت تھی کہ کمپنی کسی بھی بیرونی مداخلت سے نواب اور اس کے ورثاء کی حفاظت کرے گی، جس کے لئے نواب کو ایک خطیر رقم کمپنی کو ادا کرنی ہوگی، نواب کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ کمپنی کی رائے کو اعتبار کی نظر سے دیکھے اور معیشت کی بحالی اور رفاہ عامہ کے لئے کوشاں رہے[۲]۔

لیکن سلاطینِ اودھ اپنی بدانتظامی سے معاشرے میں پھیلی انتہائی خراب صورتحال کا تدارک نہ کر سکے اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوگئی[۳]، لیکن ایک ہندو مؤرخ ''پنڈت سندر لال'' کے خیال میں انگریزوں نے ہی قصداً فساد کے بیج بوئے تھے اور یہ مستبعد بھی نہیں[۴]۔

یہ صورتِ حال بدستور قائم تھی کہ ۱۸۴۷ء میں واجد علی شاہ تختِ شاہی پر بیٹھا،

---

[۱] مجلّہ الضیاء، (ص۲۰) شمارہ رجب وشعبان ۱۴۳۵ھ۔

[۲] دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری (۴/۹۹)　　[۳] ایضاً

[۴] دیکھئے: ۱۸۵۷ء، پنڈت سندر لال (ص۲۴)

وہ مسلک اثنا عشریہ کا پیرو اور اپنے اجداد کی طرح متعصب شیعی تھا، اس نے ''مجموعۂ واجدیہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضرات ابوبکر صدیق وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو طعن وتشنیع کا ہدف بنایا۔

حکومت کے انتظام وانصرام میں بدنظمی، حالات پر قابو نہ رکھنے اور معاشی بحران کے الزام میں گورنر جنرل ''لارڈ ڈلہوزی'' نے ۱۸۵۶ء میں سلطنتِ اودھ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اقتدار شامل کرنے کا اعلان کیا[۱]۔ ''پنڈت سندرلال'' کے الفاظ میں کچھ دوسرے اسباب یہ ہیں:

(۱) واجد علی شاہ پہلا حکمراں تھا جس کے ذھن میں اپنی سلطنت کو انگریزوں کی مداخلت سے آزاد کرنے کا خیال آیا۔

(۲) وہ ایک طاقتور لشکر تشکیل دینا چاہتا تھا جس سے انگریزوں نے بار بار روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا۔

(۳) ''لارڈ ڈلہوزی'' اودھ کے محصولات اور سلاطین اودھ کے شان وشکوہ کو حریصانہ نظروں سے دیکھا کرتا تھا[۲]۔

اسباب کچھ بھی رہے ہوں سلطنتِ اودھ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام شامل کرنے سے قبل انگریزوں نے نواب کے سامنے کمپنی کے مفاد میں بادشاہت سے دست بردار ہوجانے کی تجویز رکھی لیکن نواب نے انکار کر دیا، بعدازاں نواب کو رشوت کے ساتھ دھمکیاں بھی دی گئیں لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہا، تین دن کے بعد

---

[۱] دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری (۴/ ۴۷،۷،۱۰۰)

[۲] دیکھئے: ۱۸۵۷ء، پنڈت سندرلال (ص۲۵،۲۶)

تمام معاہدوں اور دستاویزات کو پسِ پشت ڈال کر انگریز نواب کے محل میں گھس گئے اور اسے نظر بند کر دیا، بیگمات اور حرم سرا کی عورتوں کی آبروؤں سے کھلواڑ کیا، اموال وجائداد پر ہاتھ صاف کیا اور نواب کو اسی کی سلطنت میں قید کر دیا [۱]۔

واجد علی شاہ کی نظر بندی کے بعد اس کی بیوی حضرت محل اور بیٹا مرزا رمضان علی جو برجیس قدر کے نام سے مشہور ہے باقی بچے، نواب کی جواں ہمت بیوی اپنے شوہر اور وطن کا انتقام لینے کے لئے لشکر جمع کرنے لگی اور اس نے اپنے جھنڈے کے نیچے رضا کاروں کا ایک بڑا لشکر اکٹھا کر لیا، جنرل بخت خاں اور مولانا احمد شاہ مدراسی یعنی دلاور جنگ جیسے بعض سرکردہ باغی دہلی سے فرار ہوکر لکھنؤ میں باغیوں سے مل گئے تھے، ۵/مئی ۱۸۵۷ء کو مولانا مدراسی نے اس تحریک کو منظّم کیا اور ایک معرکہ پیش آیا جس میں باغیوں کو کامیابی ہوئی، برجیس قدر کو تختِ شاہی پر بٹھانے کا اعلان ہوا اور ان انقلابیوں نے لکھنؤ کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرا لیا، لیکن جلد ہی کچھ غدارانہ سازشوں اور ہوس وطمع کی بنا پر یہ بغاوت ناکام ہوگئی، چنانچہ انگریزوں نے بڑھ کر حضرت محل اور اس کے حکمراں بیٹے برجیس قدر کے محل کا محاصرہ کر لیا، تمام باغیوں نے دامنِ فرار میں پناہ لی اور حضرت محل بھی اپنے بیٹے کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہوئی [۲]۔

اس شکست کے باوجود ملکہ کا حوصلہ قائم تھا، اس نے دوسری مرتبہ لکھنؤ کے ایک قریبی شہر میں لشکر بندی کر کے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور لکھنؤ کے قریب شہر

---

[۱] ۱۸۵۷ء، پنڈت سندر لال (ص ۲۶)۔

[۲] ملاحظہ کیجئے: ۱۸۵۷ء، (ص ۲۷)، علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۴/۴۲۷)۔

نواب گنج میں جنگ ہوئی، لیکن افسوس کہ ملکہ کے مددگار اور ساتھی انگریزوں کے سامنے ٹک نہ سکے، اکثر نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، مختصر سی جماعت میدان کارزار میں جمی رہی اور شہید ہوئی، ملکہ نے اپنے بیٹے کے ساتھ نیپال کا رخ کیا[۱]۔

تقریباً دس مہینے جاری رہ کر یعنی جون ۱۸۵۷ء کے اوائل سے مارچ ۱۸۵۸ء کے نصف تک یہ بغاوت اپنے انجام کو پہونچی[۲]۔

بغاوت کی ناکامی کے اسباب: کانپور، جھانسی اور تھانہ بھون وغیرہ شہروں میں کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن افسوس ساری ہی بغاوتیں بہت سے اسباب کی بنا پر ناکامی سے دوچار ہوئیں جن میں بعض اہم اسباب یہ ہیں۔

(۱) ایک وقت میں یہ بغاوتیں رونما نہیں ہوئیں جس نے انگریزوں کو ایک ایک کر کے سب کے خاتمے کا بڑا موقع فراہم کیا۔

(۲) دکن کے حکمرانوں اور عوام اور خاص طور سے نظام حیدرآباد کا موقف جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے تھے[۳] ایک بڑی وجہ ناکامی کی بنا۔

(۳) انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر سکھوں کا انگریزوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لینا، سید محمد لطیف صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پنجاب اس بغاوت کے فتنوں سے نہ صرف محفوظ رہا بلکہ وہ مشرق میں انگریزوں کا دبدبہ قائم رکھنے کے لئے تمام ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ تھا[۴]۔

---

[۱] دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم رامپوری، (۱۰۵/۴) قیصر التواریخ، سید کمال الدین حیدر (۳،۴/۲)۔

[۲] دیکھئے: ۱۸۵۷ء، سندر لال (ص ۱۸۹)۔ [۳] دیکھئے: انقلاب ۱۸۵۷ء جوشی، (ص ۴۸۸)۔

[۴] دیکھئے: تاریخ پنجاب، سید عبد اللطیف (ص ۵۸۱)۔

(۴) انقلاب کی ناکامی کا ایک بڑا اہم سبب انقلابیوں کا آپسی اختلاف اور نااتفاقی تھا، درحقیقت انگریزوں کے کچلے جانے سے پہلے حرص وطمع کے ہاتھوں اندرونی طور پر یہ انقلاب ناکام ہو چکا تھا، انقلابیوں کی صفوں میں مغل تاجدار کے داماد مرزا الٰہی بخش جیسے مفاد پرست بھی شامل تھے، جو انگریزوں کے ساتھ بھرپور تعاون کررہے تھے اور انقلابیوں کی ایک ایک خبر انہیں فراہم کررہے تھے[1]۔

بغاوت کی ناکامی کے بعد کی صورتحال: بہرحال بہت سے اسباب کی بنا پر جن میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا بہت جلد یہ بغاوت ناکام ہوگئی اور انگریزوں کو کامیابی ملی اور پھر انگریزوں نے ہندوستان میں تباہی کا وہی بازار گرم کیا جو عموماً سامراجی مزاج رکھنے والے فاتحین کا شیوہ رہا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں: ان بہت سے اسباب کی بنا پر جو اس سلسلے میں کتابوں میں درج ہیں، جب یہ بغاوت ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستانیوں پر شدید غصے کا اظہار کیا اور سخت ترین انتقام لیا، وہ ہندوستانی قوم پر اس جابر حکمراں کی طرح مسلط ہوئے جس کے دل میں رحم، انصاف، انسانیت اور حدود وقیود کی جگہ نہیں ہوتی، وہ قتل عام تھا جس نے چنگیز وہلاکو کی وحشیت وبربریت کی یاد تازہ کردی، انگریزوں نے تین نوجوان شہزادوں کو امن وامان دینے کے بعد اس بے رحمی اور شقاوۃ القلبی سے تہہ تیغ کیا کہ خود انگریزوں کی پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ گئیں، شاہی خاندان کے ۲۳؍افراد کو جن میں بیمار، اپاہج اور بوڑھے شامل تھے تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا بادشاہِ وقت کی تذلیل کی گئی، اس پر رسواکن مقدمہ چلایا گیا، انگریز انہیں بھی قتل کردینا

---

[1] دیکھئے: انقلاب ۱۸۵۷ء، جوشی، (ص ۴۸۸)۔

چاہتے تھے لیکن ایک افسر نے خود سپردگی کی شرط پر ان کی زندگی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ انہیں رنگون کی طرف ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا گیا جہاں انتہائی کسم پرسی، بے چارگی اور وحشت وتنہائی میں انہوں نے آخری سانسیں لیں[1]۔

ہندوستانی قوم کی تمام جماعتیں جو بغاوت وانقلاب کی آگ بھڑکانے میں شریک تھیں اس کشت وخون کا ہدف بنیں لیکن ہمیشہ کی طرح مسلمانوں پر انگریزوں کا غصہ زیادہ اترا، کیونکہ بہت سے انگریزوں کا خیال تھا کہ یہ اسلامی بغاوت ہے اور مسلمان ہی اس بغاوت کا سرچشمہ ہیں، ایک ہندی مؤرخ کے بقول انگریز لیڈران ہر مسلمان کو باغی سمجھتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تم ہندو ہو یا مسلمان اور جب وہ اپنے اسلام کو ظاہر کرتا تو اسے گولیوں سے بھون دیتے[2]۔

انگریزوں نے خود اس بھیانک قتلِ عام اور روح فرسا خونریزی کا اعتراف کیا ہے، ایک انگریز جرنیل ''لارڈ رابرٹس'' نے اپنے خط میں جو اس نے اپنی ماں کو ۱۱/جون ۱۸۵۷ء کو لکھا بیان کرتا ہے کہ پھانسی کا سب سے ہولناک طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو توپ کے ذریعہ پھینکا جاتا ہے، یقیناً یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر ہوتا ہے، لیکن ہم اس وقت کسی قسم کا احتیاطی رویہ اختیار نہیں کر سکتے، ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم شر پسند مسلمانوں کے سامنے اس بات کو واضح کر دیں کہ انگریز خدا کی مدد سے ہمیشہ ہندوستان کے حکمراں رہیں گے[3]، ''سپنسر پال'' کہتا ہے: دہلی پر انگریزوں کے تسلط

---

[1] المسلمون في الهند، سید ابوالحسن علی ندوی (ص ۱۶۶، ۱۶۷)۔

[2] برٹش امپائر کا عروج، منشی ذکاء اللہ دہلوی، (ص ۱۲۷)

[3] Edward:The other side of medal p.40

کے بعد انہوں نے قتل وخون اور غارت گری کا جوطوفان برپا کیا اس کے سامنے نادرشاہ کی وحشیت وبربریت ہیچ ہے، سڑکوں پر عام پھانسی کے رسے اور تختے نصب کئے گئے اور تین ہزار لوگوں کو پھانسی دی گئی جن میں ۲۹/افراد شاہی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے[۱]، ''اڈورڈ ٹومس'' کہتا ہے: انگریز فوجی شراب کی دوکانوں کو لوٹ لیتے اور ساری شراب پی کر جب نشے میں بدمست ہوجاتے تو سڑکوں پر نکل آتے اور جو سامنے آتا بلاتمیز تہہ تیغ کر دیتے[۲]۔

انگریزوں نے انقلابیوں اور دیگر شہریوں کے خلاف وہ انسانیت سوز انتقامی کاروائی کی کہ عقل وضمیر ششدر رہ جاتے ہیں، خود انگریزوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، کشت وخون اور لامتناہی تباہیوں کا یہ طوفان صرف دہلی تک منحصر نہیں تھا بلکہ لکھنؤ، کانپور، آگرہ، سہارنپور اور دیگر شہروں تک اس کا دائرہ پھیلا ہوا تھا۔

فرنگی محل بھی اس تباہی سے محفوظ نہ رہا، چنانچہ علامہ مفتی محمد یوسف جو علامہ لکھنوی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، کے حالاتِ زندگی میں علامہ نے لکھا ہے کہ جب ان کے والد مفتی محمد اصغر کا ۱۲۵۵ھ میں انتقال ہوگیا تو انہیں لکھنؤ میں افتاء کی خدمات سپرد کی گئیں جسے انہوں نے حسن دیانت کے ساتھ ہندوستان کے آزمائشی دور تک انجام دیا، اس زمانے میں ان کا ارادہ سفرحج کا تھا، لیکن ملک کے مختلف شہروں میں رونما ہوئی بغاوت کے زمانہ میں ان کے تمام مال وجائداد کے لٹ جانے اور

---

[۱] دیکھئے: نقش حیات مولانا سید حسین احمد مدنی (۲/۴۷)۔

[۲] Edward:The other side of medal. p.70

گھروں کو منہدم کردیئے جانے کے بعد حج پر جانا ان کے لئے ممکن نہ ہوا[۱]۔

۱۸۵۸ء کے اوائل نومبر میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں ہندوستان کی بادشاہت کو کمپنی کے تصرف سے نکال کر برٹش حکومت کے اختیار میں منتقل کردیئے جانے کا فیصلہ صادر ہوا اور ملکہ کی جانب سے ''لارڈ کیننگ'' ہندوستان کا سب سے پہلا وائسرائے مقرر ہوا، اس طرح برٹش امپائر کے محکوم علاقوں میں باضابطہ ہندوستان بھی شامل ہوگیا، اور اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ خاندان تیمور کا آخری چراغ بھی گل ہوگیا[۲]۔

بغاوت میں مسلم علماء کا موقف: انگریزوں کے خطرے کو محسوس کرنے والوں میں مسلم علماء کا سرفہرست ہونا فطری تھا، انہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ سلاطین وامراء کی کمزوری اسلام اور اسلامی حکومت کے خاتمے کا سبب ہوسکتی ہے، خصوصاً ۱۷۶۴ء کو ''بکسر'' کے میدان میں انگریزوں کے مقابل مسلم حکمرانوں کی افواج کی پسپائی ایک بنیادی سبب بن سکتی ہے، لہٰذا جب حکمران وامراء انگریزوں کے بڑھتے قدم کو روک نہ سکے تو شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میدان میں آئے اور انگریزوں کے خلاف جہاد واجب ہونے کا فتویٰ دیا اور دیگر علماء اپنے فتووں میں اسی کے پابند رہے[۳]۔

پھر سید احمد بن عرفان شہید بریلویؒ اور ان کے رفیق سید اسماعیل دہلویؒ نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۲۴ء میں علم جہاد بلند کیا اس مقصد کے لئے ایک عظیم لشکر

---

[۱] مقدمہ السعایۃ، علامہ لکھنوی، (ص ۱۷) [۲] دیکھئے: دہلی کی سزا، خواجہ حسن نظامی، (ص ۴۴)۔

[۳] دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۱۹۰/۲)۔ اور دیکھئے: فتاوی عزیزیہ (فارسی) (۱۱۴/۱)۔

تشکیل دیا گیا، پہلے مسلمانوں اور سکھوں کے مابین کئی معرکے ہوئے جن میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی، اس سلسلے کا آخری معرکہ ''بالاکوٹ'' میں پیش آیا، لیکن کچھ مسلمانوں نے بدعہدی کی اور سکھوں سے مل گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست اٹھانی پڑی اور یہ دونوں عظیم المرتبت مجاہدین آزادی شہید ہوئے[۱]۔

جہاں تک ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا تعلق ہے تو مسلمان اس میں شامل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ملک میں رونما ہونے والے تمام حادثات وواقعات سے پوری طرح باخبر تھے، سرگروہِ مجاہدین شیخ امداداللہ مہاجر مکیؒ نے تھانہ بھون میں ایک ہنگامی میٹنگ بلائی تاکہ اس اچانک انقلاب سے جسے ہندو مسلم فوجیوں نے بغیر کسی تیاری اور منصوبہ بندی کے انجام دیا، پیدا ہونے والی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جاسکے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ محمد یعقوب سہارنپوریؒ اور دیگر مسلم علماء اس ہنگامی اجلاس میں شریک ہوئے، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ حالات کی خبر لانے کے لئے دہلی بھیجے گئے، اس مہم میں بہت سے مجاہدین ان کے ہمرکاب تھے جن میں سر فہرست وزیر خان اور مولانا فیض احمد بدایونی ہیں[۲]۔

اس وفد نے دہلی کی صورت حال پر ایک رپورٹ پیش کی جس کی روشنی میں مجلس اعلیٰ نے ضروری فیصلے لئے اور مندرجہ دفعات ونکات پر اتفاق عمل میں آیا۔

(۱) اس انقلاب کی سرپرستی کے لئے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو راضی کیا جائے۔

(۲) دہلی اور پڑوسی شہروں پھر دوسرے علاقوں کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے

---

[۱] دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۲/۲۱۵)۔ [۲] ایضا (ص۴/۲۶۵)

پاک کرانے پر خاص توجہ دی جائے نیز انگریزوں کے خلاف فتوائے جہاد کی نقل تیار کی جائے، تمام علماء کے اس پر دستخط ہوں اور پھر ہندوستانی قوم کے سامنے اس کا اعلان ہو[۱]۔

ان علماء کا کام صرف قرارداد یں پاس کرنا اور فتوی سنانا ہی نہ تھا بلکہ خود انہوں نے ہی اس انقلاب کی کمان سنبھالی اور تھانہ بھون، دہلی، محمدی اور لکھنؤ کی خونریز جنگوں میں شریک ہوئے[۲]۔

---

[۱] دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۲۷۳/۴)۔

[۲] ایضاً

معاشرتی اوراقتصادی حالات

انقلاب ۱۸۵۷ء نے ہندوستانی معاشرہ کی چولیں ہلادی تھیں، ویرانی اور بربادی چارسوتھی، انگریز حکومت نے امراوعوام کے اموال وجائدادکومختلف بہانوں سے اپنے قبضے میں کرلیا تھا، جس کالازمی نتیجہ معاشرتی اوراقتصادی بحران کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس بغاوت وانقلاب میں ہندو مسلم سب نے ایک ساتھ مل کر حصہ لیا تھا لیکن ظلم وانتقام اورعبرت ناک سزاؤں کا زیادہ بڑا حصہ مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑا۔

خود انگریزوں نے بھی ان اقتصادی حالات کی بہتری کا اعتراف کیا ہے، جو کمپنی کے زمانے سے پہلے تھے،''مؤرخ بیٹرویل'' کہتا ہے: اس ملک یعنی ہندوستان کے باشندے آسائش وخوشحالی اور اطمینان وچین کی زندگی گزاررہے تھے، کیونکہ بادشاہانِ ہندان کی خوشحال زندگی، ان کے اموال وجائداداورشان وشکوہ کوغارت کرنے کے مواقع نہیں تلاش کرتے تھے[۱]،''ڈاکٹر روبرٹسن'' کہتا ہے: ہندوستان میں سونے اور چاندی کی تجارت تاریخ کے ہر دور میں بڑی منافع بخش رہی ہے، کرۂ زمین کا کوئی ملک ایسا نہیں نظر آتا جس کے باشندے اس کی طرح خوشحال ہوں، ہندوستان کی سازگار آب وہوا، زرخیزمٹی اوراس کے باشندوں کی خداداصلاحیتوں نے مل کر وہ تمام چیزیں فراہم کردی جوزندگی کی بقاء کے لئے ممدومعاون ہوتی ہیں[۲] ۔

۱؎ مجلّہ الضیاء (عربی) شعبان،۴،۱۳۵۴ھ۔ ۲؎ أیضاً

عہدِ اسلامی میں ہندوستانی عوام کے حالات ایسے ہی تھے لیکن کمپنی کے دور میں حالات تبدیل ہوئے اور آہستہ آہستہ ہندوستان خوشحالی سے بدحالی میں پہونچ گیا، کمپنی کا منیجر ''ھنری'' کہتا ہے: ہندستان ایک صنعتی براعظم تھا لیکن اب زراعتی براعظم بن گیا ہے [۱]، مسٹر ''اینڈ وسیم'' نے بھی ایسی ہی بات کہی ہے [۲]۔

ہندوستان کا انگریز حکمراں لارڈ ولیم بنٹینک ۱۸۸۲ء میں جاری ایک بیان میں کہتا ہے: اسلامی حکومتوں کے عہد میں بہت سی چیزیں انگریزوں کے زمانے کی چیزوں سے بہت بہتر تھیں، مسلمان اس ملک کو فتح کر کے یہیں بس گئے اور اس کے باشندوں سے اختلاط رکھا، ان سے شادیاں کیں، اور ہندوستانیوں کو تمام حقوق دیئے، فاتح و مفتوح کے مزاج، جذبات اور محبت و مؤدت میں ہم آہنگ تھے، انگریزوں کی سیاست اس کے برعکس تھی، انہوں نے حکومت کے کسی شعبے میں نہ انہیں اپنے ساتھ رکھا بلکہ اس ملک کی پیداوار اور اس کی ہر چیز پر اپنے پنجے گاڑے رکھے اور اس کا استحصال کرتے رہے [۳]۔

اسی سیاست کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۷۵ء تک چھ مرتبہ ہندوستان قحط کا شکار ہوا جس میں ۶۰ / لاکھ یا ایک کروڑ لوگ جاں بحق ہوئے [۴]، ہندوستانی قوم کی شدید احتیاج کے باوجود ظالم حکمرانوں کا اپنے ملک کو پیداوار منتقل کرنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔

بے شک ہندوستان کے تمام فرقوں پر ان حالات کی زد پڑی مگر مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، کیوں کہ انگریزوں نے اقتصادی اور تعلیمی لحاظ سے

---

[۱] دیکھئے: حکومت خود اختیاری، سید طفیل احمد، (ص ۹۳) اور دیکھئے: Major Basu:The rise of christan power in India v,iv,p.446 [۲] دیکھئے: حکومت خود اختیاری، سید طفیل احمد، (ص ۹۳)۔ [۳] دیکھئے: نقش حیات (ص ۱۵۸)۔ [۴] ایضاً۔

دوسری قوموں کی بہ نسبت ان پر حصار زیادہ تنگ کررکھا تھا، چنانچہ مسلمانوں کے سامنے معیشت کے تمام دروازے بند تھے اور مستقبل میں ان کو پس ماندہ بنانے کی سازش کے تحت ان کی تعلیمی ترقی پر روک لگادی گئی، ڈاکٹر'' ہنٹر'' اس بات کی شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے: مسلمانوں میں کسی بھی ملازمت کے لئے مطلوبہ صلاحتیں بدرجۂ اتم ہوتی ہیں لیکن کسی سرکاری اعلان کے ذریعہ انہیں روک دیا جاتا ہے اور بعض سرکاری اعلانات میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نوکریوں میں صرف ہندو ہی قابل قبول ہوں گے [۱]۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ رقم طراز ہیں: برٹش حکومت کی اسی سیاست پر اس کے بڑے عہدے داران اور مختلف شعبوں کے صدور عمل کرتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو حکومت وانتظام کے بڑے مراکز سے دور رکھا جائے، ان کے لیے معاش کے دروازے بندر رکھے جائیں اور ان اوقاف واملاک کو ضبط کرلیا جائے جن سے ان کی درسگاہیں اور ادارے چلتے ہیں اور ایسے اسکول اور تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی جائے جو مسلمانوں کے لئے قطعاً غیر مفید ہو [۲]۔

انگریزوں نے اسلامی حکومت کے مدرسوں پر صرف تالا ہی نہیں ڈالا بلکہ اس کے ملبے پر ان عیسائی اسکولوں کی بنیاد رکھی جن کا مشن عیسائی مبلغین کی تربیت تھا، یہ عیسائی مبلغین دیہاتوں اور شہروں میں عیسائیت کا پیغام لے کر پھیل گئے، شیخ ندوی کہتے ہیں کہ عیسائی مبلغین شاہراہوں، دیہاتوں اور شہروں میں نکل گئے، کھلے عام عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، اسلامی عقائد اور شریعت مطہرہ پر شبخوں مارتے ہیں اور

۱۔ W.w Hunter:Indian Mussal mans p.158.

۲۔ المسلمون في الهند، (ص۱۷۳)۔

یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی حکومت ختم ہو چکی اور اس کا زمانہ لد گیا اور ہندوستان اب عیسائی حکومت کے زیر انتظام آ گیا ہے، لہٰذا سب پر ضروری ہے کہ عیسائیت کو قبول کر لیں [۱]۔

برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ہندوستان کی فتح پر اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا: تمام خوبیاں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہ دن دکھایا کہ آج ہندوستان انگریزوں کے زیر اقتدار ہے اور پورے ہندوستان پر عیسائیت کا علم لہرایا جا سکتا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہندی قوم کو عیسائی بنانے کے لئے اپنی صلاحتیں صرف کر دیں اور سستی کو غالب نہ آنے دیں [۲]، مغربی طرز پر انگریزوں نے جن اسکولوں کی بنیاد رکھی تھی ان کا بھی ہندوستان کو مغربیت زدہ بنانے میں بڑا اثر رہا، علامہ ندوی کہتے ہیں: ''انگریزوں کا نظامِ تعلیم جوان کی ایک بڑی طاقت ہے ہر دور میں اپنے اثرات ظاہر کرتا ہے اور وہ مسلمانوں کے افکار ورجحانات میں سرایت کر گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کا نظام ِ حیات وفکر یکسر بدل گیا ہے کہ احساس بھی نہیں ہوتا، حوصلے دینی معاملات میں پست ہو گئے اور دین وعلم کا وہ شوق نہ رہا'' [۳]۔

انگریزوں کی اس سیاست کے نتیجے میں جو اسلامی عقائد وقوانین سے جنگ کے لئے وجود میں آئی تھی کئی فرقے پیدا ہوئے جن میں نیچری، زنادقہ، قادیانی اور منکرین حدیث وغیرہ اہم ہیں [۴]، معاشرے میں بدعات کا بول بالا ہوا جیسا کہ نواب

---

[۱] دیکھئے: الدعوة الاسلامية في الهند وتطوراتها، حضرت مولانا علی میاں ندوی (ص ۳۰)۔

[۲] علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں، (۳۱/۴)۔

[۳] ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، (ابو الحسن علی ندوی ص ۲۴۱)۔

[۴] دیکھئے: مجلّہ العروة الوثقی، مقالہ نگار سید جمال الدین افغانی، (ص ۳ ۵۷)۔

صدیق حسن خاں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس زمانے میں استقامت کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوگئی ہیں، علماء کے اٹھ جانے کے ساتھ علم اٹھالیا گیا ہے، جہالت اور کور چشمی کا بول بالا ہے، بخل وحرص اور ہوائے نفس پر عمل ہوتا ہے، آخرت کی طرف توجہ نہیں، دنیا مطلوب ومقصود بن گئی، ہر ذی رائے اپنی رائے پر نازاں ہے، شراب نوشی عام ہے، ریشم پہنا جارہا ہے، گانے والیاں اور آلات موسیقی محبوب بن گئے اور قبیلے کا سربراہ اس کا فاسق شخص ٹھہرا ہے [۱]۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کی اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام کے خلاف جنگ چھیڑ دی، ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں اپنے دین سے ارتداد اختیار کرنے کی دعوت دی اور اس مقصد کی تحصیل کے لئے اپنے مبلغین کی ایک ٹیم تیار کی اور ان کے قائدین نے مسلمانوں کے خلاف کتابیں لکھیں جیسے ''دیانند سرسوتی'' نے ''ستیارتھ پرکاش'' نامی کتاب لکھی جس میں اپنی جماعت اور تحریک کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں پر مختلف انداز میں قرآن پر ایک سو انسٹھ اعتراض کئے، یہ کتاب مرادآباد کے حاکم ''راجہ جی کشن داس'' کی سرپرستی میں لکھی گئی تھی [۲]۔

سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی پہلوؤں سے یہ عام صورتحال علامہ لکھنویؒ کے زمانے میں خصوصاً مسلمانوں اور عموماً پوری ہندوستانی قوم کو درپیش تھی، یقیناً علامہ لکھنویؒ ان حالات سے متأثر ہوئے، جب انقلاب برپا ہوا اس وقت ان کی

---

[۱] الجنة بالأسوة الحسنة، قنوجی، (ص ۱۰۶)۔

[۲] تاریخ تحریک ارتداد، غلام بیگ نیرنگ (ص ۷، ص دہلی)۔

عمر دس سال تھی، علامہ لکھنویؒ بے پناہ ذہانت اور فضل وکمال کے حامل تھے، لازماً یہ تمام واقعات وحوادث اپنی تمام تر خونریزیوں کے ساتھ علامہ کی یادداشت میں محفوظ ہو چکے تھے، دین اسلام کے مسلمہ عقائد اور احکام وقوانین کے خلاف کھلی جنگ اور ہندوستان کی تاراجی ناقابل فراموش تھی ان سب کا بچپن ہی سے علامہ لکھنوی کی علمی اور ثقافتی تربیت میں بڑا اثر رہا۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ لکھنویؒ نے مسلمانوں کے مسائل کو سنجیدگی سے لیا، چنانچہ انہوں نے معاشرے میں پھیلی بدعات کی تردید کے لئے مستقل کتابیں لکھیں [1]، ان کی کتاب " الآثار المرفوعة في الأحاديث الموضوعة" اس کی سب سے اہم مثال ہے، اس کتاب میں انہوں نے نیچریوں کی تردید کی ہے جو مغربی علوم سے متأثر تھے، اور اہل بدعت کے متعلق لکھا کہ ہمارے زمانے میں ایک ایسا فرقہ رونما ہوا ہے جو اسلام کی تائید کے نام پر اسے غلط شکل میں پیش کر رہا ہے، وہ نیچری فرقے کے نام سے مشہور ہے اس کے متبعین فرشتوں، جن، روح اور عرش وکرسی وغیرہ کے منکر ہیں [2]، دوسری طرف علامہ لکھنویؒ نے اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد در پیش نت نئے مسائل کا حل پیش کیا، مسلمانوں اور انگریزوں کے باہمی تعامل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مسائل کا جواب دیا، یہ تمام فتاویٰ "مجموعۃ الفتاویٰ" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہیں۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے: ردع الإخوان عن محدثات آخر رمضان، عمدة النصائح في ترك القبائح (اردو) اور اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة، علامہ لکھنوی۔

[2] الآثار المرفوعة في الأحاديث الموضوعة۔ علامہ لکھنوی، (ص ١٣)۔

علمی حالات

معاشرتی حالات کے انتشار اور مسلمانوں کے اقتصادی وسیاسی انحطاط وتنزل کے علی الرغم اس زمانے میں ہندوستان میں بہت سے علماء پیدا ہوئے جن میں اکثر مکتب ولی اللٰہی سے نسبت رکھتے ہیں، اس مکتب فکر کے اندر ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں برابر علم کی منتقلی ہوتی رہی، عظیم المرتبت علماء کے کئی سلسلے وجود میں آئے جنھوں نے ایک دوسرے سے علم حاصل کیا، مدرسہ ولی اللٰہی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ محمد اسحاق دہلویؒ متوفی ۱۲۶۲ھ کی دو بڑی شاخوں میں بٹ گیا جو دو بنیادی فکری مکاتب کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(۱) مکتب احناف جس کی قیادت شیخ عبدالغنی مہاجر مدنیؒ متوفی ۱۲۹۶ھ کے ہاتھ میں تھی، جنھوں نے شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے علم حاصل کیا تھا ان کے مشہور تلامذہ میں علامہ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۸ھ وغیرہ اہم ہیں، اس زمانے میں اصلاحی اور تربیتی تحریک میں علماء احناف میں عالم ربانی مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی متوفی ۱۳۱۳ھ اور مولانا امداداللہ مہاجر مکیؒ متوفی ۱۳۱۷ھ نمایاں ہوئے۔

(۲) مکتب اہل حدیث (غیر مقلدین) جس میں سرِ فہرست شیخ نذیر حسین دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ کا نام ہے، انہوں نے شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے علم حاصل کیا، اس مکتب

فکر میں بہت سے باکمال علماء ہوئے جن میں شیخ محدث محمد بشیر سہسوانی متوفی ۱۳۲۳ھ، محدث شمس الحق دیانوی متوفی ۱۳۲۹ھ (غایت المقصود شرح سنن أبی داود) اور شیخ ابومحمد ابراہیم بن عبدالعلی آروی متوفی ۱۳۱۹ھ وغیرہ مشہور ہیں[1]۔

ان علماء کے وجود سے تالیفی وتدریسی علمی تحریک سرگرم عمل رہی، ان علماء نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں علوم شریعت کی درسگاہیں قائم کیں جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) **دارالعلوم دیوبند:** دارالعلوم دیوبند کا شمار ہندوستان میں سب سے بڑے دینی مدرسے کے طور پر ہوتا ہے جو بجا طور سے ''ازہر ہند'' کہے جانے کا مستحق ہے، اس کی ابتدا شہر سہارنپور کے ایک گاؤں دیوبند کی چھوٹی سی مسجد میں ۱۲۸۶ھ میں ہوئی، سہارنپور اور دہلی کے درمیان تقریبا ۶۰ ر میل کا فاصلہ ہے، عالم جلیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۸ھ نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی جن کے ساتھ علامہ رشید احمد گنگوہی اور دیگر علماء جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا شامل تھے، اس کے اخراجات ومصارف مخیّر مسلمانوں کے چندے اور عطیات سے پورے ہوتے تھے، اس مدرسہ کو روز اول ہی سے مخلص افراد اور خداترس اساتذہ حاصل ہوئے جس کا بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ تقوی، احتساب، تواضع اور خدمت کی روح اس کی رگوں میں سرایت کرگئی، اس عظیم درسگاہ کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، اس کی شہرت دور دور تک پہونچی اور اس کے اساتذہ کا صلاح وتقویٰ اور علوم حدیث وفقہ میں ان کی

---

[1] دیکھئے: رجال الفکر والدعوۃ، علامہ أبوالحسن ندوي، (۲۸۰/۱)، المسلمون في الهند، (ص۱۱۰، ۱۱۳)، تراجم علماء الحدیث، ابویحییٰ امام، (۲۰۰/۱، ۲۴۹)

مہارت کا غلغلہ پوری دنیا میں بلند ہوا، طلبہ نے نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے اس کا قصد کیا بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے طلبہ بھی امنڈ پڑے، ایک اندازے کے مطابق اس مدرسے سے علم حاصل کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے متجاوز ہے جن میں تقریباً پانچ ہزار طلبہ نے سند فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے، دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا، مسلک حنفی کی سخت پابندی، علوم قدیم کا تحفظ اور احادیث وسنت کا دفاع دارالعلوم کا نمایاں امتیاز ہے [۱]۔

اس مدرسے کے بہت سے فضلاء نے حدیث، تفسیر اور فقہ کے موضوعات میں گراں قدر کتابیں لکھی ہیں، ان میں علامہ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ کا اردو زبان میں ترجمہ قرآن وتفسیر ہے یہ ترجمۂ قرآن علماء ومحققین کے لئے بھی مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، ایک بڑا نام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ کا ہے جن کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد نوسو دس ہے، جن میں تیرہ عربی زبان میں ہیں [۲]۔

(۲) **مدرسہ مظاہر علوم:** ۱۲۸۳ھ سہارنپور ہی میں شیخ محدث مظہر نانوتوی متوفی ۱۳۰۲ھ نے اس مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، یہ مدرسہ عقائد، اصول اور امتیازات میں دارالعلوم کا شریک ہے۔

یہاں علمائے صالحین اور علم ودین کے مختلف میدانوں کے مردان کار کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جن میں شیخ خلیل احمد متوفی ۱۳۴۶ھ مصنف ''بذل المجہود شرح

---

[۱] دیکھئے: المسلمون في الهندعلامه أبوالحسن ندوي، (ص ۱۵۵)، سوانح قاسمی، مناظر احسن گیلانی، (۱/۱۰۰، ۱۵۰)

[۲] دیکھئے: نزهۃ الخواطر علامہ عبدالحی حسنی (۸/۵۶)

سنن أبي داود‘‘ (جو گزشتہ دنوں حضرت والد محترم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۴/ جلدوں میں بیروت سے چھپ چکی ہے) اور ان کے نابغۂ روزگار شاگرد علامہ محدث محمد زکریا کاندھلویؒ قابل ذکر ہیں جن کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۹۸۲ء میں ہوئی، علامہ محدث زکریا کاندھلویؒ نے مختلف اسلامی علوم میں ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں، ان میں أوجز المسالک شرح موطأ مالک ہے، جو قاہرہ سے ۱۸/ جلدوں میں طبع ہوئی ہے) سادہ زندگی، قناعت پسندی دیانت ودینداری اس مدرسے کے اساتذہ اور طلبہ کے نمایاں اوصاف ہیں [۱]۔

(۳) **مدرسہ فرنگی محل:** اس مدرسے کی بنیاد لکھنؤ کے فرنگی محل میں اس وقت پڑی جب شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں علامہ قطب الدین سہالوی کی اولاد ’’سہالی‘‘ سے منتقل ہوکر فرنگی محل پہونچی، اس مدرسے کی شہرت فلسفیانہ علوم اور اسلامی تعلیم کی بنیاد پر تھی، ۱۳۰۴ھ میں علامہ عبدالحی لکھنوی کی وفات کے بعد مدرسہ فرنگی محل نے اپنا وہ علمی اور بین الاقوامی مقام کھودیا جو اسے اسلامی مدارس کے درمیان حاصل تھا [۲]۔

(۴) **مدرسہ عظیمیہ:** ۱۰۲۸ھ میں شہر عظیم آباد میں نہر کنک کے کنارے کچھ بلندی پر اس مدرسے کی بنیاد رکھی گئی اس کے قریب ایک عالی شان مسجد تعمیر ہوئی اور چاروں طرف علماء اور طلبہ کے لئے رہائش گاہیں بنائی گئیں، کئی گاؤں کی زمینیں اس کے لئے وقف کی گئیں، اس کے مدرسین میں سید ظریف اور سید کمال شامل ہیں جو شیخ نظام الدین لکھنوی کے شاگردوں میں ہیں [۳]۔

(۵) **مدرسہ والا جاہیہ:** اس مدرسہ کی بنیاد اپنے خاص خرچ پر نواب محمد علی خان گوپا

---

[۱] المسلمون في الهند علامہ، أبو الحسن ندوي، (ص۱۱۶)۔ [۲] تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص۲۲)۔ [۳] مجلہ ثقافة الهند، جون ۱۹۵۵ء، (ص۹۲)۔

مئوی نے شہر ''گوپا مئو'' میں رکھی، یہاں علامہ بحرالعلوم عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی نے کچھ دنوں تدریس کی خدمت انجام دی، ان کے بعد ان کے داماد علاء الدین لکھنوی اور عبدالواحد بن عبدالأعلی مدرس ہوئے یہ ایک مبارک درسگاہ تھی جہاں فضلاء اور علماء کی ایک جماعت تیار ہوئی[1]۔

(٦) **رام پور کا مدرسہ عالیہ:** اس درسگاہ کی بنیاد امیر فیض اللہ خان نے رکھی، نادار طلبہ کے وظائف اور علماء و اساتذہ کی ماہانہ تنخواہوں کے لئے اموال مقرر کئے یہاں خدمت تدریس انجام دینے والے علماء میں علامہ عبدالحی لکھنوی اور شیخ حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی شامل ہیں۔

(٧) **بڑا مدرسہ:** اس مدرسے کی بنیاد شہر ''جہان آباد'' کی بڑی مسجد کے قریب ١٠٦٠ھ اور ١٠٧٠ھ کے درمیان بادشاہ شاہ جہاں بن جہانگیر دہلوی نے رکھی، نام ''دارالبقا'' رکھا، شیخ یعقوب بیانی نے یہاں فریضۂ تدریس انجام دیا، یہ مدرسہ بہت دنوں تک آباد رہا پھر بند ہوگیا، مکتب ولی اللّٰہی سے نسبت رکھنے والے مفتی صدرالدین دہلوی متوفی ١٢٨٥ھ نے اسے باز آباد کاری کے بعد نئے سرے سے قائم کیا[2]۔

(٨) **دہلی کا مدرسہ شاہ ولی اللہ دہلوی:** یہ دو محلوں پر مشتمل تھا ایک محل پرانے مدرسے کے نام سے مشہور تھا جس کے بغل میں ایک نیا محل نئے مدرسے کے نام سے جانا جاتا تھا، شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ اور ان کے دونوں بھائی شیخ رفیع الدین اور شیخ عبدالقادر یہاں منصبِ تدریس پر فائز رہے، ان کے انتقال کے بعد ایک عرصے تک

---

[1] مجلہ ثقافۃ الہند، جون ١٩٥٥ء، (ص ٩٧)۔

[2] دیکھئے: نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحی حسنی (٢٢٠/٧)۔

شیخ اسحاق، شیخ یعقوب اوران کے بھتیجے شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین مدرس رہے، پھر جب ۱۲۹۷ھ میں شیخ اسحاق حرمین شریفین کی طرف ہجرت فرما گئے تو سید محمد نذیر حسین دہلوی ان کے جانشین مقرر ہوئے، یہ ہندوستان کا ایک بڑا مدرسہ تھا۱؎۔

(۹) **مدرسہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (مدرسہ ریاست بھوپال):** یہ درسگاہ علوم دینیہ کی نشر واشاعت خصوصاً علوم حدیث کے احیاء کا بڑا مرکز تھی، برصغیر ہندو بیرون ہند کے علماء محدثین اسے نہایت احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، قاضی حسین بن محسن یحیی اور قاضی بھوپال علامہ زین العابدین نے اس مدرسے میں تدریس وتصنیف اور افتاء کی ذمہ داریاں سنبھالیں۲؎۔

(۱۰) **علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:** یہ درسگاہ مدرسہ دیوبند اوراس کے طرز ونہج پر قائم دینی مدارس کے مقابل میں ہندوستان کی سب سے ترقی یافتہ اور وسیع تر تمدنی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے، اس کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں مشہور مسلم رہنما سر سید احمد خان نے ''مدرسۃ العلوم'' کے نام سے رکھی، جس نے ۱۹۲۱ء میں ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی۔

۱۸۵۷ء کے عظیم انقلاب کی ناکامی کے بعد مسلمانوں میں شدید تعلیمی اور معاشرتی جمود آگیا تھا، اپنی صلاحیتوں سے ان کا اعتماد اٹھ چکا تھا اور وہ عصری علوم کے میدان میں پیچھے جارہے تھے، جس کا فائدہ اٹھا کر سرکاری نوکریوں اوراہم حکومتی شعبوں سے انگریزوں نے مسلمانوں کو برطرف کردیا، وجہ جواز یہ تھی کہ مسلمانوں میں مطلوبہ لیاقت اورصلاحیت کی کمی ہے اور وہ دیگر علمی میدانوں میں پس ماندہ ہیں،

۱؎ مجلہ ثقافۃ الهند، جون ۱۹۵۵ء، (ص ۸۸)۔

۲؎ مآثر صدیقی (سیرت والا جاہی حسن خان، (۱۸۱/۳)، حیات شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی (ص ۱۰۰)

سید احمد خان نے سوچا کہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اس انگریزی زبان ولٹریچر اوران علوم مغرب کو سیکھیں جن کا انہوں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے، یہی نظریہ اس یونیورسٹی کے خمیر میں شامل تھا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنے اس مشن میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی، چنانچہ باصلاحیت افراد کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے نہ صرف بڑے بڑے حکومتی محکموں اور اداروں کو اپنی خدمات دیں بلکہ ان کا اعتماد بھی حاصل کیا، مسلم یونیورسٹی اوراس کے فضلاء نے مسلمانوں کی زندگی اور ملکی انتظام کے نظم ونسق میں نمایاں کردار ادا کیا[1]۔

اس زمانے میں دو قسم کی قیادتیں واضح طور پر میدان میں آئیں۔

(۱) دینی قیادت جس کی زمام علماء دین سنبھال رہے تھے۔

(۲) دنیوی قیادت کی باگ ڈور سید احمد خان اور مسلم یونیورسٹی کے حامیوں کے ہاتھوں میں تھی[2]۔

سید احمد خان مغربی تہذیب سے متأثر تھے، مغرب، مغربی فلسفے، غیبی حقائق، معجزات نبوی اور ماوراء العقل عقائد و مسلمات کی انتہا پسندانہ تاویلات کے بڑے دلدادہ تھے جس پر علماء نے ان کی تردید کی جن میں علامہ لکھنوی بھی شامل ہیں[3]، میں پچھلے صفحات میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔

انگریزی سامراج کے قیام کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے خود کو عیسائی مشینریوں اور بالفاظِ دیگر عیسائیت کی مہم کے چیلنجوں سے نبرد آزما پایا، اللہ تعالیٰ نے

---

[1] المسلمون في الهند، علامه أبوالحسن ندوي، (ص۱۱۹)،

[2] الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، (ص۶۳) ط کویت۔

[3] دیکھئے: تذكرة الراشد، علامہ عبدالحی لکھنوی، (ص۱۰۷) اورالآثار المرفوعۃ، (ص۹۶)

اسلام کے دفاع اور مبلغین عیسائیت کی تردید کے لئے ایسے ماہرین فن پیدا کئے جنہوں نے اس نازک اور اہم ذمہ داری کے لئے خود کو تیار کیا، ان میں سرفہرست علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ متوفی ۱۳۰۸ھ ہیں جنہوں نے مسیحیت کے جواب اور کتاب مقدس کے نقد پر اپنی کتاب ''اظہار الحق'' [1] لکھی، انہیں علماء میں علامہ سید آل حسن موہانی متوفی ۱۲۸۷ھ اور شیخ عنایت رسول چریا کوٹی متوفی ۱۳۲۰ھ شامل ہیں، اول الذکر نے دو کتابیں "الاستفسار" اور "الاستبشار" لکھی، آخر الذکر نے "البشریٰ" تصنیف کی [2]۔

اس طرح علماء نے مغربی افکار کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات اپنانے کی ترغیب دی، نیز علم و معرفت اور ایمان و یقین کے ہتھیاروں سے لیس مسلم نسلوں کی تیاری کے لئے صحیح اسلامی افکار کی بنیاد پر تعلیم و تربیت کے مراکز اور درسگاہیں قائم کیں۔

مندرجہ بالا باتوں سے علماء کی وہ گراں قدر کوششیں صاف ظاہر ہوتی ہیں جو انہوں نے ہندوستان میں علمی ترقی کے تحفظ اور اسلامی عقائد و احکام اور قوانین کے دفاع کی خاطر پیش کیں جن کے بارے میں انگریز، ہندو، زنادقہ اور دیگر گمراہ فرقے تشکیک و بیجا اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، اسی طرح ان دینی

---

[1] یہ کتاب اپنے موضوع پر عمدہ ترین کتاب شمار کی جاتی ہے، معاشرہ پر اس نے واضح اثرات مرتب کئے اور ہمیشہ ہی اس موضوع کا بنیادی مرجع قرار دی گئی ہے، ہندوستان اور قطر میں شیخ عبداللہ انصاری کے اہتمام میں کئی مرتبہ طبع ہوئی، اسی طرح شیخ کیرانوی کا پوپ فندر کے ساتھ مناظرہ بہت مشہور ہے، علامہ کیرانوی نے اس پوپ اور اس کے حامیوں کو مسلمان، عیسائی اور ہندوؤں وغیرہ کے بھرے مجمع کے سامنے لاجواب کر دیا جس سے عیسائی تبلیغ کا اعتبار و وقار جاتا رہا، دیکھئے: اظہار الحق، (۳۴/۱)، قطر۔

[2] دیکھئے: المسلمون في الهند، (ص ۴۰)۔

اداروں ، گاؤں گاؤں ، شہر شہر مبلغین کے دوروں اور حقیقتِ اسلام کی توضیح وتشریح، اس کے خلاف پیدا کئے گئے شکوک وشبہات کی تردید میں رقم کی گئیں مسلمانوں کی قیمتی اور وقیع کتابوں کا بھی ہندوستانی مسلمانوں کے ماحول اور دین وشریعت کے احکام وقوانین کے تحفظ ونشر واشاعت میں بڑا اہم رول رہا ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس علمی فروغ کے زمانے میں سانسیں لیں یقیناً متأثر بھی ہوئے اور اس پر اپنے اثرات بھی ثبت کئے، چنانچہ اس ماحول کا ان کی علمی تربیت میں بڑا اثر رہا۔

علامہ لکھنوی کے عہد سے ماقبل تاریخ اور حدیث ومحدثین پر ایک نظر:

کچھ سابقہ ادوار کے استثنا کے ساتھ علامہ لکھنوی سے پہلے کا زمانہ ہندوستان کے علمی ادوار میں سب سے نمایاں دور کہا جائے گا، اس زمانے میں بہت سے نام ظاہر ہوئے جن کا حدیث وعلوم حدیث کے احیاء میں بڑا اثر رہا، علامہ لکھنوی اور اس دور کے علماء میں ربط وتعلق کو دیکھتے ہوئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے علمی عروج پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

اوائل اسلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسلام کی صبح صادق ہندوستان کے افق سے طلوع ہو رہی تھی اور اس کی نورانی کرنیں اس وسیع وعریض ملک پر ضوافشانی کر رہی تھیں، خلفائے راشدین کے زمانے ہی میں اسلام مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی موجیں سرحدوں سے بے نیاز پوری دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کر رہی تھیں۔

وحی ورسالت کے اولین مہبط ومرکز جزیرۃ العرب سے برصغیر ہند کچھ زیادہ دور نہ تھا، عرب وہند کے درمیان تجارتی تعلقات پہلے ہی سے قائم تھے، سوداگر جزیرہ سرندیپ کی طرف جاتے ہوئے ہندوستان کے مشرقی ساحلی علاقوں پر پہنچتے تھے اور یہاں سے چین کے لئے روانہ ہوتے تھے، اسلام کی آمد تک یہ تجارتی تعلقات قائم تھے، چنانچہ سب سے پہلے اسلام ہندوستان میں مسلمان عرب تاجروں کے ساتھ آیا[۱]۔

یہ تجارتی روابط ہندوستان میں اسلام کے داخلے کا واحد ذریعہ نہ تھے، بلکہ اسلام بحروبر کے راستوں سے مسلم فاتحین کے ساتھ بھی آیا اور ان تجار وفاتحین کے ساتھ ہندوستان میں فتوحات اسلامیہ کے اولین دور میں علوم شریعت بھی پہونچے[۲]۔

ہندوستان پر فوج کشی کرنے والے غازیوں میں ربیع بن الصبیح سعدی بصری بھی ہیں جن کے بارے میں ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اسلام کے موضوع پر کتاب لکھی[۳]، اگر وہ علی الاطلاق سب سے پہلے مسلم مصنف نہیں ہیں تو علم حدیث کے اولین مؤلفین میں کی فہرست میں ان کی شمولیت مجال انکار بھی نہیں، ہندوستان ہی میں ۱۶۰ھ میں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے[۴]۔

عرب غازیوں کے ساتھ علم حدیث ہندوستان میں آیا، یہ علم حدیث ان کے گوشت پوست میں سمایا ہوا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد نے ہندوستان ہی میں سکونت

---

[۱] دیکھئے: تاریخ الدعوة الإسلامية في الهند، مسعود عالم ندوی، (ص۴)۔

[۲] دیکھئے: العقد الثمین في فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین، قاضی اطہر مبارک پوری (ص۳۵)

[۳] کشف الظنون، حاجی خلیفہ، (۱۷۵۰/۲)۔

[۴] مقدمہ أوجز المسالک، ندوی، (ص۱۲)، تہذیب التہذیب، ابن حجر، (۲۶۱/۷)۔

اختیار کر لی ان کا انتقال بھی یہیں ہوا جب عربوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان پر غزنوی بادشاہوں کا تسلط عمل میں آیا تو فن حدیث اجنبی اور عنقا ہو گیا، شعر و شاعری، علم نجوم اور علوم دینیہ میں فقہ و اصول لوگوں کے اعصاب پر سوار ہو گئے اور کئی صدیوں تک یونانی فلسفہ اہل ہند کا کل سرمایہ رہا، فقہ کے علاوہ علوم حدیث و قرآن سے اعراض برتا گیا، حدیث میں علامہ صغانی متوفی ۶۵۰ھ کی ''مشارق الانوار'' ان کی آخری منزل تھی، اگر کوئی علامہ بغوی کی ''مصابیح'' کو پڑھتا تو وہ اس خیام خیالی میں مبتلا ہو جاتا کہ وہ محدثین کے درجہ پر فائز ہو گیا ہے، یہ علم حدیث سے ان کی ناواقفیت کی بنا پر تھا[۱]۔

صورت حال بدستور قائم رہی بلکہ سنگین ہو گئی، ایسا لگتا تھا کہ دین کے اصل سرچشمہ سے مسلمانوں کا تعلق ٹوٹ جائے گا، ملک عرب میں تالیف و تصنیف اور تعلیم و تدریس کی جو تحریک چل رہی تھی ہندوستان اس سے بھی دور تھا، چنانچہ ہندوستان علوم اسلامیہ کے قافلے سے پیچھے رہ گیا اور اپنے اندر سمٹا سکڑا ہوا بیگانۂ کائنات بن کر رہا، آٹھویں صدی ہجری علاء الدین خلجی کے زمانے میں مصری عالم شیخ شمس الدین ہندوستان آئے تو انہیں سخت صدمہ ہوا، انہوں نے سلطان کے نام ایک خط میں حدیث سے بے اعتنائی برتی جانے پر اس ملک کے فقہا کی سرزنش کی لیکن ہندوستان کے علماء نے بادشاہ تک اس خط کو پہونچنے ہی نہ دیا[۲]۔

بالآخر ہندوستان پر رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور حجاز، حضر موت، مصر، عراق، اور

---

[۱] دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی (ص ۱۳۵)، اور الحطة بذکر الصحاح الستة، قنوجی، (ص ۱۶۰)۔ [۲] دیکھئے: مقدمہ أوجز المسالک، ندوی، (ص ۱۲)، مقدمہ تحفة الأحوذی، مبارکپوری (ص ۴۹)، تاریخ فیروز شاہی، قاضی ضیاء الدین برنی، (ص ۲۹۷)۔

ایران سے بیشتر محدثین اس ملک میں تشریف لائے، جن میں شیخ عبدالمعطی بن الحسن باکثیر مکی متوفی ۹۸۹ھ احمد آباد، شہاب احمد بن بدرالدین مصری متوفی ۹۹۲ھ احمد آباد، شیخ محمد بن احمد بن علی فاکہی حنبلی متوفی ۹۹۲ھ احمد آباد، شیخ محمد بن محمد عبدالرحمٰن مالکی مصری متوفی ۹۱۹ھ احمد آباد، شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی متوفی ۹۵۴ھ اکبرآباد، شیخ ابراہیم بن احمد بن الحسن بغدادی، شیخ ضیاءالدین مدنی مدفون کاکوری، شیخ بہلول بدخشی، خواجی میر کلاں ہروی متوفی ۹۸۱ھ اکبرآباد وغیرہ کے نام نامی سرِفہرست ہیں[۱]۔

بعض علماء کو حرمین شریفین کی زیارت کا بھی موقع ملا جن کے ناموں کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا، ان میں شیخ حسام الدین علی المتقی مصنف ''کنزالعمال'' متوفی ۹۷۵ھ بہت مشہور ہیں، ان کا شمار ہندوستان کے بڑے محدثین میں ہے، انہوں نے شیخ حسام الدین ملتانی اور دیگر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پھر ۹۵۳ھ کو حرمین شریفین کا سفر کیا وہاں شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کیا اور درس وتالیف میں مشغول ہوئے، سیوطی کی ''جمع الجوامع'' کو فقہی ابواب پر مرتب کر کے اس کا نام ''کنزالعمال'' رکھا، ابوالحسن بکری کہتے ہیں کہ علماء پر سیوطی کا احسان ہے اور سیوطی پر متقی کا احسان ہے[۲]۔

شیخ متقی کے مشہور تلامذہ میں علامہ محمد بن طاہر پٹنی مصنف ''مجمع البحار'' متوفی ۹۸۶ھ اہم ہیں، ان کا خاندان گجرات کے ایک گاؤں ''پٹن'' سے تعلق رکھتا ہے، اسی

---

[۱] دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی (۱۳۶)

[۲] دیکھئے: سبحة المرجان في آثار هندوستان، زبیدی، (ص ۱۰۶)، نزهة الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۴/۴)، أبجد العلوم، قنوجی، (۲۲۱/۳)

سے ان کی نسبت ''پٹنی'' (فتنی) کی جاتی ہے، یہ احمد آباد کے قریب ہے، علامہ پٹنی نے حرمین شریفین کا سفر کر کے خصوصاً شیخ علی متقی سے شرفِ ملاقات حاصل کیا، آپ شیخ متقی کے ہونہار شاگردوں میں ہیں، اپنے استاد کی زندگی ہی میں دو کتابیں ''مجمع البحار'' اور ''المغنی فی اسماء الرجال'' لکھیں، ''مجمع البحار'' پر استاذ نے داد و تحسین سے نوازا، ان کی دیگر تصانیف میں ''تذکرۃ الموضوعات'' اور ''قانون الموضوعات'' قابل ذکر ہیں، پھر وطن لوٹے اور ۹۸۶ھ اپنی شہادت تک حدیث کی نشر و اشاعت اور رد بدعات و منکرات میں لگے رہے[۱]۔

اب علامہ عبدالحق بن سیف الدین بخاری دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ کا زمانہ آیا[۲]، انہوں نے علماء حجاز سے علم حاصل کر کے ہندوستان منتقل کیا، دارالسلطنت دہلی کو اپنا مرکز بنا کر علوم حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تدریس، تشریح و تعلیق میں ہمہ تن منہمک ہو گئے، اب علماء علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے کتب صحاح عام ہوئیں اور علم حدیث کا بازار پھر گرم ہوا، ان کے بعد ان کے لڑکوں اور پوتوں نے یہ میراث سنبھالی، تدریس و تالیف میں مشغول ہوئے، ہندوستان کے ہر خطے اور علاقے میں ایسے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے فن حدیث میں جن کی مہارت اور فضل و کمال کا لوہا مانا گیا[۳]۔

پھر شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ کا دور آیا آپ نے حجاز کا سفر کر کے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی اور دیگر علماء حرم سے

---

[۱] دیکھئے: أبجد العلوم، صدیق حسن قنوجی، (۲/۲۲۲)، النور السافر، عیدروسی (ص ۳۲۳)، سبحۃ المرجان، زبیدی، (ص ۱۰۹)۔

[۲] دیکھئے: أبجد العلوم، قنوجی، (۳/۲۲۸)، نزهة الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۵/۲۰۱)۔

[۳] دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی (۱۳۵)۔

علم حدیث حاصل کیا۔

علامہ محسن بن یحییٰ ترہتی ''الیانع الجنی'' میں شیخ ابوطاہر کا قول نقل کرتے ہیں:
شیخ ولی اللہ میری طرف سے لفظ بیان کرتے اور میں اس کا مفہوم درست کر دیتا تھا، یا ایسی ہی کوئی بات فرماتے تھے[۱]، پھر شاہ ولی اللہ ہندوستان واپس لوٹے اور حدیث کی نشرواشاعت میں لگ گئے، جس عمارت کی بنیاد شیخ عبدالحق نے رکھی تھی اس کی کمی پوری کر کے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عربی اور فارسی میں موطأ امام مالک کی شرح، شرح تراجم ابواب البخاری اور اسرارحدیث وفقہ پر اپنی مشہور زمانہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' لکھی، اس کے بعد ہندوستان میں حدیث کی حکمرانی قائم ہوگئی اور مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب تک علم حدیث کی مست خرام ہوائیں چلنے لگیں، ہندوستان کے کونے کونے سے طلب حدیث کے شوق میں طلبہ کا ہجوم امنڈ پڑا اور علم حدیث کا حصول، اہل صلاح وتقویٰ اور حاملین عقائد صحیحہ کا امتیاز اور شرط کمال قرار پایا، جس کے بغیر کوئی عالم قابل اعتبار نہ رہا، حصن حصین کے ساتھ صحاح ستہ کا پڑھنا بھی لازم ہوا، شاہ ولی اللہ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ ہندوستان کے طول وعرض میں اس شجر طوبیٰ کی طرح پھیل گئے جس کی جڑ کا پتہ نہیں ہوتا لیکن اس کی شاخیں ہر جگہ پہونچتی ہیں، کوئی سند، کوئی درس، کوئی تالیف اور کوئی اصلاح وتجدید کی تحریک ایسی نہیں جس کا علمی نسب شاہ ولی اللہ دہلوی تک نہ پہونچتا ہو[۲]، ان کے شاگردوں میں شیخ محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی

---

[۱] دیکھئے: اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبدالغنی، (ص۲)، مطبوعۂ ہند، هامش كشف الأستاذ عن رجال معاني الآثار۔ [۲] دیکھئے: مقدمہ أوجز المسالك، ندوی، (ص۱۴)۔

مصنف ''التفسیر الثنائی''اور ''منارالاحکام''اہم ہیں جنھیں شیخ عبدالعزیز نے بیہقیٔ دوراں کا لقب دیا، اسی طرح محدث سید مرتضٰی بلگرامی زبیدی متوفیٰ ۱۲۰۵ھ آپ کے شاگرد ہیں، ان کی کتابیں" عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب أبى حنيفة"، إتحاف السادة المتقين" "شرح احياء علوم الدين" اور "تاج العروس" بہت معروف ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد انکے ہونہار فرزند اور تلمیذ رشید شیخ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۳۹ھ والد ماجد کی مسند شرف پر فائز ہوئے اللہ نے ان کی تدریس میں برکت رکھی تھی، بڑے بڑے ناموراور بلند قامت محدثین نے ان سے کسب فیض کیا، جن میں ان کے پوتے شیخ محمد اسحاق بن محمد افضل عمری متوفی ۱۲۶۲ھ بہت مشہور ہیں، حدیث کی نشر واشاعت اور اساتذہ کی تربیت میں ان کا حصہ بہت بڑا ہے، اخیر زمانے میں رئیس المحدثین کے مقام پر وہی فائز، اور تدریس وتعلیم کا ملجاوماً وی تھے، دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں سفر کر کے آتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں جس توفیق اور قبولیت سے نوازا تھا وہ ان کے معاصرین میں نہ ہندوستان میں کسی کو حاصل ہوا اور نہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں کسی کو حاصل ہوا، "وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"[1]۔

یہ علامہ لکھنوی سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ اوراس کے مختلف ادوار کا ایک سرسری جائزہ تھا، جس سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ شاہ ولی اللہ دہلوی اوران کے شاگردوں ہی کے ذریعہ علم حدیث کی نشأت ثانیہ ہوئی جس کا قدرتی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ علم حدیث کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔

---

[1] دیکھئے: الإمام ولي الله الدهلوي، أبو الحسن ندوي، (ص۱۲۰)۔

فصل اول

نشو ونما اور حالات زندگی

نام ونسب

مکمل نام عبدالحی بن عبدالحلیم بن عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن شہید قطب الدین انصاری سہالوی [۱] لکھنوی ہے، مؤرخ کبیر عبدالحی حسنی نے ''نزھۃ الخواطر'' میں یہی نسب بیان کیا ہے [۲]۔

لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی نے اپنا تعارف بعض کتابوں میں خود اس طرح کرایا ہے: عبدالحی بن محمد عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد بن محمد سعید بن قطب الدین شہید [۳]۔

یہ اختلاف ناموں کے اختصار کی وجہ سے پیدا ہوا کیونکہ ''التعلیق الممجد'' اور دیگر کتب میں علامہ لکھنوی خود بیان کرتے ہیں کہ ان کے جدّ اول کا نام محمد امین اللہ اور جد ثانی کا نام محمد اکبر ہے [۴]۔

علامہ کا نام ونسب بیان کرنے میں پروفیسر عمر رضا کحالہ سے سہو ہوا، انہوں نے

---

[۱] ''سہالوی'' سین مہملہ مکسور پھر یاء مفتوح، اس کے بعد الف ساکن، پھر لام مفتوح پھر واؤ مکسور، آخر میں یاء ساکن، سہالی، (لام مکسور، یاء تحتانی ساکن) لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ کا نام، دیکھئے: آثارالأول من علماء فرنگی محل، مولانا محمد قیام الدین، (ص۸) مطبوعہ مطبع مجتبائی لکھنؤ، اور حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، علامہ لکھنوی، (ص۸۲،۸۳)۔

[۲] نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع والنواظر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۴/۸) مطبوعہ الہند۔

[۳] النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، لکھنوی، (ص۱۴۸)) مطبوعہ دبدبہ احمدی لکھنؤ الہند۔

[۴] دیکھئے: مقدمہ ''التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد، لکھنوی (ص۱۰) حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم (ص۸۲)

اس طرح بیان کیا: محمد بن محمد عبدالکریم بن احمد بن محمد بن یعقوب لکھنوی [۱]، یعنی پروفیسر موصوف سے علامہ، علامہ کے والد اور جد اول وثانی وثالث کے اسماء میں غلطی ہوئی ہے۔

''فهرس المكتبة الأزهرية'' اور ''إيضاح المكنون'' میں محمد بن عبدالحی [۲] اور ''فہرس دارالکتب المصریہ'' میں عبدالحی بن محمد بن عبدالحلیم معروف بہ ابن عبدالحی [۳] اور مفتاح السنہ میں عبدالحی بن محمد ہندی آیا ہے [۴]۔

میرے نزدیک اس اختلاف کی بنیادی وجہ اہل عرب اور برصغیر ہند کے لوگوں کے درمیان ناموں کا مختلف طریقۂ استعمال ہے، اہل عرب اپنے بیٹوں کا ایک مفرد نام رکھتے ہیں، جبکہ اہل ہند عموماً دوناموں پر مشتمل نام رکھتے ہیں جیسے محمد علی، محمد عبدالعلی، اسی وجہ سے علامہ لکھنوی کے نام میں بعض عرب مؤرخین سے چوک ہوئی ہے کہ انہوں نے اسم مرکب کو دو آدمیوں کا نام سمجھا مثال کے طور پر علامہ لکھنوی نے اپنا نام محمد عبدالحی بتایا محمد کا اضافہ نام کے شروع میں تبرکاً کیا، بعض مؤرخین یہ گمان کر بیٹھے کہ یہ دو آدمیوں کا نام ہے تو انہوں نے محمد اور عبدالحی کے درمیان ابن کے لفظ کا اضافہ کردیا جس سے محمد عبدالحی کے بجائے محمد بن عبدالحی ہوگیا۔

ولادت کے ساتویں دن والد نے عبدالحی نام رکھا [۵]، علامہ لکھنوی نے بیان کیا ہے کہ جب میرے والد نے میرا نام عبدالحی رکھا تو کسی ظریف الطبع نے ان سے

---

[۱] معجم المؤلفين، عمر رضا کحالہ (۲۳۵/۱۱)۔ [۲] دیکھئے: فهرس المكتبة الأزهرية، (۲۵۶/۲، ۲۹۶) اور إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون، بغدادی (۵۸۱/۱)۔

[۳] فهرس دارالکتب المصریہ، (۲۶۲/۸)۔ [۴] مفتاح السنة، خولی، (ص ۲۷)۔

[۵] مقدمہ التعليق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۷)، مقدمہ ہدایہ، لکھنوی، (۴۱)۔

کہا'' آپ نے نام سے حرف نفی حذف کیا ہے یہ درازیٔ عمر اور حسن عمل کے لئے اچھا شگون ہوگا''، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ فال میرے حق میں سچ ثابت ہوگی اور مجھے اللہ سبحانہ وتعالی میرے نام کی برکت سے دنیا میں حسن اعمال کے ساتھ درازیٔ حیات اور قیامت کے دن پسندیدہ زندگی عطا کرے گا[۱]۔

کنیت: کنیت ابوالحسنات ہے، علامہ لکھنوی کہتے ہیں کہ سن بلوغ کے بعد میرے والد نے میری کنیت ابوالحسنات رکھی[۲]۔

نسبت: صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاری[۳] رضی اللہ عنہ کی نسبت سے انصاری[۴] اور شہر لکھنؤ کی طرف انتساب کر کے لکھنوی کہلاتے ہیں، شہر لکھنؤ گومتی ندی کے دونوں کناروں پر بسا ہوا شہر ہے، یہ اتر پردیش کی راجدھانی ہے، انگریزی سامراج کے زمانے میں سلطنت اودھ کا پائے تخت تھا[۵]، مؤرخ ''گوسٹاف لوبون'' کہتا ہے: جب سے لکھنؤ انگریزوں کی بادشاہت میں فردوس ہند کے نام سے مشہور سلطنت اودھ کا پائے تخت قرار پایا اسی وقت سے اسے بڑی اہمیت حاصل ہوئی، وہ

---

[۱] حسرة الفحول، لکھنوی (ص۳)۔ [۲] التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص۲۸)۔

[۳] أبوایوب انصاری کنیت اور نام خالد بن زید بن کلیب ہے، بہت سے صحابہ کرامؓ وتابعینؒ نے آپ سے روایت کی ہے، آپ بیعت عقبہ، غزوہ بدر ودیگر اسلامی جنگوں میں شریک رہے، غزاۃ ''قسطنطنیہ'' میں ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں وفات ہوئی، دیکھئے: الإصابة، ابن حجر، (۱/۸۹، ۹۰)۔

[۴] دیکھئے: النافع الکبیر، (ص۱۴۹)۔ [۵] ''اودھ'' کا علاقہ علم وفن میں بے پناہ شہرت وعزت کا حامل تھا، اس کے چپے چپے میں جیسے بلگرام، ہرکام، جائس، نیوتنی، کوپامئو، امیٹھی، سندیلہ، کاکوری اور خیرآباد کے مختلف مواضعات میں بہت سے علماء پیدا ہوئے، لیکن اب صورتحال بالکل برعکس ہے، بجا طور سے ''اودھ'' کا علاقہ اب اسلاف کا مقبرہ بن چکا ہے، دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند علامہ عبدالحی حسنی، (ص۱۱) مطبوعہ، دمشق۔

اپنے خوبصورت جائے وقوع کی وجہ سے یوروپیوں کا دل کھینچتا ہے، یہ شہر بہت پر بہار اور قابل نظاّرہ عمارتوں کا وارث وامین ہے[۱]۔

شہر لکھنؤ ان علماء سے آباد تھا جنہوں نے اسلامی تہذیب اور دینی علوم کی نشر واشاعت کی اور فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، لغت اور شعر وشاعری کی ایک عظیم میراث چھوڑی۔

علامہ سید عبدالحی حسنی کا بیان ہے کہ شہر لکھنؤ کو جونپور سے روشنی ملی اور یہاں جلیل القدر علماء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس کی آخری کڑی مولانا نظام الدین سہالوی ہیں[۲]۔

فرنگی محل کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ فرنگی محلی کہلاتے ہیں، فرنگی محل لکھنؤ کا ایک محلّہ ہے جسے ایک فرانسیسی تاجر نے اپنے لئے بنوایا تھا، جب وہ اسے چھوڑ کر اپنے وطن چلا گیا تو یہ محلّہ حکومت کی ملکیت میں آگیا[۳]، ۱۱۰۵ھ میں جب اہل سہالی نے ملا[۴] قطب الدین کو شہید کر دیا اس وقت ان کے صاحبزادے ملا اسعد شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ دکن میں تھے، ملا قطب الدین کی شہادت کی خبر نے شہنشاہ کو غم میں مبتلا کیا، انہوں نے آپ کی اولاد کو فرنگی محل کے دئے جانے کا حکم

---

[۱] حضارات الهند، گوسٹان لوبون (ص ٦٦)

[۲] الثقافة الإسلامية في الهند علامه عبدالحی حسنی، (ص ۱۰)

[۳] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۰)

[۴] حافظ مرتضی زبیدی بلگرامی کہتے ہیں: ''ملا'' کا لفظ ''مولی'' سے بنا ہے، ''مولی'' کی طرف نسبت ''مولوی'' ہوگی، اور اہل عجم بڑے عالم کو ''مولوی'' کہتے بھی ہیں، لیکن ''ملا'' کہنا قبیح ہے، دیکھئے: تاج العروس، زبیدی، (۱۰/۴۰۱)۔

نامہ صادر کیا[۱] اس طرح قطب الدین شہید کا خاندان سہالی سے لکھنؤ منتقل ہوکر فرنگی محل میں بس گیا[۲] جس کا سابقہ نام اپنی جگہ قائم رہا۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آپ کے بعض افغان[۳] ودیگر تلامذہ کا خیال ہے کہ ''فرنگی'' اصل میں ''فرہنگی'' ہے جس کے معنی ''فہم'' کے ہیں پھر کثرت استعمال سے ''ہاء'' گرگئی یہ نکتہ تو ہے مگر نا قابل اعتناء ہے، صحیح تحقیق وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی[۴]۔

فرنگی محل میں ۲۵۰ر سے زائد فقہ، حدیث، تفسیر، لغت، منطق، فلسفہ، اور ریاضیات کے علماء وماہرین پیدا ہوئے مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی نے ''تذکرہ علماء فرنگی محل'' میں ان کا ذکر کیا ہے، موصوف نے یہ کتاب ۱۳۴۷ھ میں تالیف کی۔

اس خانوادے سے نسبت رکھنے والے علماء میں ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین شہید نے بڑی شہرت حاصل کی[۵]، ان کے بارے میں سید غلام علی آزاد کہتے ہیں: وہ ہمہ داں باکمال عالم تھے[۶] اور اس درس نظامی کے بانی ہیں جو آج بھی برصغیر

---

[۱] بعض اہل سیر کا کہنا ہے کہ اورنگ زیب نے ان کے قاتلوں سے جنہوں نے بہت سے طلبہ کو قتل کیا تھا، قصاص لیا تھا، دیکھئے: بانی درس نظامی، انصاری، (ص ۲۱)، آثار الأول، محمد قیام الدین، (ص ۱۵)۔

[۲] أحوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمٰن، (ص ۱۱)۔

[۳] افغانستان کی طرف نسبت ہے۔ [۴] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۵)۔

[۵] آپ ''سہالی'' میں ۱۰۹۰ھ میں پیدا ہوئے، والد کی شہادت کے بعد لکھنؤ آگئے، اپنے دادا اور ملا علی قلی جائسی، ملا أمان اللہ بنارسی اور ملا غلام نقشبندی سے علم حاصل کیا، استاذ ہند کا لقب پایا، ۱۱۹۱ھ لکھنؤ میں وفات ہوئی، دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمٰن، (ص ۷۷)، نزہۃ الخواطر، (۶/۳۸۳)، الأغصان الأربعۃ، مولوی ولی اللہ، (ص ۳۰۲)۔

[۶] سبحۃ المرجان في آثار هندوستان، زبیدی، (۲/۴۹) مطبوعہ علی گڑھ الہند۔

ہند کے مدارس میں رائج ہے۔

علامہ سید عبدالحی حسنی فرماتے ہیں: مولانا نظام الدین سہالوی نے ہندوستان کی درسیات کا ایک نیا نظام تشکیل دیا جسے قبولیت حاصل ہوئی اور آج تک اس کی افادیت ومعنویت میں کوئی کمی نہیں آئی[۱]۔

علامہ قنوجی آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں: آپ درسی فنون اور عقلی ونقلی علوم میں کامل دستگاہ رکھنے والے ایک باکمال عالم تھے[۲]۔

خانوادۂ فرنگی محل کا ایک چراغ روشن ملا عبدالعلی بن ملا نظام الدین ہیں، یہ اپنے زمانہ کے اعیان میں تھے[۳]، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان کو بحرالعلوم کا لقب دیا[۴]، ان کی مشہور کتابوں میں ''رسائل الارکان'' ہے، ۱۲۲۵ھ مدراس میں انتقال ہوا۔

ایک اور بڑا نام علامہ عبدالحی کے والد بزرگوار ملا محمد عبدالحلیم انصاری کا ہے ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ان کے حالات بیان کریں گے۔

ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ فرنگی محل شمالی ہند کا عظیم علمی قلعہ اور سرچشمۂ علوم وفنون تھا جہاں علماء وفضلاء کا وہ پاکیزہ گروہ تیار ہوا جس نے برصغیر ہند اور دوسرے ملکوں میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی ترویج واشاعت کا عظیم کام سرانجام دیا۔

---

[۱] الثقافة الإسلامية في الهند، علامه عبدالحی حسنی، (ص۱۶)۔

[۲] أبجد العلوم، قنوجی، (۲۴۱/۳) مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ۔

[۳] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص۲۵)۔

[۴] أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمٰن، (ص۶۵)، لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لقب شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کا عطا کردہ ہے، دیکھئے: علم الحدیث بالھند، (۵۶)۔

خاندان: علامہ لکھنوی کا خاندان، علم، دینداری اور صلاح وتقوی میں شہرت رکھتا ہے، ان کے والد کا شمار ہندوستان کے بڑے علماء میں ہے جن کی فقہ وحدیث و معقولات میں بہت سی تالیفات ہیں ۱ ، ان کے جدّ اول شیخ امین اللہ حافظ قرآن تھے، فتاوی لکھتے تھے، ۱۲۵۳ھ میں انتقال کیا ۲ ، جد دوم ملا محمد اکبر نے اپنے والد سے درسی کتابیں پڑھیں، بڑے زاہد وعابد تھے ۳ ، جد سوم مفتی احمد ابوالرحم نے جو عالم و فقیہ تھے درسی کتابیں والد سے پڑھیں ۴ ، جد چہارم ملا محمد یعقوب نے ملا نظام الدین سے مختلف علوم پڑھے فقہ کے بڑے ماہر تھے، مفتیٔ عدالت کے منصب پر فائز ہوئے، ۱۲۸۷ھ میں انتقال ہوا ۵ ، جد پنجم ملا محمد عبدالعزیز نے اپنے والد کی شاگردی اختیار کی، باکمال عالم، شیخ کامل اور زاہد ومتقی تھے، ۱۱۶۵ھ میں انتقال ہوا ۶ ، جد ششم ملا محمد سعید بلند پایہ عالم تھے والد کی شہادت کے بعد بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، دکن میں انتقال ہوا، میں نے بعض معتبر ومعتمد لوگوں سے سنا ہے کہ وہ فتاوی ہندیہ (فتاوی عالمگیریہ) کی تالیف میں شریک تھے ۷ ، جد ہفتم ملا قطب الدین شہید ۸ لکھنؤ کے ایک گاؤں ''سہالی'' میں پیدا ہوئے، مدرسہ لاہور میں

---

۱ دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم (ص ۸۲، ۹۵)۔

۲ أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن، (ص ۱۷)، نیز دیکھئے: آثار الأول، محمد قیام الدین (ص ۸)۔

۳ ایضاً۔ ۴ ایضاً، آثار الأول، محمد قیام الدین (ص ۷)۔

۵ آثار الأول، محمد قیام الدین (ص ۳۴)۔ ۶ ایضاً، (۸۱)۔ ۷ ایضاً، (۱۵)۔

۸ یہ علامہ عبدالحلیم کے فرزند ہیں، ملا قطب الدین شہید کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑے ملا اسعد، سب سے چھوٹے ملا محمد سعید، ان سے چھوٹے ملا نظام الدین اور ان سے چھوٹے ملا محمد رضا، دیکھئے: ''آثار الأول''، (ص ۴)۔

اپنے والد سے پڑھا، ملا دانیال سے کسب فیض کیا، درس وتدریس کا مشغلہ تھا ایک بڑی خلقت ان کے شاگردوں کی ہے جن کا احصا دشوار ہے، اصول فقہ، علم معانی، منطق و فنون عربیہ میں ان کا ثانی نہ تھا[۱]۔

اودھ کے قصبہ ''سہالی'' میں ان کے خاندان کے سب سے پہلے شخص جو آ کر قیام پذیر ہوئے وہ بزرگ ملا نظام الدین ہیں، وہ حافظ قرآن اور علوم وفنون کے ماہر تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا[۲]، ایک قول یہ ہے کہ ''سہالی'' میں سب سے پہلے مقیم ہونے والے شخص ملا نظام الدین کے والد ملا بدرالدین ہیں، پھر ''برناوہ'' پہنچے اور وہیں ۸۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا[۳]۔

''ہرات'' سے ہندوستان آنے والے اس خاندان کے پہلے بزرگ ملا جلال الدین بن خواجہ سلیم بن خواجہ اسماعیل بن عبداللہ انصاری ہیں، انہوں نے جہاد کے لئے ہجرت کی اور ''سرسل'' میں بس گئے، مسجد وخانقاہ کی بنا ڈالی[۴]، پھر انہیں کی نسل سے ملا بدرالدین پیدا ہوئے دہلی میں ''برناوہ'' کو وطن بنایا، معقولات ومنقولات کے عالم تھے، ۸۷۸ھ میں انتقال فرمایا، ملا جلال الدین کے اجداد میں شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری متوفی ۴۸۱ھ ہیں جن کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں ''بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا، ایک مدت تک قرآن کی تفسیر بیان کی، ان کی خوبیوں کا شمار نہیں، عبدالغافر کہتے ہیں: وہ عربیت، حدیث، تواریخ وانساب کے بڑے

---

[۱] دیکھئے: آثار الأول، محمد قیام الدین (ص۴)، سبحۃ المرجان، زبیدی، (ص۷۶)۔

[۲] تذکرۃ الأنساب، سید امام الدین احمد (ص۱۵۲)۔

[۳] تذکرۃ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص۹)۔

[۴] ایضاً (ص۵) اور دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمٰن، (ص۸)۔

عالم اور تفسیر کے بلند پایہ امام تھے، تصوف میں اچھی بصیرت رکھتے تھے [۱]، بہت سی کتابیں لکھیں جن میں "کتاب الأربعین، کتاب الفروق اور "منازل السائرین" جس کی شرح "مدارج السالکین" کے نام سے ابن القیم متوفی ۷۵۱ھ نے کی، بہت مشہور ہیں۔

عبداللہ انصاری کے اجداد میں ایک ابومنصور بن ابوایوب انصاری تھے، جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۳۱ھ میں "خراسان" بہ سلسلۂ جہاد آئے اور وہاں سے "ہرات" آ کر بس گئے اور وہیں انتقال ہوا [۲]۔

یہ سلسلہ ۴۳/ واسطوں سے صحابیؓ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہونچتا ہے [۳]۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں "ہمارے بعض اجداد مدینہ طیبہ سے "ہرات"، وہاں سے "دہلی"، "دہلی" سے "سہالی" پہونچے اور یہیں قطب شہید کی قبر ہے [۴]، اس سے واضح ہوا کہ علامہ لکھنوی کا خاندانی سلسلہ اس معزز خاندان تک پہنچتا ہے، جو "حجاز" سے "ہرات"، "ہرات" سے دہلی، دہلی سے "سہالی" پھر "سہالی" سے "فرنگی محل" میں آبسا۔

ولادت: ۲۶/ذی قعدہ بروز منگل ۱۲۶۴ھ کو علامہ لکھنوی "باندہ" میں پیدا ہوئے [۵] جہاں ان کے والد مدرسہ امیر نواب ذوالفقارالدولہ میں مدرس تھے، لیکن شیخ الطاف الرحمٰن نے اپنی کتاب "احوال علماء فرنگی محل" میں اختلاف کرتے ہوئے لکھا

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، (۱۱۸۹/۳)۔ [۲] أنوار العارفین، محمد حسین مرادآبادی، (ص ۲۳)۔

[۳] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۳)۔

[۴] النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، لکھنوی، (ص ۱۵۰)۔

[۵] دیکھئے: مقدمہ السعایۃ، لکھنوی، (ص ۴۱)، النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۰)، نزھۃ الخواطر، (۲۳۴/۸) کنزالبرکات، محمد حفیظ اللہ، (ص ۲۵)۔

ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۶۵ھ میں ہوئی، مولوی فصیح الرحمٰن نے ان سے اتفاق کیا ہے [۱]، ظاہر ہے کہ یہ قول غیر راجح ہے کیونکہ تمام اہل سیر بلکہ خود علامہ لکھنوی کے قول کے بھی خلاف ہے، لہٰذا راجح قول اول الذکر ہی ہے۔

نشو ونما اور طالب علمی: علامہ لکھنوی ایک علم دوست، دیندار گھرانے میں پروان چڑھے اپنی دین دار والدہ کے زیر تربیت جوان ہوئے جن کا نسب بھی شہید قطب تک پہنچتا ہے [۲]۔

بچپن ہی سے طلب علم میں لگ گئے خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا، بچپن ہی سے میری یادداشت بہت اچھی تھی مجھے رسم بسم اللہ کی تقریب اس طرح یاد ہے جیسے سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو [۳] میں اس وقت پانچ سال کا تھا، بلکہ مجھے بعض وہ باتیں بھی یاد ہیں جو اس وقت پیش آئی تھیں جب میری عمر تقریبا تین سال تھی، میں نے حافظ قاسم علی لکھنوی کے یہاں حفظ قرآن شروع کیا ابھی پارہ عم یَتَسَاءَ لُوْن نہیں پڑھ سکا تھا کہ والد صاحب، والدہ اور مجھے لے کر جونپور آ گئے [۴]، یہاں حافظ ابراہیم کے یہاں قرآن

---

[۱] دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمٰن، (ص ۶۳)، تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۱)۔

[۲] دیکھئے: حسرة العالم بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳)۔

[۳] ہندوستان میں بسم اللہ کی یہ رسم بہت زمانے سے چلی آرہی ہے، تفصیل یہ ہے کہ بچہ جب سورۂ فاتحہ شروع کرتا ہے تو اس موقع پر اہل خانہ تقریب وجشن کا اہتمام کرتے ہیں اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔

[۴] امیر شہر حاجی محمد امام بخش متوفی ۱۲۷۸ھ مکہ مکرمہ نے آپ کو مدرسہ امامیہ حنفیہ کا مدرس مقرر کیا تھا، دیکھئے: حسرة العالم لکھنوی، (ص ۸۴، ۸۵)۔

پڑھا، میرے والد بھی قرآن سنتے تھے، اس طرح دس سال کی عمر میں میں نے حفظ مکمل کیا اور حفظ ہی کے زمانے میں کچھ فارسی کتابیں پڑھیں اور خط بھی والد صاحب سے سیکھا اور دس سال کی عمر میں تراویح کی نماز پڑھائی [۱]۔

"النافع الکبیر" میں علامہ نے لکھا ہے کہ گیارہویں سال کی ابتدا تحصیل علم سے کی، سترہ سال کی عمر میں مختلف رسمی فنون، صرف ونحو، معانی وبیان، منطق وفلسفہ، طب، فقہ واصول فقہ، علم کلام، حدیث وتفسیر وغیرہ کی تمام کتابیں پڑھ لیں [۲]۔

"سعایہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: حفظ سے فراغت کے بعد والد کے حضور دوسرے علوم کی تحصیل میں لگ گیا [۳] اور سترہ سال کی عمر میں تمام معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھ لیں، علوم ریاضیہ کی چند کتابوں کے علاوہ جو والد کے انتقال کے بعد ماموں اور استاذ مولانا محمد نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ سے پڑھیں، تمام کتابیں والد ماجد ہی سے پڑھیں، حساب والد محترم کے لائق شاگرد مولوی خادم حسین سے سیکھا [۴]۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علامہ لکھنوی اپنے والد کے زیر تربیت پروان چڑھے، بچپن ہی میں حفظ قرآن پر توجہ دی دس سال کی عمر میں تراویح سنائی، اس درمیان خط سیکھا اور کچھ فارسی پڑھی پھر دیگر علوم عربیہ، نحو وصرف وبلاغت، معانی، حدیث وتفسیر اور فقہ وغیرہ کی تحصیل میں لگ گئے، اس وقت عمر گیارہ سال تھی، سترہ سال کی عمر میں اس مرحلہ کو مکمل کرلیا۔

منقولات ومعقولات میں ان کے کمال کا سبب یہ ٹھہرا کہ جب کسی کتاب کو

---

[۱] مقدمہ السعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔
[۲] دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۰، ۱۵۱)۔
[۳] مقدمہ السعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔
[۴] ایضاً۔

پڑھ لیتے تو طلبہ کے سامنے اس کتاب کا درس دیتے تھے، اس طرح اس فن میں کامل مہارت حاصل ہوجاتی، خود کہتے ہیں جب بھی میں کسی کتاب کو پڑھ لیتا تو اس کو پڑھانے لگتا، اللہ کی مدد سے تمام علوم میں مجھے کامل استعداد حاصل ہوئی، کسی بھی فن کی کتاب میرے لئے دشوار نہ رہی [۱]۔

''سعایہ'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اللہ نے عنفوان شباب بلکہ بچپن ہی سے تدریس وتالیف کی محبت میرے دل میں ڈال دی تھی یہی وجہ ہے کہ جو کتاب بھی میں نے پڑھی اسے پڑھایا بھی [۲]۔

یہ طریقہ سیکھنے کے عمل کے لئے بہت ہی مفید ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح کتاب اور زیر مطالعہ موضوع کو سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے [۳]۔

اسی طرح انہوں نے بعض ان کتابوں کا درس بھی دیا جنہیں خود اساتذہ سے نہیں پڑھا تھا، جیسے طوسی کی شرح الاشارات، الأفق المبین، قانون طب اور رسائل العروض وغیرہ [۴]۔

تدریس میں ان کو کمال کی مہارت حاصل تھی وہ اپنے علمی طریقۂ استدلال سے تمام طلبہ کو مطمئن کردیتے، خود علامہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ طلبہ میرے سبق سے مطمئن ہیں [۱]۔

---

[۱] النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔ [۲] مقدمہ السعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔

[۳] دیکھئے: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مولانا مناظر احسن گیلانی، (۱/۱۴۱) مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۶ء۔

[۴] دیکھئے: مقدمہ ہدایہ، لکھنؤ، (ص ۱۴)، النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

اس مرحلہ میں تعلیم کے اسالیب اور اس کی دشواریوں سے متعلق بہت سے تجربات ان کو حاصل ہوئے، جن سے تدریس وتالیف کے اگلے مرحلے کی ذمہ داریاں نبھانے میں بڑی مدد ملی، برصغیر ہند کے تمام خطوں سے طلبہ ان کے علم سے استفادہ کے لئے آتے، ستارہ ایسا بلند ہوا کہ ہر جگہ شہرت پھیل گئی۔

دکن کا سفر: علامہ لکھنویؒ نے والد کے ساتھ ۱۲۷۷ھ میں حیدرآباد دکن کا سفر کیا، جہاں شجاع الدولہ مختار الملک تراب علی خان سالار جنگ [۲] متوفی ۱۳۰۰ھ نے ان کا اعزاز کیا اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسی سونپی [۳]، اس موقع سے علامہ نے اپنے والد سے استفادہ بھی جاری رکھا اور طلبہ کو علمی فائدہ بھی پہنچاتے رہے۔

قریب دوسال اپنے والد ماجد کے ساتھ دکن میں ٹھہرے، ۱۲۷۹ھ میں والد نے نواب سے حج وزیارت کی اجازت لی تو وہ بھی اس سفر میں والد کے ہمرکاب تھے، پھر دکن واپسی پر ۱۲۸۲ھ میں دکن کے نوابوں نے ان کے والد کو نظام عدالت و قضا پر متمکن کیا [۴]۔

---

[۱] دیکھئے: مقدمہ ہدایہ، لکھنؤ، (ص۱۴)، النافع الکبیر، لکھنوی، (ص۱۵۱)۔

[۲] تراب علی بن محمد علی بن بدیع الزماں اویسی حیدرآبادی، نواب سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک، وزیر ذی شان ناصر الدولہ کے زمانے میں ان جیسا ذہین وفطین مدبر وسیاست داں نہ تھا، انگریزوں سے کئے گئے معاہدات کو اصلاحی شکل دی، دار العلوم باسکفورڈ کے ممبران نے، ڈی، سی، اِل کی ڈگری دی اور کے، جی، سی، آئی، ایس، آئی، کا لقب ملا، ۱۲۴۶ھ میں ولادت ہوئی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۷/۱۰۹)۔

[۳] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص۸۵)۔ [۴] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۷/۲۵۴)۔

شادی: شادی کا واقعہ علامہ "حسرۃ العالم" میں خود بیان کرتے ہیں: جمادی الثانیہ ۱۲۸۳ھ میں والد نے عدالت نظامیہ سے رخصت لی اور ہمیں لے کر وطن کا سفر کیا، وطن میں ایک سال ٹھہرے اور میرا نکاح میرے چچا مولوی وحافظ محمد مہدی بن مولانا محمد یوسف کی صاحبزادی سے کر کے فراغت لی[۱]۔

اس طرح حج وزیارت سے واپسی کے بعد والد نے ۱۹/ سال کی نئی عمر میں آپ کا عقد مسنون کر کے آپ کی زندگی میں اطمینان بھر دیا۔

حرمین کا سفر: اللہ تعالیٰ نے علامہ کو دو مرتبہ حج کی سعادت سے نوازا، ایک مرتبہ ۱۵/ سال کی عمر میں ۱۲۷۹ھ میں والد کے ساتھ حج فرمایا، اس وقت والد بزرگوار مدرسہ نظامیہ کے استاذ تھے، علامہ لکھنویؒ نے اپنے سفر کا قصہ کتاب "التعلیقات السنیة" میں بیان کیا ہے کہ: مجھے دو مرتبہ حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی، پہلی بار والد مرحوم کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں، ہم نے ماہ رجب میں حیدرآباد سے سفر شروع کیا، شعبان میں بمبئی سے بادبانی کشتی پر سوار ہوئے، یکم رمضان کو "الحدیدة"[۲] پہونچے، وہاں دس دن قیام رہا، والد مرحوم نے وہاں سے قیمتی کتابیں خریدیں ہم پھر روانہ ہوئے ہوا مخالف تھی ہمارا جہاز طوفان میں پھنس گیا اور جدہ میں نہ اتر کر "لیث"[۳] میں اترنا پڑا، وہاں سے خشکی کے راستے چار دن میں مکہ پہونچے، رمضان کے آخری عشرہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حج کی ادائیگی تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے پھر ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں مدینہ طیبہ کی طرف سفر شروع ہوا، ۲/ محرم کو پہونچے، اور ۱۰/ صفر تک وہاں قیام

---

[۱] دیکھئے: حسرۃ العالم لکھنوی، (ص ۹۰)

[۲] تہامہ کا اہم ترین شہر ہے، بحر احمر پر یمن کی سب سے بڑی بندرگاہ، دیکھئے: الموسوعۃ العربیۃ، (ص ۶۹۳)

[۳] اصل میں "لیس" ہے۔

رہا، پھر جدہ آئے اور جہاز کے ذریعہ ربیع الاول کے عشرہ اوسط میں بمبئی پہونچے[۱]۔

دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی، محمد عبدالباقی نے "حسرۃ الفحول" میں یہی بیان کیا ہے[۲]، لیکن علامہ عبدالحی حسنی نے "نزہۃ الخواطر" میں اختلاف کرتے ہوئے ۱۲۹۳ھ[۳] لکھا ہے، صحیح پہلا قول ہے اس لئے کہ خود علامہ لکھنوی نے "التعليق الممجد" کے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ شوال ۱۲۹۲ھ میں حرمین کا سفر ہوا[۴]۔

علامہ نے "التعليقات السنية" میں اپنے دوسرے حج کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے: دوسری مرتبہ گزشتہ سال[۵] ہم نے حیدرآباد کا سفر کیا، ۲۱/تاریخ کو دخانی جہاز پر سوار ہوئے، ۵/ذی قعدہ کو جدہ پہونچے، ۱۰/ذی قعدہ کو مکہ مکرمہ پہونچے، ادائیگیٔ حج کے بعد جمعہ کے روز ۲۱/ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کا سفر کیا، ۵/محرم کو پہونچے ۱۰/دن ٹھہر کر ۱۵/محرم الحرام کو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا، وہاں تھوڑے دن قیام کے بعد جدہ کا سفر کیا ۸/صفر کو جہاز پر سوار ہوئے اور ۲۱/تاریخ کو عافیت کے ساتھ ہمارا جہاز ممبئی پہونچ گیا، میں نے قیام وطن کے لئے حیدرآباد سے دوسال کی رخصت لے لی تھی، پھر میں ممبئی سے روانہ ہوا، اللہ سے دعا ہے کہ بار بار ہمیں حج و زیارت کی سعادت عطا فرمائے اور مدینہ منورہ ہی میں وفات دے[۶]۔

---

[۱] التعليقات السنية على الفوائد البهية، لکھنوی، (ص۲۴۹)۔

[۲] حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص۶)۔

[۳] نزهة الخواطر، (۲۳۴/۸)۔ [۴] دیکھئے: التعليق الممجد، لکھنوی (ص۱۱)۔

[۵] یعنی ۹۲ھ میں، جب آپ کی عمر ۲۸ سال تھی، کیونکہ آپ "التعلیقات السنیۃ" کی تالیف سے ۹۳ھ میں فارغ ہوئے، دیکھئے: "التعلیقات السنیۃ" لکھنوی، (ص۲۴۹)۔

[۶] التعليقات السنية، لکھنوی، (ص۲۴۹)۔

علامہ لکھنویؒ نے اس مبارک سفر میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے علماء سے استفادہ کیا جس کا ذکر ہم ان کے اساتذہ کے ذیل میں کریں گے۔

وطن واپسی: والد کی وفات کے بعد انہیں والد کا منصب پیش کیا گیا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کردی، علامہ کے شاگرد محمد عبدالباقی کہتے ہیں: جب ان کے والد کا انتقال ہوا جو حیدرآباد کی عدالت علیا کے ناظم تھے، تو احباب کے اصرار کے باوجود انہوں نے عہدۂ قضا قبول نہ فرمایا[۱]۔

نزہۃ الخواطر میں مرقوم ہے: ۱۲۹۳ھ میں حج سے واپسی کے بعد وہ اپنے وطن ہی میں ٹھہر گئے حیدرآباد کے نوابوں سے رخصت لے لی اور بغیر کسی شرط کے ۲۵۰/روپیہ پر قانع رہے اور انتقال تک طلبہ کی تدریس و تربیت فرماتے رہے[۲]۔

بہار کا سفر: ایک مرتبہ بہار کے شہر دربھنگہ[۳] کا سفر ہوا، محمد حفیظ اللہ اس قصہ کو اختصار سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک ہندو لڑکے کے قبول اسلام کے سلسلے میں ان کو طلب کیا گیا، تفصیل یہ ہے کہ وہ لڑکا علامہ سے ملنے آیا انہوں نے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات اور توحید و رسالت کا تذکرہ کیا تو اس نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیا، اسی معاملہ کو اس کے والد نے دربھنگہ کے انگریز حکمرانوں کے سامنے پیش کیا، علامہ شہر میں وارد ہوئے تو ان کو دیکھنے کے شوق میں مضافات شہر کے راستوں پر عقیدت مندوں کا ایک انبوہ امنڈ پڑا، انگریز حکمرانوں نے جب یہ دیکھا

---

[۱] حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۵)۔

[۲] دیکھئے: نزھۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی (۲۳۴/۸) آثارالاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۳)۔

[۳] صوبۂ بہار کا ایک معروف شہر۔

اوران کی محبوبیت کا اندازہ کیا تو اپنا دعویٰ واپس لے لیا اور اعزاز واکرام کیا، میں نے اس سفر میں ان کے ساتھ رہنے والے کئی لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کا استقبال کرنے والے لوگوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی بلکہ ان کا شمار واستقصا ممکن نہ تھا[۱]، عوام و خواص کے درمیان علامہ کے علوّ شان اور بلندئ مرتبہ کی یہ واضح دلیل ہے۔

علامہ کے امراض: علامہ کے شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی نے ان بیماریوں کا جائزہ لیتے ہوئے جن میں آپ مبتلا ہوئے لکھا ہے: تین مرتبہ ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے پہلی مرتبہ دوسرے حج سے واپسی اور قیام وطن کے دوران ان کے مرض نے اس حد تک شدت پکڑی کہ زندگی کی امید نہ رہی، اسہال اور بدہضمی کا ایسا مرض تھا کہ اسباب کی تشخیص اور علاج سے تمام ڈاکٹر عاجز آ گئے، حکیم محمد باقر شیعی کے علاج سے افاقہ ہوا اور بحمد اللہ صحت بحال ہوئی[۲]۔

دوسری مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں حیدر آباد میں اس وقت بیمار پڑے جب اپنے کسی رشتہ دار[۳] کی تقریب میں شرکت کے لئے حیدر آباد کا سفر کیا اور تیسری مرتبہ بیماری ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

وفات: علم وفن اور حدیث وسنت کی نشرواشاعت کی جدوجہد کی اعلی مثال اور کارہائے نمایاں سے مزین قابلِ رشک زندگی کے بعد لکھنؤ میں بیماری میں انتقال ہوا، وفات کے وقت تقریباً ۳۹ رسال کی عمر تھی۔

---

[۱] دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۱۱)، تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص ۱۳۶)۔

[۲] دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۳)۔ [۳] ایضاً (ص ۳۴)۔

علامہ کے لائق شاگرد ابوالفضل محمد عبدالحفیظ بندوی نے ''کنزالبرکات'' میں مرض الوفات کی تفصیلات لکھی ہیں، جن کو یہاں اختصار سے پیش کیا جاتا ہے:

۱۳۰۳ھ کے وسط میں مرض شروع ہوا، مرض کیا تھا کھانسی اور دمہ کی شدید تکلیف تھی، ہلکی سے بے ہوشی طاری ہوئی، پھر بے ہوشی اور غشی کے دورے پڑنے لگے اور حالت بگڑتی چلی گئی، ماہر ڈاکٹروں کے ذریعہ علاج کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، ۱۳۰۴ھ ربیع الاول تک یہی حالت رہی، آخری تاریخوں میں اتوار کے دن ان کے علم دوست احباب جمع تھے وہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے، بذلہ سنجوں کی محفل تھی، علامہ نے کہا: ساتھ مل بیٹھنا بہت غنیمت ہے کون جانتا ہے کہ پھر کب ملنا ہوگا، دن ڈوب چکا تھا، رات کو علامہ اپنے گھر میں عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز ہی میں گر پڑے، خادموں نے ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بیہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہوگئیں، رات کے تین بجے پروانۂ قضا آگیا اور آپ نے جان جان آفریں کو سونپ دی۔

علامہ کا انتقال ۳۰/ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ہوا [۱]، نماز جنازہ میں ایک جم غفیر تھا اس لیے تین علماء، مولوی محمد عبدالرزاق انصاری لکھنوی متوفی ۱۳۰۷ھ، مولانا عبدالوھاب اور مولوی عبدالمجید بن عبدالحلیم انصاری متوفی ۱۳۴۰ھ [۲] نے باری باری نماز پڑھائی، بندوی کہتے ہیں: نماز جنازہ میں کم وبیش بیس ہزار سوگوار شریک ہوئے [۳]۔

۱۔ دیکھئے: کنزالبرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص۳۴)، (معمولی تصرف کے ساتھ)۔

۲۔ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص۱۳۲) حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، لکھنوی، (ص۱۴،۱۵)

۳۔ دیکھئے: کنزالبرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص۳۶)

علامہ کے ہم عصر اور ہم نام مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: ’’ان کی وفات ۲۹/ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ۳۹/سال کی عمر میں ہوئی، آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، میں اس وقت موجود تھا، وہ نہایت غمناک دن تھا، ہر فرقہ اور جماعت کے بے شمار لوگ جمع تھے، تین مرتبہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی[۱]۔

وفات میں لوگوں کا شک: جب وفات ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ایک بیہوشی کی کیفیت ہے جو ابھی جاتی رہے گی، کیونکہ دن میں وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے، لوگوں کو ان کی موت کی توقع نہ تھی، وہ شدتِ تعلق اور وفورِ محبت کی بنا پر ان کے انتقال کو مستبعد سمجھ رہے تھے، جب انہیں رات کے واقعہ کا علم ہوا تو بہت سے حقیقت واقعہ جاننے کے لئے فرنگی محل میں اکٹھا ہو گئے، لوگوں کا ہجوم اتنا بڑھا کہ گلی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانا سخت دشوار ہو گیا، اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ محض ایک غشی کی کیفیت ہے، لیکن ڈاکٹر نے تحقیق کے بعد موت کی تصدیق کر دی، حاضرین کی زبانوں سے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون کی دعا سنی گئی، ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا[۲]۔

مزار: راقم الحروف نے باغ انوارالحق (باغیچہ مولانا احمد انوارالحق) میں ان کی قبر پر حاضری دی، سفید سنگ مرمر کی تراشی ہوئی ایک تختی پر ان کے شاگرد عبدالعلی مدراسی کے یہ اشعار درج ہیں، جو انھوں نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے قلمبند کیے تھے:

” سلام علی عبادہ الذین اصطفے:

أیها الزوّار قف واقرأ علی هذا المزار　　سورة الإخلاص والسبع المثاني والقنوت

---

[۱] نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۹/۸)۔

[۲] دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۵)، (معمولی تصرف کے ساتھ)۔

فيـه عبدالحي مولانا إمام العالمين | إنــه عـلامة فـي كـل عـلـم بـالثبوت
أرخ الآسـى أسيّـاً آسيـاً فى فوتـه | مات عبدالحي والقيوم حي لا يموت

سنہ ۱۳۰٤ھ

اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو:

اے زائر! رک کر اس مزار پر سورۂ اخلاص، فاتحہ اور قنوت پڑھ، اس میں امام العلماء مولانا عبدالحی جو ہر علم میں درک وکمال رکھتے تھے آرام فرما ہیں، دلِ حزیں نے ان کی وفات کی تاریخ نکالی ہے، عبدالحی دنیا سے چل بسے اور خدائے قیوم زندہ ہے اسے موت نہیں آتی۔

مرثیے: علامہ کی وفات پر ان کے دوستوں اور شاگردوں نے عربی، فارسی اور اردو میں بہت سے مرثیے کہے، ہم یہاں عبدالعلی مدراسی کے بعض اشعار جو " الآثـــار المرفوعة في الآحاديث الموضوعة " کے آخر میں درج ہیں، نقل کرتے ہیں:

مـات عبـدالـحـي لكن لم يمت فيضانُه | إنما مات المسمى واسمُه لا يموت
إنــه أحيـا عـلـوم الـديـن في الدنيا لنا | إن في العقبى له جنات عدن لا تفوت
لم يزل في طول عمر خادماً فنَّ الحديث | بل له يوماً وليلاً في كتاب اللّٰه قوت

عبدالحی فوت ہوگئے لیکن ان کا فیضان علم ختم نہیں ہوا، مسمی مر گیا اور اس کا نام زندہ ہے، انھوں نے ہمارے لئے دنیا میں علوم دین کو زندگی بخشی، آخرت میں ان کے لئے عدن کے ہمیشہ کے باغات ہوں گے، عمر بھر فن حدیث کی خدمت کرتے رہے رات دن کی خوراک انہیں کتاب اللہ سے ملتی تھی۔

عبدالعلی مدراسی کا یہ شعر بھی دیکھئے:

مات عبدالحي مصروعاًخفاتاً ضاحكاً　　　إنـه فـي فـوتـه قـد جاء فوتُ العالم[1]

''عبدالحی ہنستے ہوئے خاموشی سے چل بسے، ان کا انتقال یقیناً عالم کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے''۔

ان کے مشہور شاگرد محمد عبدالباقی نے علامہ کی وفات پر اس طرح اپنے حزن و ملال کا اظہار کیا ہے:

لـو شـئت أن أبكي دماً لبكيته　　　عليه لكن ساحة الصبر أوسع[2]

''اگر میں چاہوں تو خون کے آنسو روؤں لیکن صبر کا میدان زیادہ کشادہ ہے''

اولاد: اللہ نے علامہ کو کئی اولادیں عطا کیں، لیکن ان کی زندگی ہی میں ایک بیٹی کے سوا سب کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے وقت پس ماندگان میں زوجہ اور صاحبزادی تھیں، بیوی کا انتقال تقریباً چار سال بعد ۱۳۳۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا، داماد مفتی محمد یوسف صاحب جو ان کے شاگرد بھی ہیں اور جنہوں نے تعلیم کی تکمیل مولوی حفیظ اللہ بندوی اور مولوی عین القضاۃ کی زیرنگرانی کی ان کا انتقال ۱۳۴۴ھ میں ہوا[3]، مفتی محمد یوسف ان کی کوئی تصنیف نہیں ملتی، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ علمی کتب خاص طور سے علامہ لکھنوی کی کتابوں کی طباعت میں بہت فعال اور سرگرم تھے۔

علماء کا خراج تحسین: علماءِ عرب وعجم نے علامہ کو یکساں سراہا اور اچھی صفات

---

[1] الآثار المرفوعة في الآحاديث الموضوعة، لکھنوی (ص ۱۴۶، ۱۴۷) مطبوعہ بیروت۔

[2] حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۴)۔

[3] تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۷۹)۔

سے متصف کیا ہے، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: ''وہ ذہین وفطین، تیز خاطر، عفیف النفس، نرم مزاج ومتواضع، ماہر خطیب، علوم معقولات ومنقولات کے غواص، اسرارِ شریعت کے نکتہ داں تھے، ہندوستان میں علم فتوی میں منفرد تھے، ان کا شہرہ دور دور تک پہنچا، ہر ملک وریاست کے علماء ان کی جلالت شان کے معترف ہیں[۱]۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: وہ یکتائے زمانہ اور ہندوستان کے لئے سرمایۂ فخر ہیں، ان کی تعریف وتوصیف پر سب کا اتفاق اور فضل وکمال کے اعتراف میں کسی کا اختلاف نہیں[۲]۔

استاذ محمد بن عبداللہ حنبلی کے توصیفی کلمات یہ ہیں: احادیث نبویہ کا اس درجہ استحضار، نصوص فقہیہ کا اتنا واضح تصور اور مختلف علوم وفنون، منطوق ومفہوم میں وہ تحقیقات وتدقیقات کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل شادماں ہوا، روح سرشار ہو اٹھی[۳]۔

علی حسن خان صاحبزادہ سید نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں کہ جب والد محترم کو علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم کے انتقال کی خبر پہونچی تو انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا، دیر تک سر جھکائے رہے جب سر اٹھایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، علامہ لکھنوی کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا آج علم کا خورشید ڈوب گیا[۴]۔

نزہۃ الخواطر میں بھی لکھا ہے کہ جب علامہ عبدالحی لکھنوی کا انتقال ہوا تو نواب صدیق حسن خان غمزدہ ہو گئے انہوں نے اس رات کھانا تناول نہیں فرمایا،

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۳۵/۸)۔ [۲] ایضاً۔

[۳] حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۸)۔

[۴] نزہۃ الخواطر، (۱۹۳/۸)۔

مسائل سے گہری واقفیت تھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی [۱]۔

فقیر محمد کہتے ہیں: وہ فقیہ، محدث، باکمال، بے مثال، جامع معقولات و منقولات، اصول وفروع کے عالم اور محققین کے پیشوا تھے [۲]۔

محمد حفیظ اللہ بندوی کہتے ہیں: وہ علوم الٰہیہ کے ماہر اور علوم عالیہ میں فقہ وعلم رجال پر حاوی تھے، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں [۳]۔

شیخ محمد یوسف بنوریؒ نے ان الفاظ میں علامہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے: ان علماء ربانیین میں جو ورع وتقویٰ، عبادت وریاضت، علوم روایت اور درایت، منقولات و معقولات کے جامع ہیں، عالم فاضل مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی بھی شامل ہیں [۴]۔

عبدالحی کتانی نے لکھا ہے کہ وہ علمائے ہند کی آخری کڑی، بہت سی کتابوں کے مصنف، وسیع المعلومات، منصف مزاج، اعتدال پسند، بڑے باحوصلہ، تصنیف و تالیف ومطالعہ کے بے پناہ شائق اور دلدادہ ہیں، مزید لکھا کہ اللہ سے مجھے امید ہے کہ میں ان کا بہترین جانشین ثابت ہوں گا، اس لئے کہ نام ووطن کے اکثر حروف میں اشتراک کے ساتھ ان کے بیشتر رجحانات وخیالات اور اصول ومبادی سے بھی مجھے اتفاق ہے [۵]۔

علامہ محمد زاہد الکوثری نے لکھا ہے: شیخ عبدالحی لکھنوی احادیثِ احکام کے

---

[۱] نزہۃ الخواطر، (۲۳۶/۸)۔ [۲] دیکھئے: حدائق الحنفیۃ، فقیر محمد، (ص ۴۸۵)۔

[۳] کنز البرکات، بندوی، (ص ۱۹)۔

[۴] دیکھئے: السعایة في كشف ما في شرح الوقاية، لکھنوی کا مقدمہ بنوریؒ (ص ۱)، مطبوعہ پاکستان۔

[۵] فہرس الفھارس، کتانی، (۲/ ۷۲۹، ۷۳۰)۔

اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں[۱]۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: وہ علامۂ ہند اورفخر متأخرین ہیں[۲]۔

عمر رضا کحالہ کہتے ہیں: ''ابوالحسنات عبدالحی محدث ومؤرخ ہیں''[۳]۔

خیرالدین زرکلی کہتے ہیں: ''عبدالحی حدیث ورجال کے عالم اورفقہائے احناف میں ہیں''[۴]۔

''التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة'' میں لکھا ہے: علامہ لکھنوی فخر متأخرین، انصاف پسند محققین کے لئے مثال، محدث، فقیہ، اصولی، ماہر فلسفہ، متکلم، مؤرخ اور محقق ونقاد ہیں[۵]۔

علامہ کے استاذ احمد بن زینی دحلان جن سے انہوں نے اجازت لی، عاقل، باکمال اور ہونہار نوجوان کے اوصاف سے نوازا[۶]۔

شیخ عبدالغنی نے باکمال فاضل کا خطاب دیا[۷]۔

محدث محمد نذیر حسین دہلوی نے ایک مجمع کے سامنے ان الفاظ میں ان کا تعارف پیش کیا: '' یکتائے زمانہ، نادر روزگار، اس صدی میں کوئی ایسا عالم پیدا نہ ہوا جو ان کی ہمسری کر سکے، اللہ ان کی زندگی اور فیوض میں برکت عطا فرمائے''[۸]۔

---

[۱] مقدمہ الکوثري علی نصب الرایۃ للزیلعي، (ص۴۹)۔ [۲] المسلمون في الهند، ندوی، (ص۳۸)۔

[۳] معجم المؤلفين، عمر رضا کحالہ، (۳۸/۱۱)۔ [۴] الأعلام، زرکلی، (۵۹/۷)۔

[۵] التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، شیخ عبدالفتاح، (ص۱۲)

[۶] كنز البركات في سيرة أبي الحسنات، بندوی، (ص۶)۔

[۷] ایضاً (ص۱۱)۔ [۸] کنز البرکات، بندوی، (ص۶)۔

علامہ کے معاصر علامہ محقق شیخ ابراہیم بن عثمان سمنودی مصری نے کہا: (ابوالحسنات عبدالحي) ہمارے معاصر،اس زمانے کے ہندی فاضل، علامۂ زماں، آفتاب عارفین، صالح کاملہیں [۱]۔

علماء نے جن الفاظ میں ان کی توصیف وتحسین کی ہے،اس کی روشنی میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علماء کے درمیان ان کا مقام کتنا بلند اور معتبر تھا، وہ حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ بہت سے علوم وفنون میں باکمال تھے،اسی طرح طلب علم میں ان کی بلند ہمتی، علم کی نشرواشاعت اور تالیف وتصنیف میں ان کی اولوالعزمی نمایاں ہے، معاصر علماء نے جن الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، سید نواب صدیق حسن خان سے حساس موضوعات پر ان کے کئی علمی، تحقیقی مباحثے ہوئے لیکن انہوں نے علامہ کے علم وفضل کا اعتراف بھی کیا، جب علامہ کی وفات کی خبر انہیں پہونچی تو انہوں نے بہت اچھی بات کہی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی تعریف میں معاصر علماء ومحققین، اساتذہ جن سے آپ نے علم حاصل کیا اور سند اجازت بھی اور تلامذہ سب متفق اللفظ ہیں۔

خِلقی اوصاف: آپ کے معاصر ہم نام اور ہم وطن مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے اپنی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں کئی مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، میں نے آپ کو صبیح وجمیل پایا، کالی آنکھیں، گہری نظر، ہلکے رخسار اور سیدھے بال [۲]۔

---

[۱] مقدمہ الرفع والتکمیل، شیخ عبدالفتاح أبوغدہ، (ص۳۹)۔ [۲] نزهة الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۳۵/۸)۔

عادات واخلاق: حفیظ اللہ بندوی کے مطابق علامہ بہت خوش اخلاق تھے، وہ لکھتے ہیں: اخلاق وعادات کے لحاظ سے وہ اعلی معیار پر تھے، مخالفین بھی ان کے حسن اخلاق سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے، جن کی انہوں نے کبھی غیبت کی اور نہ قبیح لہجے میں مخاطب کیا[۱]۔

علامہ آخری حد تک چشم پوشی برتتے، مخالفین کا احترام اوراکرام کرتے تھے جیسا کہ عبدالباقی سہسوانی نے لکھا ہے کہ شیخ محمد بشیر سہسوانی جب بھی لکھنؤ آتے علامہ عبدالحی کے مہمان ہوتے، وہ احترام ومحبت کے ساتھ ان کا استقبال کرتے اور شیخ بشیر سے مزید وقت کے لئے رکنے کی فرائش کرتے[۲]۔

قناعت پسندی: مزاج میں قناعت پسندی تھی، ریاست وحکومت کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیتے ''النافع الکبیر'' میں خود لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا مجھ پر بڑاانعام ہے کہ اس نے میرے دل میں علم کی محبت رکھی اور ریاست وسرداری کی چاہت نہ دی[۳]، والد محترم کا عہدہ پیش کیا گیا، عہدہ عدالت عالیہ کی نظامت کا تھا لیکن انہوں نے اپنے احباب واقارب کے اصرار[۴] کے باوجود قبول نہ کیا، اس سے ان کی قناعت پسندی، حرص وہوس سے دوری اور جاہ ومنصب سے بے رغبتی صاف ظاہر ہوتی ہے۔

---

[۱] کنزالبرکات في سیرة أبی الحسنات، محمد بندوی (ص۸)۔

[۲] الیاقوت والمرجان فی ذکر علماء سهسوان، محمد عبدالباقی سہسوانی (ص۱۰)۔

[۳] النافع الکبیر لکھنوی، (ص۱۵۳)۔ [۴] ایضاً (مع مجموعۃ الرسائل الست، وحسرۃ الفحول ص۵)۔

یادداشت: علامہ کو غضب کی قوت یادداشت اور حافظہ ملا تھا جس سے تدریس و تالیف اور مناظرہ میں بہت مدد ملتی تھی، اپنے بارے میں کہتے ہیں: بچپن ہی سے میرا حافظہ کافی اچھا تھا، مجھے بسم اللہ کی تقریب کے تمام واقعات اس طرح یاد ہیں جیسے میری آنکھوں کے سامنے ہو، اس وقت میری عمر پانچ سال تھی بلکہ تقریباً تین سال کی ایک پٹائی بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے[1]۔

یہی وجہ تھی کہ ان کے شیخ احادیث نبویہ کے استحضار سے متعجب تھے[2]، اسی یادداشت کا فضل کہئے کہ علامہ لکھنوی نے ایک مختصر سی مدت میں وہ قیمتی کتابیں لکھیں جن سے علماء کی جماعتیں اور اکادمیاں عاجز ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی شہرت عجم سے عرب تک پھیلی۔

[1] النافع الکبیر لکھنوی، (ص۱۵۳)۔

[2] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص۸)۔

فصل دوم

اساتذہ و تلامذہ

اساتذہ

سلف صالحین کتابوں کی کمی، برکاتِ علم کی تحصیل اور تصحیف ووہم سے بچنے کے لئے اساتذہ سے علم حاصل کرتے تھے، یہ عام طریقہ تھا، طلبہ بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے، اور یہ بات سرمایۂ فخر تو تھی ہی کسی عالم کے علم کی وسعت کا نشان بھی تھی، یہی وجہ ہے کہ تلامذہ نے اپنے اساتذہ کا ذکر مخصوص کتابوں میں کیا ہے، لیکن جب پریس کا زمانہ آیا اور مطابع اور چھاپہ خانے بہت ہوگئے تو اس اہتمام میں آہستہ آہستہ کمی آنے لگی طلبہ اساتذہ کے علاوہ کتابوں پر بھی اعتماد کرنے لگے اور استاذ کی وہ اہمیت نہ رہی جو متقدمین کے نزدیک تھی، اب یہ طریقہ رائج ہوا کہ طالب علم، علم وفن میں مشہور کسی ایک استاذ سے یا چند اساتذہ سے بہت دنوں تک وابستہ رہ کر علوم حاصل کرتا، علامہ لکھنویؒ کی ولادت کے زمانے میں طباعت کا رواج عام ہو چکا تھا، چنانچہ وہ متأخرین کے نہج سے متأثر ہوئے، جن اساتذہ سے انہوں نے علم حاصل کیا وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، جن میں سرفہرست ان کے والدِ محترم ہیں، ان کی علمی شخصیت سازی میں ان کے والد کا کردار بہت اہم ہے، لیکن یہاں میں اس امر کی طرف خاص توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اساتذہ کی قلتِ تعداد علامہ لکھنوی کے علمی مقام ومرتبہ پر مطلق اثر انداز نہیں ہوئی، وہ علم وتحقیق اور تالیف وتدریس کے مقام امامت پر فائز ہوئے، جس کی گواہی ایک طرف آپ کے اساتذہ اور معاصرین دیتے ہیں دوسری طرف آپ کی تصنیف کردہ گراں قدر کتابیں اس کی گواہ ہیں۔

علامہ لکھنوی کے اساتذہ

(۱) والد گرامی علامہ محمد عبدالحلیم بن محمد امین بن محمد اکبر انصاری لکھنوی:

۱۲۳۹ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا پھر تحصیل علم میں مشغول ہوئے، کتب نحو وصرف اپنے والد سے پڑھیں، ۱۲۵۳ھ میں والد کی وفات کے بعد نانا مولانا محمد ظہور اللہ متوفی ۱۲۵۶ھ، پچیرے دادا محمد اصغر متوفی ۱۲۵۵ھ سے تعلیم حاصل کی، علوم ریاضیہ ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ اور چچا مفتی محمد یوسف بن محمد اصغر متوفی ۱۲۸۶ھ سے حاصل کئے پھر علم حدیث میں محدث حسین احمد ملیح آبادی [۱] اور محدث مرزا حسن علی [۲] سے اکتساب فیض کیا۔

علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کے بعد اپنے وطن میں خدمت تدریس انجام دینے لگے، ۱۲۶۰ھ میں باندہ کا سفر کیا وہاں کے رئیس نواب ذوالفقار نے ان کا اکرام کیا اور اپنے مدرسے کا مدرس مقرر کیا، چار سال درس وافادہ میں مشغول رہ کر وطن لوٹے، ایک سال کے قیام کے بعد جونپور کے رئیس محمد امام بخش متوفی ۱۲۷۸ھ مکہ

---

[۱] حسین احمد بن علی احمد بن علی امجد حسینی سرہندی ملیح آبادی، لکھنؤ کے معروف قصبہ ''ملیح آباد'' میں پیدا ہوئے، یہیں پرورش پائی، مفتی ظہور اللہ اور محدث مرزا حسن علی سے پڑھا، پھر دہلی کا سفر کیا اور شیخ عبد العزیز بن ولی اللہ محدث دہلویؒ سے سند اجازت حاصل کی، مؤرخ عبدالحی حسنی رقمطراز ہیں: ''آپ محدث اور مشہور ومعروف عالم ہیں، ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا'' دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۴۵/۷)۔

[۲] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص۸۴)، (مجموعۃ الرسائل الثمانی)، تذکرۃ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص ۱۲۹)، مرزا حسن علی لکھنوی نے جو ''صغیر'' کے نام سے مشہور ہیں، علم حدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حاصل کیا، فرنگی محل اور لکھنؤ کے علماء آپ سے مستفیض ہوئے، ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی، دیکھئے: علم الحدیث بالہند، علامہ سید سلیمان ندوی، (ص ۵۲)۔

مکرمہ نے اپنے یہاں بلا کر مدرسہ امامیہ حنفیہ کا استاذ مقرر کیا، یہاں انہوں نے تقریباً نو سال پڑھایا، دور دراز کے طلبہ نے ان کے اسباق میں حاضری دے کر علمی تشنگی کو تسکین دی پھر ۱۲۷۶ھ میں وطن لوٹے اور ایک سال قیام کے بعد حیدر آباد کا سفر کیا، جہاں شجاع الدولہ مختار الملک نواب تراب علی خان سالار جنگ متوفی ۱۳۰۰ھ نے شایانِ شان اکرام کیا اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسی سونپی [۱]۔

۱۲۷۹ھ میں مکہ مکرمہ و مدینہ منوّرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے، یہ سفر ان کی بلند ہمتی، علم دوستی اور حرمین شریفین سے عمیق قلبی تعلق کی روشن دلیل ہے، اس مبارک سفر میں انہوں نے وہاں کے علماء سے استفادہ کیا، جن علماء سے سند اجازت حاصل کی، ان میں چند نام یہ ہیں:

(۱) فقیہ محدث و مفکر شیخ محمد جمال عمر حنفی متوفی ۱۲۸۴ھ، ان سے کتب حدیث کی اولین احادیث پڑھیں۔

(۲) محدث فقیہ مفسر احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ، انہوں نے ان الفاظ میں ان کے لئے ورقۂ اجازت لکھا: میں کہتا ہوں، میں موصوف کو ان کتب معقولات و منقولات کی جن کی روایت ودرایت میرے لئے جائز ہے، موصوف کی معتبر شرطوں کے ساتھ اجازت دیتا ہوں، علماء عاملین کی آخری کڑی علامہ عثمان بن حسن دمیاطی نے جن کتب کی مجھے اجازت دی میں نے انہیں اس کی اجازت دی، اور انہوں نے مجھے ان تمام علوم کی اجازت دی ہے جن کی اجازت جامع ازہر کے اساتذہ نے انہیں دی، اور میں نے موصوف کو ان تمام کتابوں کی اجازت دی جن کی اجازت شیخ عبد الرحمٰن بن

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبد الحی حسنی (۷/۱۰۶)، تاریخ شیراز ہند جونپور، سید اقبال احمد، (ص ۸۱۰)

شیخ کزبری اور شیخ ابو علی محمد ملقب بہ ارتضا عمری صفوی نے دی ہے[1]۔

(۳) مولانا محمد بن محمد عرب شافعی، جو مسجد نبوی میں درس دیتے تھے ان کی سند اجازت کے یہ الفاظ ہیں: ''فاضل موصوف کو میں نے اپنی تمام مقروء ومسموع مرویات کی اجازت دی، کتب حدیث وتفسیر اور معقولات ومنقولات اس میں شامل ہیں''[2]۔

(۴) شیخ محدث عبدالغنی بن ابوسعید مجددی مقیم مدینہ منورہ، نے ان الفاظ میں اجازت لکھی: ''میں نے فقہ وحدیث وتفسیر ودیگر علوم جن کی روایت میرے لئے جائز ہے اور جو ہمارے استاذ علامہ محدث مدینہ شیخ عابد سندھی کی کتاب میں درج ہے ان سب کی اجازت دی''[3]۔

(۵) مولانا عبدالرشید بن احمد سعید مجددی دہلوی متوفی ۱۲۹۶ھ.

(۶) شیخ علی الحریری مدنی حاکم باشلی، مولانا عبدالحلیم نے ان سے ''دلائل الخیرات'' پڑھی اور انہوں نے ان کے لئے ورقۂ اجازت لکھا[4]۔

اس مبارک سفر حج سے وطن لوٹے اور اپنے طلبہ کو علمی فائدہ پہونچایا، حیدرآباد کی عدالت نظامیہ کے منتظم مقرر ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے، ۱۲۸۵ھ ۲۹/شعبان پیر کے روز ۴۶/سال کی عمر میں حیدرآباد میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی[5]۔

---

[1] حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص۸۵)۔ [2] ایضاً (ص۸)۔

[3] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص۸۵، ۸۶)، ان کی سند کا سلسلہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہونچتا ہے۔

[4] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی (۲۵۴/۷)، حسرۃ العالم، لکھنوی (ص۹۰)۔

[5] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۵۵/۷)، تذکرۃ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص۱۳۰)۔

آثار وکتب: علامہ عبدالحلیم لکھنوی نے معقولات ومنقولات میں کثرت سے مفید کتابیں تالیف کیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں، ''القول الحسن فيما يتعلق بالنوافل والسنن، نظم الدرر في سلك شق القمر، خير الكلام في مسائل الصيام، رسالة في الإشارة بالسبابة ''وغیرہ۔

محمد عنایت اللہ فرنگی محلی نے ان کے حواشی ومؤلفات کی تعداد ۳۴/ بتائی ہے[۱]۔

علامہ عبدالحی لکھنوی نے ان الفاظ میں اپنے والد سے سندِ اجازت حاصل کی:

''میرے بیٹے اور نورنظر مولوی حافظ ابوالحسنات محمد عبدالحی نے مجھ سے پڑھا ہے، میری دعا ہے کہ اللہ انہیں شرعِ مبین کا خادم اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا مبلغ بنائے، انہوں نے مجھ سے باصرار یہ درخواست کی کہ معقولات ومنقولات اور فروع واصول کی جن کتابوں کی روایت ودرایت میرے لئے جائز ہیں ان کی اجازت دوں، میں اس تحریر کے ذریعہ ان کو اجازت دیتا ہوں''[۲]۔

(۲) شیخ مفتی نعمت اللہ بن مفتی نوراللہ بن قاضی محمد ولی اللہ بن قاضی غلام مصطفیٰ انصاری لکھنوی: لکھنؤ میں پیدا ہوئے یہیں پرورش پائی، اپنے والد اور چچا مفتی ظہور اللہ سے پڑھا جو فیض آباد اور لکھنؤ کے صدر مفتی تھے، پھر کچھ دنوں کے لئے بڑودہ اور صوبہ بہار کے شہر ''بتیا'' کی طرف سفر کیا۔ اس مدت میں تدریس کی خدمات انجام دیں، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ نے ان الفاظ میں ان کا حال بیان کیا ہے:

---

[۱] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۰)۔

[۲] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم لکھنوی، (ص ۹۱، ۹۲)، ظفر الاماني لکھنوی، (ص ۱۷۲) الإسعاد بالإسناد، محمد عبدالباقی۔ (ص ۹)۔

”بڑے مفتی، فاضل وکامل، روشن دماغ، ذہین وفطین، شیریں کلام، متواضع اور حلیم تھے، غایت درجہ باریک بینی اور سنجیدگی سے مطالعہ کرتے، کہا جاتا ہے کہ کتاب کا ایک ورق تین گھنٹے میں پڑھاتے تھے“ [۱]۔

شیخ محمد قیام الدین کہتے ہیں: ”علوم عقلیہ خصوصاً ریاضیات میں ید طولیٰ حاصل تھا جیسے یہ فن میراث میں پایا ہو، اپنے زمانے کے بڑے عاقل تھے، معاصرین میں ان کا ثانی نہیں، آپ نے کوئی مستقل کتاب تالیف نہیں کی“ [۲]۔

محمد عنایت اللہ ان کے درس کا حال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”معلومات ومفاہیم کو پھیلانے کا وہ ہنر جانتے تھے کہ کسی کتاب کے چند صفحات ہی پڑھاتے اور کتاب کے تمام مشمولات کو اس طرح طالب علم کے سامنے پیش کر دیتے کہ محدود ذہانت کا طالب علم بھی نہ صرف اسے سمجھ لیتا بلکہ اس کے اندر مکمل کتاب کے سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا“ [۳]۔

علامہ لکھنویؒ نے ۱۲۸۸ھ میں ان سے علوم عقلیہ وریاضیہ پڑھے، ان میں ”شرح الجغمینی مع حواشی البرجندی“ امام الدین ریاضی طوسی کی ”رسالة الأسطرلاب“، سید جرجانی، الخفری اور البرجندی کی ”شرح التذكرة“ اور ”رسائل الأكبر والتسطيح“ وغیرہ ہیں [۴]، بہار سے واپسی میں ۱۲۹۰ھ بنارس میں

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (ص ۸/۵۲۱)، أحوال علماء فرنگی محل، مولوی الطاف الرحمٰن، (ص ۷۹)۔

[۲] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۳۱)۔

[۳] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۸۳)۔

[۴] دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی (ص ۱۵۱)، حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبد الباقی، (ص ۳)

انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی، یہی تاریخ مولانا محمد قیام الدین[۱] اور ان کے شاگرد مولوی الطاف الرحمٰن[۲] اور مولوی عبدالباقی[۳] نے بھی بیان کی ہے، علامہ عبدالحی حسنی کا بیان مختلف ہے ان کے بقول ۱۳۹۹ھ میں انتقال ہوا[۴]۔

(۳) **مولوی خادم حسین:** صوبۂ بہار کے مشہور شہر مظفر پور میں پیدا ہوئے، جو علامہ عبدالحلیم انصاری لکھنوی کے بہت خاص شاگرد اور سفر وحضر کے رفیق تھے اور علامہ عبدالحلیم اور عبدالحی لکھنوی کی تصنیفات کی طباعت کا اہتمام فرماتے تھے۔

''سعایہ'' کے مقدمے میں علامہ لکھنویؒ نے لکھا ہے: میں نے والد صاحب کے لائق شاگرد، خاص دوست اور سفر وحضر کے ہمارے رفیق مولوی محمد خادم حسین مظفر پوری سے علم حاصل کیا،[۵] علامہ نے ان سے فارسی اور ریاضیات پڑھی[۶]، ان کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ علامہ کی وفات کے بعد ان کی مخطوطہ اور مطبوعہ کتابوں کی حفاظت کی اور ان کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا[۷]۔

وہ اساتذہ جن سے مختلف علوم کی اجازت لی

گزشتہ صفحات میں میں ذکر کر چکا ہوں کہ علامہ لکھنوی نے اپنے والد سے

---

[۱] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۳۲)۔

[۲] أحوال علماء فرنگی محل، مولوی الطاف الرحمٰن، (ص ۷۹)۔

[۳] حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳)۔

[۴] نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (ص ۷/۵۲۱)۔

[۵] دیکھئے: مقدمہ السعایۃ، لکھنوی (ص ۴۱)۔

[۶] تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۱)۔

[۷] مجلّہ علوم الدین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شمارہ: ۲، ۱۹۷۲ء، (ص ۱۷۱)۔

علوم عقلیہ ونقلیہ پڑھے اور بہت کم کتابیں دوسرے علماء سے پڑھیں، والدمحترم سے منقولات ومعقولات کی وہ تمام اجازتیں حاصل کیں جوان کے والد کو اپنے والد اور شیوخ واساتذہ سے حاصل ہوئی تھیں۔

یہاں ہم ان کے ان اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے معقولات و منقولات کی اجازتیں دیں۔

(۱) شیخ ابوالعباس احمد بن زینی دحلان شافعی مکی: ۱۲۳۱ھ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، مکہ مکرمہ ہی میں پرورش اور تعلیم ہوئی، محمد سعید مقدسی، علی سرور، عبداللہ سراج حنفی اور بشرالجبرتی سے علم حاصل کیا، فقہ حنفی سید محمد کتبی سے پڑھا، الوجیہ کزبری، شیخ عثمان دمیاطی اور قاضی ارتضا علی خان مدراسی ہندی وغیرہ سے روایات نقل کرتے ہیں، مصری علماء کی اسانید اور کتابوں پر اعتماد زیادہ کرتے ہیں[۱]۔

کحالہ کہتے ہیں ''وہ فقیہ، مؤرخ، مختلف علوم کے ماہر اور مکہ مکرمہ میں مفتیِ شوافع ہیں[۲]۔

کتانی کہتے ہیں ''درس وتدریس خصوصاً حدیث میں ہمیشہ مشغول رہتے، لوگ کہتے ہیں کہ بخاری شریف ان کے یہاں اسی طرح ضروری تھی جس طرح فاتحہ[۳]۔

ان سے علم حاصل کرنے والوں میں ابوالعلاء ادریس بن عبدالہادی فاسی، شیخ احمد بن عثمان عطار مکی ہندی، شیخ حبیب الرحمٰن ہندی، محمد بن ابراہیم السقا مصری اور

---

[۱] فہرس الفہارس، ابوجعفر کتانی، (۱/۳۹۰)۔

[۲] معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، (۱/۲۲۹)۔

[۳] فہرس الفہارس، ابوجعفر کتانی، (۱/۳۹۱)۔)

شیخ رحمت اللہ کیرانوی ۱؎ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۳۰۴ھ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیۃ ۲؎، الجداول المرضیۃ فی تاریخ الإسلام ،الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین وأهل البیت الطاهرین ۳؎ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

۱۲۷۹ھ میں جب علامہ لکھنوی نے اپنے والد کے ساتھ حج کے لئے حجاز کا سفر کیا تو شیخ احمد زینی دحلان سے اجازت حاصل کی، انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ ان کے لئے اجازت لکھی ''میں نے اس ہونہار ذہین وفطین با کمال جواں سال عالم شیخ محمد عبدالحی بن شیخ محمد عبدالحلیم بن ملا محمد امین اللہ انصاری لکھنوی کو ان تمام معقولات و منقولات کی ان کی قابل اعتماد شرطوں کے ساتھ اجازت دی جن کی روایت میرے لئے جائز ہے، جس طرح مجھے علمائے محققین کی آخری کڑی اور اولیائے عارفین کے جانشین علامہ عثمان بن علامہ حسن دمیاطی علیہ الرحمہ نے اجازت دی اور انہیں جامع ازہر کے اساتذہ نے اجازت دی ۴؎، اسی طرح میں نے ان اسانید کی اجازت دی جن کی اجازت مجھے شیخ ابو علی ارتضائی عمری نے دی ہے جو ''مدارج'' میں مذکور ہیں ۵؎

۱؎ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوستانی معاشرہ کی بااثر ورسوخ ہستیوں کی تلاش شروع کی، جن میں سرفہرست مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے، لیکن کامیابی کے ساتھ وہ اس شہر سے نکل آئے جس میں ٹھہرے ہوئے تھے اور انگریزوں نے اس پر دھاوا بولا تھا، وہ سورت پہونچے وہاں سے مکہ مکرمہ کا قصد کیا، جہاں شیخ زینی دحلان سے ملاقات ہوئی اور ان کے درس میں حاضری دی، ''مدرسہ صولتیہ'' کی بنیاد رکھی، ۱۳۰۸ھ میں انتقال کیا، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۴۶/۸)۔

۲؎ دو جلدوں میں ''مصر'' سے ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ ۳؎ دیکھئے: فہرس الفہارس، (کتانی، ۱۲۵/۱)۔

۴؎ حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۷)۔ ۵؎ ایضاً۔

اورانہوں نے مجھے مسلسلات کی بھی اجازت دی [۱]۔

علامہ لکھنوی نے یہ تمام اجازتیں پندرہ سال کی عمر میں حاصل کیں۔

(۲) **شیخ علی حریری:** یہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتاب ''الأخبار السنية في الحروب الصليبية'' ۱۳۲۹ھ میں قاہرہ سے طبع ہوئی [۲]، علامہ لکھنویؒ نے ان سے ''دلائل الخیرات'' وغیرہ پڑھی اور انہوں نے علامہ کے لئے اجازت لکھ دی [۳]۔

(۳) **شیخ عبدالغنی بن ابوسعید بن صفی عمری دہلوی:** شعبان ۱۲۳۵ھ دہلی میں پیدا ہوئے، قرآن حفظ کیا، نحو وقواعد اور عربی زبان مولانا حبیب اللہ دہلوی سے پڑھی، پھر فقہ وحدیث پر مکمل توجہ دی اور شیخ عبدالعزیز دہلوی کے پوتے اسحاق بن افضل دہلوی سے حدیث سنی، موطأ محمد بن حسن شیبانی اپنے والد سے پڑھی، مشکاۃ المصابیح مخصوص اللہ بن رفیع الدین دہلوی سے پڑھی اور طریقت وتصوف میں اپنے والد سے استفادہ کیا، والد ہی کے ساتھ ۱۲۴۹ھ میں حج وزیارت کا شرف حاصل کیا [۴]، ۱۸۵۷ھ میں جب ہندوستان میں بڑا انقلاب رونما ہوا اور دار السلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو وہ ایک قافلے کے ساتھ حجاز چلے گئے [۵]، بہت سے علماء نے ان کی روایت ودرایت سے شبانہ روز فائدہ اٹھایا، یہ سلسلہ ۱۲۹۹ھ میں اس وقت تک

---

۱ دیکھئے: ظفر الأمانی، لکھنوی (ص ۱۴۷)۔

۲ معجم المؤلفین، کحالہ، (۵۸/۸)۔

۳ دیکھئے: حسرۃ العالم، لکھنوی، (ص ۸۸)، حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۱)۔

۴ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۹۶/۷)۔

۵ دیکھئے: أبجد العلوم، قنوجی، (۲۶۰/۳)۔

قائم رہا جب مدینہ منورہ میں انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا[۱]۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: علامہ، حافظ وحجت، اپنے زمانے کے ابوحنیفہ اور امام بخاری ہیں[۲]۔

علامہ عبدالحی حسنیؒ نے لکھا ہے: وہ بڑے عالم، حلیم، زاہد و متقی صادق وامین عفیف ومحتاط اور مخلص ونیک نیت تھے، علمائے ہند وعرب ان کی توثیق پر متفق ہیں[۳]۔

ان کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ جیسے اجلۂ علماء شامل ہیں، شیخ نے سنن ابن ماجہ کا ایک حاشیہ "إنجاح الحاجة" کے نام سے تالیف کیا ہے[۴]۔

شیخ عبدالغنی دہلوی سے علامہ لکھنوی کی دو مرتبہ ملاقات ثابت ہے، ایک مرتبہ ۱۲۸۰ھ میں جب والد گرامی کے ساتھ حج پر گئے اور والد نے ان سے اجازت حاصل کی، مسجد نبویؐ کے صحن میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ کئی مرتبہ ان کی مجلس میں شرکت کی، دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں حج کو گئے تو مدینہ طیبہ میں ۹۳ھ اوائل محرم میں ملاقات کا شرف حاصل کیا[۵]۔

شیخ عبدالغنی دہلوی نے ان الفاظ میں اجازت دی: طابہ طیبہ میں ہمارے

---

[۱] مقدمہ لامع الدراري شرح صحیح البخاري، شیخ محمد زکریا کاندہلویؒ، (ص ٦٦)۔

[۲] ایضاً (ص ٦٥)۔ [۳] نزہۃ الخواطر، (۷/ ۲۹۷)۔

[۴] دیکھئے: أنوار العارفین، محمد حسین مرادآبادی، ص ۵۰۵، ۷۰۷، أبجد العلوم، قنوجی، (۳/ ۲٦۰)، تذکرہ علماء ہند، رحمٰن علی، (ص ۱۲٦)، الیانع الجنی في أسانید عبدالغنی، ترہتی، (ص ۸۲، ۸۵)۔

[۵] دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ بندوی (ص ۱۳)، حسرۃ العالم، لکھنوی، (ص ۸۹)۔

پاس مولانا عبدالحلیم کے صاحبزادہ شیخ عبدالحی جو ماہر و باکمال ہیں آئے، اللہ حاسدین کی نظر بد سے ان کی حفاظت فرمائے، انہوں نے مجھ سے علم حدیث، تفسیر اور دیگر علوم جن کی اسانید" حصر الشارد" اور "اليانع الجني" میں مذکور ہیں کی اجازت طلب کی، میں نے ان کو اس کا اہل پایا ان جیسے لوگ ان ہی راستوں پر چلتے ہیں، میں نے ان کو ان تمام علوم کی اجازت دی جن کی اجازت مجھے میرے معزز اساتذہ مولانا محمد اسحاق، مولانا مخصوص اللہ بن مولانا رفیع الدین، محدث مدینہ شیخ عابد سندھی، شیخ اسماعیل آفندی اور میرے والد نے دی[1]۔

(۴) **شیخ محمد عبداللہ بن علی عثمان بن حمید عامری نجدی حنبلی:** مؤرخ وفقیہ تھے، نجد کے شہر "قصیم" کے مضافات میں واقع شہر "عنیزہ" میں پیدا ہوئے، مکہ مکرمہ، یمن، شام، عراق اور مصر کے اسفار کیے، مکہ مکرمہ میں مفتیٔ حنابلہ کے منصب پر فائز ہوئے، ۱۲۹۵ھ طائف میں انتقال ہوا، تصنیفات میں "السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة فی تراجم الحنابلة"، "حاشية على شرح المنتهى" "ملخص بغية الوعاة" قابل ذکر ہیں[2]، ان سے علامہ لکھنوی حج کے دوسرے سفر ۱۲۹۲ھ میں مکہ مکرمہ میں ملے، لیکن اس وقت اجازت نہ لے سکے، واپسی پر ایک خط لکھ کر اجازت کی درخواست کی، شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید نے ان جملوں کے ساتھ ۱۲۹۳ھ میں اجازت لکھی: "شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ خالی نہیں لوٹاتا اور

---

[1] دیکھئے: حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۱، ۱۲)، کنز البرکات، محمد بندوی (ص ۱۴)

[2] معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، (۱۰، ۲۲۷)، دیکھئے: مختصر الحنابلۃ، جمیل شطی، (ص ۱۶۱، ۱۶۲)۔

امید لگانے والے کو مایوس نہیں کرتا اور درود وسلام ہو اس رسولِ مصطفیٰ مجتبیٰ پر جن کا ارشاد ہے ایمان کی سب سے مضبوط کڑی یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت وعداوت روا رکھی جائے [۱] اور درود ہو آپ کے خاندان واصحاب پر اور جو ان سے محبت رکھیں، حمد و صلاۃ کے بعد تحریر ہے کہ مخلص، مہربان، محبِّ من، علاّمہ فہامہ، صاجزادہ مشہور عالم دین مولوی عبدالحلیم، علامہ عبدالحی کا والا نامہ آیا جو روشن دماغ، سلیم الطبع، اعلیٰ کردار، معتدل مزاج، اور ہمیشہ تعلیم وتحصیل کا مشغلہ رکھنے والے ہیں، ان کی تالیفات جو پروئے موتیوں کی طرح ہیں، حسن نیت اور طہارتِ باطن کی چمک سے سارے عالم میں شہرت رکھتی ہیں، اللہ ان کی حفاظت فرمائے، عمر دراز کرے اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھے، اعلی مراتبِ کمال پر فائز کرے، وہ موجودہ زمانے میں خدا کی نشانی اور بنی نوع انسان پر اللہ کا انعام ہیں، گذشتہ سال حج وزیارت کے مبارک موقع پر میری ان سے ملاقات ہوئی، احادیث نبویہ کا وہ استحضار، فقہی نصوص کا اس قدر واضح تصور، مختلف علوم وفنون اور منطوق ومفہوم میں ان کی تحقیقات وتدقیقات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل کو بڑی شادمانی ہوئی، بادنسیم سے زیادہ سبک اخلاق، چمن پر بہار سے زیادہ معطر کردار، سب اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور وہ بڑا فضل والا ہے، انہوں نے فقیر سے اجازت طلب کی کہ اس کے پاس بھی کچھ علم ہے لیکن ان کو علم نہیں کہ وہ اس کی حقیقت سے نا آشنا ہے، علماء کے پیچھے صف میں ننگے پاؤں چلنے والوں میں ہیں، خدا کی قسم میں اجازت دئے جانے کا اہل نہیں، خود اجازت دینا تو درکنار لیکن حقیقتِ حال مخفی رہتی ہے، تانبا سونے جیسا نظر آتا ہے، عزیز

---

[۱] اس حدیث کی تخریج ابن ابی شیبہ نے (۱۱/۴۸) میں اور سیوطی نے "درمنثور" میں (۶/۱۷۸) کی ہے۔

طالب علم کی درخواست کو رد کرنا جفا ہے، لہٰذا ان کے تعمیل حکم کی جسارت کی ہے اور اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں جس سے نگاہیں تھک کر پلٹ آتی ہیں، بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا کوئی نئی بات نہیں، ادنیٰ سے اجازت لینا معروف ہے، میں نے اپنے بھائی مولوی موصوف کو ان تمام علوم تفسیر، حدیث، اصولین، نحو وصرف اور علم معانی وغیرہ کی اجازت دی جن کی روایت میرے لئے جائز ہے اور جو مجھے علمائے اعلام سے حاصل ہوئی جن میں سب سے عظیم المرتبت، مشہور، سنت نبوی کے بڑے متبع، احادیث مرویہ کے بڑے حافظ علامہ محمد بن علی سنوسی حسنی نے مجھ سے حدیث مسلسل بالأ ولیہ بیان کی، وہ ایک مہینے میں صحیح بخاری، ۲۵/دن میں صحیح مسلم اور ۲۰/دن میں مشکل مقامات پر گفتگو کے ساتھ پڑھتے تھے [۱]، اسی طرح میں حفاظ محدثین کی آخری کڑی، امام مفسرین محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ متوفی ۱۲۵۷ھ کی عام اجازت کے ساتھ روایت کرتا ہوں اور بقیۃ السلف محمد بن المساوی الاہدل سے بھی روایت کرتا ہوں جن سے میں نے کتب حدیث کی اوائل حدیثیں پڑھیں اور دیگر علماء سے روایت کرتا ہوں [۲]۔

علامہ لکھنویؒ کو جو اجازتیں علماء سے حاصل ہوئیں ان کی عبارتوں میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ وسعتِ علم کے اس مقامِ بلند پر فائز تھے جس نے انہیں علماء کے درمیان ایک عظیم اعتبار بخشا، علماء نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا اور مختلف علوم کی اسانید اجازت کا اہل سمجھا۔

---

[۱] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۸، ۹)، کنز البرکات، بندوی، (ص۱۵، ۱۶)۔

[۲] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۹، ۱۰)، کنز البرکات، بندوی، (ص۱۶، ۱۷)۔

تلامذہ

علامہ لکھنویؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے، خداداداور غیر معمولی یادداشت، ذہانت اور طبع روشن کی خوبیوں سے محض ۱۷؍سال کی عمر میں وہ طالب علمی کے مراحل کو طے کرنے کے معاً بعد درس وتدریس اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہوگئے، علمی مقام و مرتبے کے پیش نظر دور دور سے طلبہ اور علماء ان کی خدمت میں استفادہ کرتے، اس طرح علامہ لکھنویؒ تصنیف وتالیف کی مشغولیت کے ساتھ درس وتدریس سے وابستہ رہے، جس کا ثمرہ قیمتی علمی، تحقیقی کتابوں اور طلبہ کی بے شمار تعداد کی صورت میں ظاہر ہوا، یہ طلبہ بعد میں ان علماء کی صف میں شامل ہوئے جنھوں نے علم کی نشر واشاعت میں بڑا کردار ادا کیا۔

علامہ لکھنویؒ کے اسباق

علامہ لکھنویؒ کو تدریس میں ایک لذت اور کیفیتِ سرور حاصل ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر درس وتدریس میں منہمک رہتے، ان کے شاگردِ رشید محمد حفیظ اللہ جنھوں نے ایک لمبی مدت تک ان سے استفادہ کیا، کا بیان ہے کہ علامہ کو تمام درسی کتابیں ازبریاد تھیں، وہ فرماتے ہیں: علامہ درسی کتابوں کے حافظ تھے، حدیث کی کتابوں کے علاوہ وہ کسی فن کی کتاب میں دیکھتے ہی نہ تھے، صرف حدیث کی کتابیں ہی ان کے سامنے ہوتیں اور وہ ان میں دیکھتے اور سنتے، دو متضاد احادیث کے درمیان تطبیق کی صورت اور بھی دلچسپ ہوتی[۱]۔

اسباق پر محیط فضا کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: سبق میں اس درجہ متانت وسنجیدگی ہوتی کہ مثال ملنا مشکل ہے، بجا طور سے کہا جاتا ہے کہ وہ تہذیب وشائستگی کا بے پناہ خیال رکھتے تھے، شاگرد خاموش ہوتے اور وہ جو چاہتے تمہید بیان فرماتے پھر طلبہ کو حسب مرضی تنقیح وتنقید کا اختیار ہوتا[۱]۔

تدریس کا اصول ہے کہ استاذ کو طلبہ کے لئے شفیق، حلیم وبردبار اور الفت و محبت کا برتاؤ کرنے والا ہونا چاہئے، علامہ لکھنویؒ کے اندر یہ تمام خوبیاں بحصۂ وافر موجود تھیں، ذیل کا مباحثہ دیکھیں جو علامہ اور ان کے ایک شاگرد کے درمیان پیش آیا جس سے ایک طرف علم وفہم میں ان کی طویل القامتی ظاہر ہوتی ہے وہیں دوسری طرف حلم وبردباری بھی عیاں ہے۔

علامہ لکھنویؒ نے فرمایا: اس وقت مجھے وہ مکالمہ یاد آرہا ہے جو خود میرے اور میرے ایک شاگرد کے درمیان پیش آیا، آج سے تقریباً ۸؍سال قبل دورانِ تدریس ھدایہ ودیگر کتب فقہ میں بغیر سند کے مذکور احادیث میں کلام ہوا، میں نے کہا جب تک احادیث کی سند یا اس کی اصل کا علم نہ ہو وہ احادیث معتبر نہیں تو درس میں موجود ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ بغیر سند کے ان کتابوں میں مذکور احادیث مرسل ہوئیں اور مرسل احناف کے یہاں قابل قبول ہے، میں نے کہا مرسل اس حدیث کا نام ہے جس میں تابعی ارسال کرے اور واسطہ نہ بیان کرے شاگرد نے اعتراض کیا کہ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر ارسال کرنے والے ثقہ ہیں تو تابعین کے بعد کے لوگوں کی مرسل روایات بھی قابل قبول ہیں تو میں

---

[۱] کنز البرکات، محمد حفیظ بندوی، (ص ۳۲)۔

نے کہا مرسل وہ حدیث ہے جس میں راوی حدیث ارسال کرے اور اپنے اور نبیؐ کے درمیان کے واسطے کو بیان نہ کرے، ہر شخص کا محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا اب شاگرد کا اعتراض تھا کہ ہم اصطلاح میں غیر صحابی کے قول ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کو مرسل سے تعبیر کرتے ہیں، بعض احناف و مالکیہ نے اس کی وضاحت کی ہے اور اصطلاح میں کوئی بحث نہیں میں نے کہا فرض کرو اصطلاح میں کوئی بحث نہیں لیکن مصطلحین اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ قدیم اصطلاح کو بلاضرورت بحث کے لئے نہیں بدلا جائے گا، اور مرسل کا یہ مفہوم ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں نہیں ملتا تو متأخرین کی ایک جماعت کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، اب شاگرد خاموش ہوا اور اس مسئلے میں دوبارہ گفتگو نہ کی[۱]۔

اسباق میں ایک طرف جہاں علمی سنجیدگی اور وقار کا ماحول ہوتا وہیں علامہ موضوع کی وضاحت کے بعد طلبہ کو آزادانہ بحث کی اجازت دیتے تاکہ ان میں مباحثے اور مناظرے کی صلاحیت پیدا ہو۔

علامہ لکھنوی کا طلبہ کو سند اجازت دینا:

علامہ مدرسہ فرنگی محل کے شاگردوں کو مختلف علوم وفنون کی سندِ اجازت بھی دیتے تھے، ہم یہاں علامہ لکھنویؒ کی اس اجازت کا نمونہ پیش کررہے ہیں، جوانہوں نے اپنے ممتاز شاگرد مولوی محمد حفیظ اللہ بندوی کو علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد عطا کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: تمام خوبیاں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے علما کو انبیاء کا وارث بنایا اور ان پر خاص لطف وکرم فرمایا اور تمام شکر وسپاس اس ذات

---

[۱] دیکھئے: ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی، لکھنوی، (ص ۱۸۹، ۱۹۱)۔

کے لئے ہے جس نے باکمال لوگوں کو عزت اور مرتبہ دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں نہ ابتدا میں نہ انتہا میں، میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا ومولی محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول اور، متقیوں کے سردار ہیں، اللہ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر درود وسلام نازل کرے جو امام وپیشوا اور ماہتاب ہدایت ہیں، اُما بعد! فاضل جلیل، ذہین وفطین، روشن دماغ وبالغ نظر، جامع الکمالات والصفات مولوی ابوالفضل محمد حفیظ اللہ بن شیخ دین علی صاحب بندوی محمد آبادی اعظم گڑھی، اللہ ہر شر سے ان کی حفاظت فرمائے، میری مجالسِ درس میں حاضر ہو کر مستفید ہوئے اور مجھ سے رسمی فنون کی بہت سے درسی کتابیں پڑھیں، مطالعہ، حسنِ مباحثہ، اسرار ورموز کی تنقیح اور لطائف ونکات کی توضیح میں وہ اتنے باکمال ہیں کہ ہم عصروں سے فائق ہوئے اور اس مقام کو حاصل کیا جس کی رسائی سے دوسرے عاجز ہیں، منطق وفلسفہ کی کتابوں میں ''الحواشي الزاهديه بر حاشيه التهذيب والجلاليه، الحواشي الزاہدیۃ بر الرسالۃ القطبیۃ، حواشی بہاری غلام یحییٰ معروف بہ نور الہدی لحملۃ لواء الهدیٰ اور حاشیۃ الزاہدیۃ کی شرح التحقیقات المرضیہ، محمد اللہ سندیلوی اور قاضی کوپامئووی کی شرح سلم، معين الغائصين في رد المغالطين، شرح هداية الحكمة صدر شيرازي، الشمس البازغه جونپوری، شرح التصريح، شرح تلخيص الجغميني، سید جرجانی کی شرح تذكرة الطوسى اور طوسی کا رسالة الأسطرلاب، علم عقائد وکلام کی کتابوں میں شرح المواقف مع حواشي زاهديه، شرح التجريد مع القديمة الدوانية اور شرح العقائد العضديه، کتب ادب میں المطول اور مقامات الحريري، کتب اصول میں التوضيح والتلويح اور مسلم

الثبوت، کتب تفسیر میں ترجمہ قرآن عظیم،تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوي، کتب فقہ میں الهداية اور کتب حدیث میں شرح النخبة، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود ، نسائی، ترمذی، ابن ماجه، دارمی، موطأ مالك اور شمائل ترمذی وغیرہ پڑھیں [۱]،اور تکمیل کے بعد مجھ سے اجازت طلب کی، اگرچہ میں اس کا اہل نہیں کہ ان راستوں پر چلوں لیکن جب میں نے انہیں اجازت دیئے جانے کا اہل سمجھا تو ان کی درخواست قبول کرلی اور کتب حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، معقولات ومنقولات کی اجازت دی جن طرح مجھے عظیم المرتبت اساتذہ نے اجازت دی جن میں والد علام مولانا حافظ محمد عبدالحلیم (اللہ ان کو دار نعیم میں جگہ دے)، مفتی شوافع شہر مکہ سید احمد دحلان (اللہ ان کی حفاظت فرمائے)، مفتیٔ حنابلہ مکہ مکرمہ مولانا مرحوم محمد بن عبداللہ بن حمید (اللہ ان پر اپنا مزید کرم فرمائے)، مولانا شیخ عبدالغنی دہلوی شاگرد شیخ عابد سندھی مدنی مؤلف ''حصر الشارد'' وغیرہ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اپنے اساتذہ سے سند اجازت حاصل کی جو ان حضرات کے ورقۂ اجازت میں تفصیل سے درج ہے، اور میں نے موصوف کو'' حزب البحر''، ''دلائل الخیرات'' اور'' الحصن الحصین'' وغیرہ کتبِ اوراد پڑھنے کی اجازت دی، جس طرح مجھے مولانا شیخ علی حریری مدنی اور دیگر اساتذہ نے اجازت دی، میں انہیں تقویٰ اور نیک اعمال کی وصیت کرتا

---

[۱] ہندوستان میں علم حدیث تمام اہم بنیادی کتب حدیث کا ملاً پڑھنے سے عبارت ہے، جب تک شاگرد تمام کتابیں استاذ کی خدمت میں پڑھ نہیں لیتا، اسے سندِ اجازت حاصل نہیں ہوتی، یہ طریقہ آج بھی ہندوستان کے دینی اور عربی اداروں اور درسگاہوں میں رائج ہے، دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، عبدالحی حسنی، (ص۱۴)۔

ہوں کیوں کہ یہی توشۂ سفرِ آخرت ہے اور جاہلوں اور نادانوں کی طرح اختلافات اور تنازعات سے دور رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ محصّلہ کمالات کو ضائع نہ کریں اور بری خصلتوں میں نہ پڑیں، علوم عالیہ کو علوم آلیہ اور علوم آلیہ کو علوم عالیہ نہ بنائیں، اللہ آپ سے مخلوق کو فائدہ پہونچائے اور لطف وکرم کا معاملہ کرے، مجھے ایسی ہی امید ہے جس طرح ایک بھائی کو بھائی سے ہوتی ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے اور میرے لئے حسنِ خاتمہ اور دنیا و آخرت کی بھلائی وکامرانی کی ہمیشہ دعا کریں گے۔

یہ تحریر (امیدوار عفو ودرگزر، اللہ اس کے خفی وجلی گناہوں کو معاف فرمائے) عبدالحی لکھنوی نے لکھی بروز جمعرات ۳۰/رجب ۱۳۰۰ھ، فقط[۱]۔

اس سند اجازت کے مطالعے سے وہ طریقہ کار صاف ظاہر ہوتا ہے جسے علامہ لکھنویؒ مرحلہ علیا کے طلبہ کے لئے اختیار فرماتے تھے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ علامہ لکھنویؒ، منطق، فقہ، اصول، حدیث وغیرہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو علمی اجازت کے ساتھ حسن اخلاق اور عمل کی وصیت بھی کرتے تھے۔

سند اجازت جاری کرنے میں علامہ لکھنوی کی احتیاط:

علامہ لکھنوی طلبہ کو سند اجازت جاری کرنے میں احتیاط برتتے تھے، نااہل طلبہ کو سند جاری نہ کرتے، محمد حفیظ اللہ نے علامہ کے کچھ تلامذہ کے نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب وہ تعلیمی مرحلے کی تکمیل سے فارغ ہوئے اور اپنا مقصود حاصل کرلیا

---

[۱] کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص ۲۹-۳۰)۔

تو سند اجازت طلب کی، علامہ نے ان کی استعداد پر دلالت کرتی مختلف عبارتوں کے ذریعہ ان کی صلاحیتوں کی طرف اشارہ فرمایا اور اجازت دی، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے نااہل کو اجازت دی ہو، وہ لائق شاگردوں ہی کو سند عنایت فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ بعض نااہل طلبہ نے باصرار سند اجازت طلب کی لیکن انہوں نے عطا نہ فرمائی اور فرمایا اجازت استاذ کی جانب سے استعداد کی دلیل ہوتی ہے اور سلف متقدمین مقصود کے فوت ہونے کے ڈر سے دیانت وامانت کی ادائیگی کے لئے سند اجازت جاری کرتے تھے ورنہ اگر اجازت نااہلوں کے لئے ہو تو وہ اجازت نہیں، لہٰذا ان طلبہ کو مایوسی ہوئی اور پھر انہوں نے مطالبہ نہ کیا[1]۔

---

[1] کنزالبرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص ۲۹)۔

علامہ لکھنوی کے مشہور تلامذہ
اوران کے مختصر حالات زندگی

(۱) ادریس بن عبدالعلی حنفی نگرامی: نگرام میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، والد سے علم حاصل کیا اور فقہ پڑھی، پھر لکھنؤ آئے اور اصولِ فقہ کی کتاب مسلم الثبوت مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنویؒ سے پڑھی، شیخ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی محدث اور محدث محمد عبدالرحمٰن پانی پتی سے حدیث روایت کی[۱]۔

علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نیک، پرہیزگار، بڑے دین دار، خوش اخلاق، نرم مزاج اور تزکیۂ نفس میں مشغول رہنے والے، عفیف النفس اور خوددار تھے[۲]۔

انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں ان میں چند یہ ہیں، تحفة النبلاء في آداب الخلاء، القول الموطأ في تحقيق الصلاة الوسطىٰ، التعليق النقى على رسالة الشيخ علي المتقي، العون لمن نفى إيمان فرعون، الكلام المسدد في رواة موطأ محمد وغيره[۳]، نگرام میں ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) افہام اللہ بن انعام اللہ بن ولی اللہ انصاری لکھنوی: ان کا نسب شہید قطب الدین سہالوی تک پہنچتا ہے، لکھنؤ میں ولادت وپرورش ہوئی، مختصر کتابیں شیخ عبدالباسط بن عبدالرزاق لکھنوی سے پڑھیں، پھر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیمؒ کی صحبت

۱؎ دیکھئے: تطییب الإخوان بذکر علماء الزمان، محمد ادریس نگرامی، (ص۱۰۰)۔

۲؎ نزہۃ الخواطر، (۴۹/۸)۔ ۳؎ نزہۃ الخواطر، (۴۹/۸)۔

اختیار کی اور ان سے کسب فیض کیا، حدیث شیخ عبدالرزاق سے پڑھی اور بیعت ہوئے پھر لکھنؤ ہی میں ایک عرصہ تک تدریس کی خدمت انجام دے کر دکن کے معروف شہر ''گلبرگہ'' کے ایک مدرسے میں مدرس ہوئے اور ایک عرصہ تک تدریس میں مشغول رہے[۱]۔

شیخ محمد عبدالباری کہتے ہیں: وہ علوم عقلیہ اور فنون نقلیہ کے جامع و ماہر تھے، بے شمار لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا[۲]، مؤرخ عبدالحی حسنی کہتے ہیں کہ وہ اصول وکلام کے ماہر تھے[۳]۔

انہوں نے کئی رسالے لکھے جن میں چند یہ ہیں (۱) رسالة في تحقيق الروح (۲) رسالة في المعراج (۳) حاشية شرح العقائد النسفية اور حاشية على حاشية الخيالي وغیرہ۔

"نزهة الخواطر" کے مطابق ان کا انتقال ۱۲۱۶ھ میں اور "آثار الأول" کے مطابق ۱۳۱۶ھ میں ہوا[۴]، نزہۃ الخواطر کا بیان یا تو طباعت کی غلطی ہے یا تحریف۔

(۴) انوار اللہ بن شجاع الدین بن القاضی سراج الدین عمری حنفی:

۱۲۶۴ھ میں دکن کے ضلع ناندیڑ کے گاؤں ''قندھار'' میں پیدا ہوئے، اولاً شیخ عبدالحلیم انصاری لکھنوی سے پڑھا، حج وزیارت کے موقع پر شیخ امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے اور سندِ اجازت حاصل کی، وہ عزت مآب والی دکن محبوب علی خان اور ولی عہد امیر عثمان علی خان کے استاذ ہیں[۵]۔

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۶۴/۸)۔ [۲] آثار الأول، محمد قیام الدین، (ص ۹)۔
[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۶۴/۸)۔ [۴] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۱۰)۔
[۵] دیکھئے: قاموس المشاہیر، نظامی بدایونی، (۱۱۳/۱)۔

علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: وہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکتائے روزگار تھے، بڑے عبادت گزار، ہمیشہ تدریس میں مشغول رہنے والے، مذاکرہ ومباحثہ اور مطالعہ کے دلدادہ، اہلِ بدعت اور متبع ھَویٰ لوگوں پر شدید نکیر کرنے والے تھے، حیدرآباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، تالیف وتصنیف اور نشر واشاعت کے لیے ایک علمی اکیڈمی قائم کی[1]۔

اردو اور عربی میں ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں چند یہ ہیں: إفادة الأفهام في الرد على القادياني، مناقب أبي حنيفة، أنوار أحمدي في مولد النبي ﷺ وغیرہ، ۱۳۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۴) سید امین بن طٰہٰ بن زین حسنی حسینی نصیر آبادی: رائے بریلی کے ایک قصبہ نصیر آباد میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش ہوئی وہیں اور سن رشد کو پہونچے، پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور تمام درسی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنوی سے پڑھیں، سہارنپور بھی تشریف لے گئے اور شیخ محدث احمد بن لطف اللہ سہارنپوری سے حدیث پڑھی، رائے بریلی لوٹے اور شیخ ضیاء النبی بن سعید الدین حسنی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو کر طریقت وتصوف حاصل کیا پھر حجاز کا سفر کر کے حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور حرمین شریفین کے اساتذہ سے حدیث روایت کی، ہندوستان واپس ہوئے اور تدریس وتعلیم اور ارشاد وتذکیر کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے[2]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: وہ پرتاپ گڑھ، سلطانپور، اعظم گڑھ اور جونپور کے قصبوں میں گشت کرتے، لاتعداد خلقت نے ان

---

[1] نزہۃ الخواطر، (۸/۸۰)۔ [2] دیکھئے: یادگار سلف، نجم الدین اصلاحی، (ص۲۰)۔

سے فیض اٹھایا جس سے مخلوق خدا کے حالات بہتر ہوئے اور لوگ بدعات، جاہلی اور بت پرستانہ رسوم سے تائب ہوئے[۱]۔

انہیں بے شمار احادیث یاد تھیں، ایک مرتبہ ان کے شاگرد عبدالخالق نے اپنے ایک ہم سبق کے ساتھ استاذ کی ان تمام احادیث کو جمع کرنے کا عزم کیا جنہیں وہ اپنی تقریر و وعظ کے دوران پڑھتے تھے، کئی سالوں کی مسلسل محنت کے بعد تین ہزار اور ایک قول کے مطابق چھ ہزار غیر مکرر احادیث جمع کی گئیں، پھر بھی یہ کام تشنہ تکمیل رہا[۲]۔

انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جیسے تفسیر سورة البقرة، مجموعة الأحاديث اور الأسوة الحسنة فيما ثبتت بالسنة وغیرہ، ۱۳۴۹ھ میں انتقال ہوا اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔

(۵) بدیع الزماں بن مسیح الزماں نور محمد لکھنوی: ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے، علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر علماء سے اکتساب علم کے بعد حج و زیارت کا شرف حاصل کیا، شیخ محمد بن عبدالرحمن سہارنپوری مہاجر سے حدیث پڑھی، ہندوستان لوٹے تو نواب صدیق حسن خان نے تعلیمی افادہ عام کے لیے بھوپال بلالیا۔

وہ تقلید کی تردید کرنے میں مشہور تھے، طبیعت میں تیزی تھی جو مخالفین اور خصوصاً احناف سے مباحثے کے وقت نمایاں ہوتی، کئی کتابیں لکھیں، جیسے اردو زبان میں جامع ترمذی کا ترجمہ، فتح المنان في لغات القرآن اور مرآة الإيقان في قصص القرآن وغیرہ، وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی[۳]۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر، (۸/۷۷)۔ [۲] یادگار سلف، نجم الدین اصلاحی، (ص ۴۴)۔

[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۹۰)، تراجم علماء الحديث في الهند، امام ابو یحییٰ، (ص ۵۲۵)۔

(۶) **ابوالفضل حفیظ اللہ بن دین علی بندوی:** اعظم گڑھ کے ایک گاؤں ''بندی'' میں پیدا ہوئے یہیں پرورش ہوئی، غازی پور کا سفر کیا اور مولانا عبداللہ غازی پوری اور دیگر علماء سے دولتِ علم حاصل کی، لکھنؤ آئے اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے خاص شاگرد ہوئے علامہ سے معقولات ومنقولات اور فروع واصول کی کتب پڑھیں، شیخ نذیر حسین دہلوی سے حدیث حاصل کی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی وقت گزارا، حج وزیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، برطانوی حکومت نے ''شمس العلماء'' کا لقب دیا[۱]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں کہتے ہیں: معقولات ومنقولات اور معرفتِ حدیث میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی مقتضائے ظاہر پر عمل کو پسند کرتے اور اہل حدیث کی حمایت کرتے تھے[۲]، ان کی مشہور کتابوں میں ''كنز البركات في سيرة مولانا أبي الحسنات'' کافی اہم ہے، ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۷) **شیر علی بن رحم علی بن انوار حسینی حیدر آبادی:** پنجاب کے ایک گاؤں ''ترکیا واس'' میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کیا، مزید تحصیل علم کے لئے احمد آباد، سورت، دہلی، لکھنؤ، اور جونپور کے اسفار کئے، علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے حلقۂ شاگرداں میں شامل ہوئے، ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، حکومت آصفیہ کے وزیر نواب وقارالأمراء نے اپنے صاحبزادہ سلطان الملک کا اتالیق مقرر کیا، پھر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد پڑی تو اس کے صدر شعبۂ دینیات مقرر ہوئے، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان الفاظ میں ان کا وصف بیان کرتے

---

[۱] دیکھئے: تراجم علماء الحدیث في الهند، امام ابویحییٰ، (ص ۳۹۵) تطییب الإخوان، نگرامی (ص ۲۳)۔

[۲] دیکھئے: نزهۃ الخواطر، (۱۲۳/۸)۔

ہیں: وہ کبار فضلاء میں سے ہیں، فنونِ ریاضیہ میں آپ کا قابل لحاظ حصہ ہے، تدریس میں یدطولیٰ رکھتے ہیں [۱]، وفات ۱۳۵۴ھ میں ہوئی۔

(۸) ظہور الاسلام بن حسن علی حسینی کاظمی نیشاپوری فتح پوری: ضلع رائے بریلی کے قصبہ دلمئو میں پیدا ہوئے، درسی کتابیں مفتی محمد لطف اللہ کوئلی اور حدیث و دیگر فنون کی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے پڑھیں، حدیث قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور علامہ فضل الرحمٰن مرادآبادی سے روایت کی، فتح پور میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا اور اس میں ایک مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں [۲]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی لکھتے ہیں: وہ علم ظاہر وباطن کے جامع، بہت متواضع، منکسر المزاج، بڑے محسن، جذبۂ ایثار کی مثال اور خوش اخلاق تھے، تہجد ونوافل کا اہتمام رکھتے، جماعت کی پابندی فرماتے، حج وزیارت سے شرف یاب ہوئے، کثرت سے عوام الناس ان کی مجالس اور صحبت سے مستفید ہوئے، انہوں نے بہت سے ہندو سربرآوردہ لوگوں کے دلوں میں بھی ایمان واسلام کی محبت کا بیج بویا، متعدد معزز ہندو خاندان ان کی دعوت سے متأثر ہوکر بت پرستی سے تائب ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے [۳]، وفات شہر فتح پور میں ۱۳۲۹ھ میں ہوئی۔

(۹) ظہیر احسن بن سبحان علی حنفی نیموی عظیم آبادی: کنیت ابوالخیر، ظہیر احسن کے نام سے مشہور ہیں، شوق تخلص ہے [۴]، عظیم آباد کے ایک گاؤں ''نیمی'' میں پیدا ہوئے،

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (ص ۱۸۲/۸)، قاموس المشاہیر، بدایونی (ص ۲۰۰)۔

[۲] دیکھئے: تطییب الاِخوان، نگرامی (ص ۳۴)۔ [۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۰۵/۸)۔

[۴] دیکھئے: آثار السنن، نیموي، (ص ۱۲۷)۔

بچپن ہی سے طلب علم کا چسکا لگا، لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر علماء سے پڑھا، شیخ امام فضل الرحمٰن بن اھل اللہ مرادآبادی سے بیعت ہوئے، عرصہ تک شاعری کرتے رہے، پھر اللہ سبحانہ نے انہیں خدمتِ حدیث شریف کی توفیق دی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ سر پر نبی کریم ﷺ کا جنازہ اٹھائے ہوئے ہیں، اس خواب کی تعبیر یہ نکالی گئی کہ وہ علم رسول کے حامل ہوں گے، چنانچہ انہوں نے خدمتِ حدیث کے لئے عزم کیا اور خود کو حدیث شریف کے لئے وقف کردیا[1]۔

نیموی بڑے ذی علم، نہایت بردبار، وسیع النظر، بلند مرتبہ اور کثیر المعلومات تھے، امام وقت اور مذہبِ احناف کے مقلد تھے[2]۔

کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں چند یہ ہیں: **آثار السنن، التعليق الحسن على آثار السنن، تعليق التعليق** (جو اس حاشیہ پر حاشیہ ہے)، الحبل المتين، أو شحة الجيد في تحقيق الاجتهاد والتقليد اور جلاء العينين في رفع اليدين، ان میں آثار السنن مذہب احناف کی وہ پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے جو فقہی کتابوں کے طرز پر احادیث کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے[3]۔ ''نیموی'' نے ''آثار السنن'' کے مقدمے میں لکھا ہے: یہ وہ احادیث وآثار اور روایات واخبار ہیں جنہیں میں نے صحاح، سنن، معاجم اور مسانید سے منتخب کیا ہے اور ان احادیث کی نسبت ان کی تخریج کرنے والوں کی طرف کی ہے، اور اسانید نہ ذکر کر کے تطویل سے بچنے کی کوشش کی ہے[4]۔

---

[1] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۰۶/۸)۔ [2] دیکھئے: آثار السنن، نیموي، (ص ۱۲۸)۔

[3] مجلّہ رفیق، جنوری ۱۹۸۴ء (ص ۳۲) مقام اشاعت: ہندوستان۔

[4] آثار السنن، نیموي، (ص ۲)۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ اچھے الفاظ میں ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: وہ حدیث ورجال، نقد حدیث، علل الحدیث اور طبقات الحدیث کی گہری واقفیت اور اس فن میں دقیق النظری رکھتے تھے، ان کی کتاب ''آثار السنن'' درجۂ قبولیت سے سرفراز ہوئی اور محدثین نے اس میں دلچسپی لی [۱]، انتقال ۱۳۲۵ھ میں ہوا۔

(۱۰) عبدالباری بن تلطف حسین بن روشن علی بن حسین علی بکری عظیم آبادی: ''نکرنہسہ'' میں پیدا ہوئے، علامہ عبدالحی لکھنویؒ، بشیر الدین قنوجی اور محدث نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں میں شامل ہوئے، علوم طب شیخ عبدالعلی بن ابراہیم لکھنوی سے حاصل کیے [۲]۔

مؤرخ عبدالحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: وہ ذہین وفطین، اعلی دماغ، عمدہ طبیعت کے مالک اور یادداشت کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے، علوم حکمت میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے [۳]، انتقال ۱۳۱۸ھ میں ہوا۔

(۱۱) عبدالباقی بن علی محمد بن محمد معین بن ملا محمد مبین انصاری لکھنوی: ۱۲۸۶ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، صرف ونحو عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے پڑھی، بعض کتابیں مولانا حفیظ اللہ بندوی اور مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی سے پڑھیں، طریقت وتصوف میں شیخ عبدالرزاق لکھنوی کے دامن سے وابستہ ہوئے [۴]۔

کئی مرتبہ حرمین کے سفر کی سعادت حاصل ہوئی اور مولانا عبدالرزاق اور

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۲۰۷)۔

[۲] دیکھئے: تطییب الاخوان، نگرامی (ص ۳۶)۔ [۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۲۱۳)۔

[۴] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۲۱۷)۔

دیگر اساتذۂ عرب سے احادیث کی سندیں لیں،ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے،مسجدِ نبویؐ میں درس دیا۔

کئی کتابیں تالیف کیں ان میں خاص یہ ہیں: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، رسالة في مبحث الغناء، رسالة فی تحقيق علم الغيب اور حاشية نور الإيضاح وغیرہ[۱]۔

انتقال ۱۳۶۴ھ بعمر ۷۸ ر سال مدینہ منورہ میں ہوا۔

(۱۲) عبدالحلیم بن اسماعیل بن حسین بن امام الدین ویلوری، مدراسی ابواسماعیل: شہر ''ویلور'' میں ۱۲۵۷ھ میں پیدا ہوئے یہیں پرورش پائی، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر حیدرآباد کا سفر کیا اور علامہ عبدالحی لکھنوی سے قیام حیدرآباد کے زمانے میں درسی کتابیں پڑھیں، حجاز کا سفر کرکے حج وزیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور علمائے حرمین سے اجازتِ حدیث حاصل کی، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ ایک بلند پایہ عالم تھے، عربی زبان وادب میں رسوخ و مہارت حاصل تھی، انشاء پردازی میں بے پناہ صلاحیت اور کلامی مسائل کے رمز آشنا تھے[۲]، ۱۳۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳) عبدالحلیم بن تفضّل حسین بن محمد بن نظام الدین عباسی لکھنوی: شاعری میں شؔرر کے تخلص سے مشہور ہوئے، لکھنؤ میں ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے علم حاصل کیا، پھر دہلی کے لئے رخت سفر باندھا اور

---

[۱] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۴۲)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۲۴/۸)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (۱۰۹/۲)۔

سید محدث نذیر حسین حسینی دہلوی سے حدیث شریف کی اجازت لی[۱]۔

لکھنؤ واپسی پر اپنے صرف خاص سے ایک ہفت روزہ اخبار ''المحشر'' جاری کیا اور دوسرا اخبار ''المھذب'' کے نام سے نکالا، کچھ دنوں کے بعد ''دل گداز'' کے نام سے ایک ماہنامہ مجلّہ جاری کیا، ان کو نواب وقار الامراء وزیر الدولہ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ ۱۳۱۱ھ میں انگلینڈ بھیجا، دوسال رہ کر وہاں انہوں نے انگریزی سیکھی[۲]۔

عبد الحلیم شررؔ کی کتابوں کی فہرست طویل ہے، ان میں تاریخِ سندھ، تاریخ ارضِ مقدس اور سیرۃ سکینہ بنت الحسین وغیرہ قابل ذکر ہیں، ابو یحییٰ امام نے لکھا ہے کہ انہوں نے تقریباً ۴۰؍کتابیں سیر و تاریخ کے موضوع پر تالیف کیں[۳]، وفات ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔

(۱۴) عبد الحمید بن عبد الکریم بن قربان قنبر بن تاج علی انصاری فراہی اعظمی معروف بہ حمید الدین فراہی: اعظم گڑھ کے ایک موضع ''پھریہا'' میں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے، مولوی محمد مہدی اور علامہ شبلی نعمانی سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ عبد الحی لکھنوی اور شیخ فضل اللہ بن نعمت اللہ کی شاگردی اختیار کی، لاہور میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا، کئی مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دی، اور ''مدرسۃ الاصلاح'' کے نام سے ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا[۴]۔

مؤرخ علامہ عبد الحی حسنیؒ کہتے ہیں: وہ قدآور علماء میں سے ہیں، علومِ ادب سے ان کو کامل واقفیت ہے، انشاء پردازی پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں، زاہد، عفیف اور خوددار ہیں، علوم عربیہ اور فنون بلاغت میں یدِ طولیٰ کے مالک ہیں، جاہلی شعراء کے

---

[۱] دیکھئے: یادرفتگاں، علامہ سید سلیمان ندوی، (ص ۷۵)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (ص ۵۸)۔
[۲] نزہۃ الخواطر، (۲۲۵/۸)۔ [۳] تراجم علماء الحدیث في الھند، ابو یحییٰ امام خان، (ص ۵۴۰)۔
[۴] دیکھئے: تذکرہ علماء اعظم گڑھ، حبیب الرحمٰن قاسمی، (ص ۷۹-۸۶)، یادرفتگاں، سید سلیمان ندوی، (ص ۱۱۰)۔

اشعار پر دستگاہ حاصل ہے، سابقہ صحیفوں کی وسیع معلومات، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے اچھی طرح واقف اور قرآن میں تدبر و تفکر اور قرآنی مفاہیم و مطالب و اسالیب کے غواص ہیں، ان کا خیال ہے کہ قرآن مرتب و منسق نظام رکھتا ہے، چنانچہ وہ ربط آیات کے ماہر ہیں، اور اپنی تفسیر ''نظام القرآن'' کی بناء اسی پر رکھی ہے [۱]۔

علامہ فراہی نے بہت سی کتابیں لکھیں جیسے الإمعان في أقسام القرآن، الرأى الصحيح فيمن هو الذبيح، أساليب القرآن اور مفردات القرآن وغیرہ، وفات شہر ''متھرا'' میں ۱۳۴۹ھ میں ہوئی اور یہیں تدفین ہوئی۔

(۱۵) عبدالعزیز بن عبدالرحیم بن عبدالسلام انصاری لکھنوی: درسی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنوی اور ملا علی رزاق وغیرہ سے پڑھیں اور لکھنؤ کے انگلش میڈیم کانونٹ اسکول میں استاذ مقرر ہوئے [۲]۔

مولانا عبدالعزیز نے کئی کتابیں لکھی ہیں، جیسے تعليقات على تخريج الهداية الزيلعي اور حاشیہ على المجلد الرابع من شرح الوقاية، وفات ۱۳۳۸ھ میں ہوئی۔

(۱۶) عبدالعلی بن ابراہیم بن یعقوب حنفی لکھنوی: لکھنؤ میں پیدا ہوئے یہیں پروان چڑھے، حفظِ قرآن کریم کے بعد طلب علم میں مشغول ہوئے اور علامہ عبدالحی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل کیا، طبی کتابیں اپنے والد اور دادا سے پڑھیں اور علم طب میں معاصرین سے فائق ہوئے۔

بہت سے نوابوں اور حکام جیسے نواب کلب علی خان رامپوری، نواب واجد علی

---

[۱] نزہۃ الخواطر، (۲۲۹/۸)۔

[۲] آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۱۸)، نزہۃ الخواطر، (۲۵۸/۸)۔

شاہ لکھنوی اور بیگم بھوپال شاہ جہاں بیگم کا علاج کیا۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حسین وجمیل، لحیم شحیم، ہشاش بشاش، متواضع وخاکسار اور مساکین وفقرا کے بڑے ہمدرد وغمگسار تھے ۱؎، وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

(۱۷) **عبدالعلی بن مصطفیٰ حنفی مدراسی لکھنوی:** ''چتوڑ'' میں پیدا ہوئے، عنفوان شباب کا زمانہ تھا جب لکھنؤ آئے مولانا الٰہی بخش فیض آبادی اور علامہ عبدالحی لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں، علامہ عبدالحی حسنیؒ نے انہیں نحو وبلاغت کے باکمال علماء میں شمار کیا ہے۔

ان کی کئی کتابیں ہیں، جیسے التبصرة النظامية في الرؤوس الثمانية، ميزان اللسان اور تنبيه الوهابين۔

انہوں نے لکھنؤ میں ایک مطبع قائم کیا جس نے عربی اور دینی کتابوں کی نشرواشاعت میں بڑا کردار ادا کیا، ۱۳۲۷ھ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی ۲؎۔

(۱۸) **عبدالغفور رمضان پوری:** یہ ''مونگیر'' کے ''رمضان پور'' نام کے گاؤں میں پیدا ہوئے، مولوی اسماعیل رمضان پوری اور شیخ محمد احسن گیلانی سے علم حاصل کیا، پھر علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے، حدیث محدث احمد علی سہارنپوری سے حاصل کی، علامہ عبدالحی حسنیؒ نے انہیں شیخ عالم، فقیہ ومحدث کے اوصاف سے متصف کیا ہے ۳؎۔

۱؎ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۶۰/۸)۔ ۲؎ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۶۵/۸، ۲۶۶)، تطییب الإخوان، نگرامی، (ص۴۶)۔ ۳؎ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۷۱/۸)۔

انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں الإسعاف حاشیة الإنصاف، مفید الأحناف في بحث السلام اور رسالة في سجود السهو، قابل ذکر ہیں[1]، ۱۳۴۸ھ میں دنیائے فانی کو الوداع کہا۔

(۱۹) عبداللہ بن ہمت علی چاندپاری: اعظم گڑھ کے ''چاندپار'' گاؤں میں پیدا ہوئے، سلامت اللہ جیراج پوری، مولانا شکر اللہ صبرحدی اور دیگر علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد علامہ عبدالحی لکھنوی کے خوشہ چینوں میں شامل ہوئے۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ بڑے ذہین، سریع الفہم اور قوی الحافظہ شخص تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا[2]۔

(۲۰) عبدالمجید بن عبدالحلیم بن عبدالحکیم بن عبدالرب بن بحرالعلوم عبدالعلی انصاری: لکھنؤ میں ولادت اور پرورش ہوئی، اپنے چچا محمد نعیم سے علم حاصل کیا اور علامہ عبدالحی لکھنوی کی صحبت میں رہے، علامہ کی وفات کے بعد ان کے شاگرد عین القضاۃ حیدرآبادی سے وابستہ ہوکر علمی کمالات حاصل کیے، حج وزیارت کی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔

علامہ عبدالحی حسنی رقم طراز ہیں: ان کو فقہ واصول کا کامل علم تھا، ''برطانوی حکومت'' نے ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا[3]، ۱۳۴۰ھ میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔

---

[1] دیکھئے: مجلّہ رفیق، (ص ۷۷)۔

[2] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۸/۲۹۷)، تذکرہ علماء اعظم گڑھ، حبیب الرحمٰن قاسمی، (ص ۱۹۹)۔

[3] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۸/۳۰۹)، أحوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمٰن، (ص ۶۸)۔

(۲۱) عبدالوہاب بن احسان علی سریندوی بہوری: بہار کے ''سرینده'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، کئی مدرسوں میں فریضۂ تدریس ادا کیا، منطق و حکمت میں ماہر وباکمال تھے، علمی کارناموں میں هداية الحكمة، الصحيفة الملكوتية اور حاشية على مير زاهد شامل ہیں، ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی[۱]۔

(۲۲) عثمان بن اشرف علی حنفی: اعظم گڑھ کے ''کوہنڈہ'' گاؤں میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ کا سفر کر کے علامہ عبدالحی لکھنوی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے اور قصبہ ''کاکوری'' میں بہت دنوں تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

علمی کارناموں میں تخريج الجواهر العبقرية من الذخيرة الإسكندرية اور الصواعق المشتعلة على تنبيه الجهلة[۲] وغیرہ ہیں۔

(۲۳) عين القضاة بن محمد وزير بن محمد جعفر حسيني نقشبندي: ۱۲۷۴ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۲۷۵ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے پھر سورت کا سفر کیا وہاں شیخ موسیٰ جی ترکیسری سے وابستہ رہ کر طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا، لکھنؤ واپس آئے اور اپنے استاذ علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے گھر پر قیام کر کے درس وتدریس میں مشغول ہوئے[۳]۔

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۱۶/۸)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۱۹/۸)، تذکرہ علماء اعظم گڑھ، (ص۲۵۰)۔

[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۳۸/۸)، تطییب الاخوان، نگرامی، (ص۶۲)۔

کئی بار حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی، ان کے والد نے حفظ وتجوید و تعلیم قرآن کے لئے ’’مدرسہ فرقانیہ‘‘ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اس کا انتظام بھی یہی سنبھالتے تھے[1]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کو مشہور علمائے افاضل میں شمار کیا ہے[2]۔

وفات ۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔

(۲۴) **فتح محمد حنفی لکھنوی:** ان کے والد بت پرست اور والدہ مسلمان تھیں[3]، ماں کے دین پر پرورش پائی، سن بلوغ کو پہونچے تو علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے فقہ، اصول، کلام اور حدیث وغیرہ علوم حاصل کئے، پھر درس وافادہ میں مشغول ہوئے اور لکھنؤ میں ’’مدرسہ رفاہ المسلمین‘‘ کی بنیاد رکھی[4]۔

کئی کتابیں تصنیف کیں ان میں چند یہ ہیں: ’’خلاصة التفاسير‘‘، ’’كتاب تطهير الأموال‘‘ اور ’’القول السديد في إثبات التقليد‘‘ وغیرہ[5]،

۱۳۲۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲۵) **قادر بخش بن حسن علی حنفی سہسوانی:** سہسوان میں ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے علماءِ شہر سے علم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا سفر اختیار کر کے علامہ عبدالحی لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت سی کتابیں پڑھیں، دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا، حج کے سفر پر نکلے اور شیخ احمد بن زینی دحلان مکی اور شیخ حبیب الرحمٰن ردولوی سے حدیث

---

[1] دیکھئے: تطییب الاخوان، نگرامی، (ص ۶۲)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (۲/۱۰۵)۔

[2] نزہۃ الخواطر (۸/۳۳۸)۔

[3] ممکن ہے اس کا سبب ہندوستانی مسلمانوں کا دین کے بنیادی احکامات سے عدم واقفیت ہو، اس طرح کا واقعہ شواذ کے ذیل میں آئے گا۔

[4] دیکھئے: نزہۃ الخواطر (۸/۳۵۳)۔

[5] دیکھئے: تطییب الإخوان، نگرامی، (ص ۶۴)۔

روایت کی، ہندوستان آ کر وعظ وتدریس میں لگ گئے۔

ان کی کئی کتابیں ہیں جن میں بعض کے نام یہ ہیں: التقرير المعقول في فضل الصحابة وأهل بيت الرسول، غاية المنال في رؤية الهلال، جور الأشقياء على ريحانة سيد الأنبياء[۱]، انتقال ۱۳۲۷ھ میں ہوا۔

(۲۶) محمد حسین بن احمد حسن بن محمد حسنی حسینی نصیر آبادی: چچیرے دادا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کے گھر پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، سید خواجہ احمد نصیر آبادی اور اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ میں علامہ عبدالحی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حکیم مظفر حسین لکھنوی سے علم طب پڑھا، بھوپال کا سفر کیا اور سید صدیق حسن خان قنوجی کے خاندان میں شادی کرکے وہیں سکونت اختیار کرلی۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ کہتے ہیں: وہ فقہ، اصول اور عربیت میں صاحبِ فضل و کمال تھے، سخی اور فیاض تھے، درس وتدریس اور وعظ وتذکیر میں مصروف رہتے تھے۔

ان کا انتقال ۱۳۰۳ھ بھوپال میں ہوا[۲]۔

(۲۷) محمد حسین بن تفضّل حسین عمری الہ آبادی: پیدائش وپرورش الہ آباد میں ہوئی، لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنویؒ سے درسی کتابیں اور حکیم مظفر حسین لکھنوی سے علم طب پڑھا، پھر الہ آباد آئے اور درس وافادے کی مجلس سجائی، حج و زیارت سے مشرف ہوئے، حدیث کی روایت شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی سے کی اور طریقت وتصوف شیخ امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے حاصل کیا[۳]۔

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۷۰)، تطیب الإخوان، نگرامی، (ص ۶۷)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر (۸/۴۲۲)، کنز البرکات في سیرۃ أبي الحسنات، بندوی، (ص ۲۹)۔

[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۸/۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۶)، تطیب الإخوان، نگرامی، (ص ۷۷)۔

کئی کتابیں تالیف کیں، جیسے هادی الأمم إلی أرض الحرم اور شرح میزان البلاغة[۱]، ۱۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۸) محمد سلیمان بن داود بن وعظ اللہ بن محبوب پھلواری: پھلواری شریف میں نانا شیخ اصطفا عمری کے گھر ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے، نانا ہی کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پائی، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آکر علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے شاگرد ہوئے، دہلی کا سفر کیا اور محدث نذیر حسین دہلویؒ سے علم حاصل کیا شیخ احمد علی حنفی سہارنپوری اور شیخ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی احادیث کی روایت کی[۲]۔

علامہ عبدالحی حسنی تحریر کرتے ہیں: وہ انتہائی ذہین، حاضر جواب، ظریف، بذلہ سنج، عربی نظم ونثر میں موزوں طبیعت کے مالک، اختلافی مسالک اور عقیدے میں توسع پسند اور اعتزال ومعتزلین کے سخت نکتہ چیں تھے[۳]، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جیسے شجرة السعادة و سلسلة الكرامة في أنساب الصوفية، شرح الحديث المسلسل، عربی اور فارسی میں اشعار بھی کہتے تھے،[۴] ۱۳۵۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۹) محمد عبدالاحد بن امام علی الہ آبادی: الہ آباد کے قصبہ ''پھاپھامئو'' کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے اپنے شہر کے علماء سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آکر علامہ عبدالحی لکھنوی کے شاگرد ہوئے اور فرنگی محل میں پڑھا، عقلی علوم میں ماہر تھے، جوانی ہی میں ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی[۴]۔

---

[۱] دیکھئے: تذکرہ علماء ہند، رحمان علی ناروی، (ص ۲۰۳)۔

[۲] دیکھئے: آثار پھلواری شریف، ملقب بہ أعیان الوطن، سید کلیم شاہ، (ص ۳۶۹)، مجلّہ رفیق (علماء بہار پر مشتمل خاص نمبر) جنوری ۱۹۸۴ء، (ص ۸۴)، تذکرہ علماء ہند، رحمٰن علی، (ص ۷۷)۔

[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۶۹/۸)۔ [۴] تذکرہ علماء ہند، رحمٰن علی ناروی، (ص ۱۱۶)۔

(۳۰) محمد مکی ابوالخیر بن سخاوت علی عمری جونپوری: ۱۲۷۴ھ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، والد کے انتقال کے بعد والدہ کے ساتھ ہندوستان آئے، علمائے جونپور سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے پڑھا، ان کے والد نے جونپور کی ایک جامع مسجد میں ''مدرسہ ربانیہ قرآنیہ'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، ۱۳۲۲ھ میں والد کی وفات تک اس میں پڑھایا اوراس کے انتظام کی ذمہ داری بھی نبھائی [۱]۔

(۳۱) محمد یٰسین بن ناصر علی حنفی آروی: ۱۲۸۰ھ شہر ''آرہ'' میں پیدا ہوئے اپنے والد اور شہر کے علماء سے علم حاصل کیا لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی سے وابستہ ہوئے طبی علوم حکیم عبدالعلی بن ابراہیم لکھنوی سے حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آ کر درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

کئی کتابیں تالیف کیں جن میں چند یہ ہیں: مختصر في الطب (فارسی زبان میں) رسالة في جهر التأمين و سره في الصلوة، اورمناقب أبی حنیفہ میں ایک رسالہ [۲]۔

(۳۲) وحید الزماں بن مسیح الزماں بن نور محمد عمری ملتانی ثم حیدرآبادی ملقب بہ نواب وقار نواز جنگ بہادر: کانپور میں ۱۲۶۷ھ کو پیدا ہوئے، علامہ عبدالحی لکھنوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور قاضی بشیر الدین قنوجی وغیرہ سے علم حاصل کیا [۳]۔

کئی مرتبہ حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور شیخ عبدالغنی مجددی اور شیخ

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۴۵۶/۸)، تذکرہ علماء ہند، رحمٰن علی، (ص۴۷۲)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۴۶۱/۸)۔ [۳] دیکھئے: تطیيب الإخوان، نگرامی، (ص۹۶)۔

احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم شرقی حنبلی اور دیگر علمائے حرمین سے استفادہ کیا، مولانا فضل الرحمٰن مرادآبادی سے بیعت ہوئے، ۳۴؍سال حکومتِ آصفیہ کی خدمت کی، معتمد وزیر، مشیر مجلس حکومت اور قاضیٔ عدالت کے عہدوں پر فائز ہوئے [۱]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ وحید الزماں اپنے زمانے کے بڑے مؤلف ومترجم تھے، ان کی اکثر کتابیں ترجمہ کی ہوئی ہیں، انہوں نے کتب حدیث کو اردو زبان میں منتقل کیا، ہشت پہل عالم تھے، علم لغت، حدیث، تفسیر اور فقہ واصول میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، قوی الحافظہ اور سریع الفہم تھے، شروع میں غالی مقلد تھے پھر تقلید چھوڑ کر اہل حدیث کا مسلک اختیار کرلیا لیکن بعض مسئلوں میں ان سے اختلاف بھی کرتے تھے [۲]۔

ان کی تصنیفات میں "أحسن الفوائد في تخريج أحاديث شرح العقائد، تبويب القرآن لضبط مضامين القرآن، وحيد اللغات في غريب الحديث ومفرداته" (بڑے سائز کی ۲۸؍جلدوں میں) قابل ذکر ہیں۔

ان کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ حدیث کی اہم کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، اس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں [۳]، ۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۵/۸)۔ [۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۵/۸)۔

[۳] دیکھئے: جھود اھل الحدیث العلمیۃ في الھند، ابویحییٰ امام خان، (ص ۵۶)، نزہۃ الخواطر، (۵۱۶/۸)۔

فصل سوم

ثقافت

تصنیفات

معاصرین کے ساتھ علمی مباحثے

ثقافت

علامہ لکھنویؒ مختلف علوم وفنون میں دست گاہ رکھتے تھے، اس کی دلیل پوری دنیا میں معروف ومقبول متنوع تصنیفات اور بے شمار شاگرد ہیں جنہوں نے ان کے علوم وثقافت کی ترویج کی، یہی چیز تھی جس نے ان کو تمام فنون میں مرجع علماء کا مقام دیا، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ کہتے ہیں: جب وہ علماء سے ملتے اور وہ کسی فن میں گفتگو کررہے ہوتے تو زبان سے کچھ نہ بولتے بلکہ خاموش دیکھتے رہتے، مباحثے کے بعد علماء ان سے رجوع کرتے تو ایسی بات فرماتے جسے سب قبول کرتے اور ہر سامع مطمئن ہوجاتا، یہ ان کا طریق تھا[1]۔

ثقافت کے عناصر: علامہ کی ثقافت کی تشکیل میں دو عناصر بہت اہم ہیں، ایک تو اساتذہ جن میں سرِ فہرست ان کے والد ہیں جن کا سفر وحضر کا ساتھ تھا اکثر علوم انہیں سے حاصل کیے، اور حرمین کے وہ اساتذہ جن سے حج کے دونوں اسفار میں ملاقات ہوئی، دوسرے مطالعہ کتب کا بے پناہ شوق، علامہ لکھنوی مطالعہ کے حد درجہ عاشق تھے، مطالعہ ان کے لئے تسکینِ دل ونگاہ کا سامان تھا، کتب بینی دنیا ومافیھا سے زیادہ عزیز تھی۔

محمد حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ علامہ لکھنوی نے بارہا فرمایا کہ جب میں بیمار ہوتا

---

[1] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۳۵/۸)۔

ہوں تو میری صحت کی بڑی علامت مطالعہ کا شوق پیدا ہونا ہے۔

حفیظ اللہ مزید کہتے ہیں: میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا علامہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو کچھ لوگ تعزیت کی غرض سے آئے اوران کو مطالعہ میں مشغول دیکھ کر حیران ہوئے[۱]۔

تحصیل علم کے راستے میں وہ بڑی دقتیں برداشت کرتے، رات رات بھر جاگتے، دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت پر صبر کرتے اور ''امام سبکی'' کے یہ اشعار گنگناتے رہتے:

سهـري لتنـقيح العلوم ألذ لی　　　مـن وصـل غـانية وطيـبِ عُناقی

وتـمـايـلـي طرباً لحل عويصة　　　في الذهن أبلغ من مدامة ساقی[۲]

علوم کی تنقیح میں راتوں کی بے خوابی مجھے محبوب کے وصل سے زیادہ پیاری ہے، ذہن کی کسی مشکل گتھی کو سلجھانے کے لئے شوق وطرب میں لڑکھڑانا ساقی کی شراب سے زیادہ پُر اثر ہے۔

ان کے شوق مطالعہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا تھا، مغرب سے آدھی رات تک مطالعہ میں منہمک رہتے صرف عشاء کی نماز کا وقفہ ہوتا لیکن سستی اورا کتاہٹ کا ذرا بھی اظہار نہ ہوتا[۳]۔

مطالعہ اور تصنیف کے بے پناہ شوق وذوق کے ساتھ مختلف علوم وفنون کی

---

[۱] کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ، بندوی، (ص۹)۔ [۲] دیکھئے: السعایۃ شرح الوقایۃ، لکھنوی، (ص۳)۔

[۳] دیکھئے: إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، لکھنوی، (ص۱۱۸)، تكملة خيرالعمل، محمد عبدالباقی، (ص۳٦)، روضة النعيم في خوارق مولانا عبدالحليم، محمدعبدالحميد، (ص٦۵)۔

مخطوطہ اور مطبوعہ نادر کتابوں کو جمع کرنے کا بھی شوق تھا، میں نے یہ چیز اس وقت محسوس کی جب مجھے ان مصادر کی تلاش ہوئی جن پر علامہ نے حدیث وعلوم حدیث کی کتابوں میں اعتماد کیا ہے حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے بہت سے ایسے مصادر ومراجع سے استفادہ کیا ہے جن کا حصول آج بھی آسان نہیں اور ان کے دور میں تو مشکل ترین عمل تھا۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کہتے ہیں: ان کے پاس ہر علم وفن کی کتابوں پر مشتمل مالا مال مکتبہ تھا، یہ بات ان کی تالیفات میں ان کتابوں کے حوالے سے ظاہر ہوتی ہے جو آج بھی کہیں مخطوطات کے انبار میں دبی پڑی ہیں اور جن کے بارے میں کم ہی سنا جاتا ہے[۱]۔

مجھے علامہ کے کتب خانے کی بعض کتابوں سے واقفیت مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذریعہ ہوئی جنہیں ان کے پوتے نے علی گڑھ کو ہدیہ کیا تھا، میں نے علامہ لکھنوی کے اس مکتبہ کو ۱۰۷۱/عربی اور ۱۸۷۰/فارسی اور اردو کتابوں پر مشتمل پایا۔

علامہ لکھنویؒ کے علوم ومعارف:

اب ہم یہاں ان اہم ترین نمایاں پہلوؤں کا ذکر کریں گے جن سے علامہ نے خاص طور سے اعتنا کیا اور جس کی وجہ سے ایک جہان کو مستفید کیا۔

(الف) **تفسیر:** علامہ لکھنوی تفسیر اور علوم تفسیر کا وسیع علم رکھتے تھے، اگرچہ تفسیر کے باب میں ان کی کوئی مستقل کتاب نہیں لیکن اس سے علم تفسیر میں ان کی مہارت وحذاقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا شاید اس کی وجہ یہ رہی کہ آپ دوسرے فنون میں تالیف

---

[۱] مقدمہ شیخ عبدالفتاح علی الأجوبة الفاضلة، (ص۱۵)۔

وتصنیف میں زیادہ مشغول رہے[۱]۔

علامہ لکھنوی کی زندگی، تبحر علمی اور طلبہ کو دی جانے والی اسانید اجازت کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طلبہ کو بعض تفسیر کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے[۲]، اسی طرح میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ آیت تفسیر اور فقہی مسالک پر استدلال کے سلسلہ میں اکثر مصادر تفسیر سے رجوع فرماتے تھے[۳]۔

یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الراشد'' میں علامہ قنوجی پر تیس سے زیادہ اعتراضات تفسیری موضوعات کے حوالے سے کئے ہیں[۴]۔

(ب) **حدیث اور علوم حدیث:** علم حدیث میں علامہ لکھنویؒ کا مرتبۂ بلند اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اس باب میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے، علماء کے اقوال و آراء اس پر گواہ ہیں، ان کی وہ کتابیں جو حدیث وعلوم حدیث سے گہری واقفیت پر دال ہیں ان سے بھی یہ بات واضح ہے، علم حدیث کے سلسلہ میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ مسائل فقہیہ میں شرعی دلائل اور آثار کو تخریج وتحقیق کے ساتھ پیش فرماتے،

---

[۱] علامہ لکھنویؒ نے اس امر کی طرف اپنی کتاب "ظفر الأماني" میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں، اگر اللہ پاک نے عمر دی اور اسباب فراہم ہوئے تو ایک مفید رسالہ آیت شریفہ ''نساءکم حرث لکم ......'' الخ، (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۲۳) کے متعلقہ مسائل پر قلمبند کروں گا، دیکھئے: ظفر الأمانی لکھنوی، (ص ۱۸۶)۔

[۲] مقدمہ ملاحظہ کیجئے صفحہ ۱۱۷۔

[۳] دیکھئے: امام الکلام، لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۳)، تفسیر معالم التنزیل بغوی متوفی ۵۱۶ھ، تفسیر بیضاوی متوفی، ۶۸۵ھ، مدارک التنزیل النسفي متوفی ۷۱۰ھ، الکشاف، زمخشري متوفی ۵۳۸ھ، دیکھئے: زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس، (ص ۷۵)، الدر المنثور، سیوطی، تفسیر ابن کثیر، وغیرہ۔

[۴] دیکھئے: تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد، لکھنوی، (ص ۴۳۱۔۴۶۸)۔

حدیث کا رنگ فقہی مسائل پر غالب رہتا[۱]۔

(ج) **فقہ واصول فقہ:** علامہ حنفی المسلک تھے اور اس مسلک کی طرف نسبت بھی کرتے تھے[۲]، محمد عبدالباقی کہتے ہیں: ان کی تمام تصنیفات علی الاعلان اس بات کا اعلان ہیں کہ وہ حنفی ہیں، انہوں نے متعدد رسائل کے آغاز میں اپنی نسبت امام ابوحنیفہ سے ظاہر کی ہے[۳]۔

ان کے معاصر اور ہم نام علامہ عبدالحی حسنیؒ فرماتے ہیں: علامہ لکھنویؒ فروع و اصول میں مسلک احناف کے پابند تھے لیکن متعصب اور متشدد نہ تھے، دلیل کا اتباع کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں خلافِ مسلک کوئی صریح نص پاتے تو تقلید نہ کرتے[۴]۔

علامہ لکھنویؒ نے خود اس مسئلہ میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:
اللہ سبحانہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے فن حدیث اور فقہ حدیث کی رہنمائی عطا کی میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک کسی حدیث یا آیت سے اس کی اصل نہ پائی جاتی ہو، اور جو مسئلہ صریح صحیح حدیث کے خلاف ہوتا ہے میں اسے ترک کرتا ہوں اور اس میں مجتہد کو معذور بلکہ ماجور اور مستحق ثواب سمجھتا ہوں لیکن میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو سادہ لوح عوام کی تشویش خاطر کا سبب بنتے ہیں بلکہ میں لوگوں

---

[۱] دیکھئے: السعایۃ في شرح الوقایۃ، لکھنوی، (ص۳)، عمدۃ الرعایۃ في شرح الوقایۃ، لکھنوی، (ص۵)۔

[۲] علامہ لکھنوی نے اپنے کتابچہ "القول المنشور في هلال خیر الشهور" میں اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے، لکھنوی لکھنوَ وطن کے اعتبار سے، انصاری، أیوبی، قطبی نسب کے اعتبار سے اور حنفی مسلک ومکتب فکر کے اعتبار سے، دیکھئے القول المنشور، لکھنوی، (ص۱۰) (مع مجموعۃ الرسائل السبع)، امام الکلام مع غیث الغمام، لکھنوی، (ص۳)۔

[۳] حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، عبدالباقی انصاری، (ص۱۷)۔

[۴]: نزهۃ الخواطر، عبدالحی حسنیؒ، (۲۳۵/۸)۔

سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرتا ہوں۔

مزید لکھتے ہیں: اللہ کا انعام ہے کہ اس نے مجھے افراط وتفریط کے درمیان راہِ اعتدال پر چلنے والا بنایا کوئی کیسا بھی معرکۃ الآرا مسئلہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اس میں اعتدال کا راستہ الہام کیا جاتا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو مقلد محض ہیں، فقہاء کے اقوال چاہے شرعی دلائل سے ٹکراتے ہوں تو بھی ان کو نہیں چھوڑتے اور میں ان سے بھی بے زار ہوں جو فقہاء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور فقہ و مسائل کو مطلقاً اختیار نہیں کرتے [۱]۔

علامہ لکھنویؒ کے بارے میں ان کے معاصرین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حنفی المسلک تھے لیکن ان محدثین کی روش پر قائم تھے جو حدیث سے ربط کے ساتھ کسی ایک فقہی مسلک سے انتساب بھی رکھتے ہیں، چنانچہ وہ قرآن وحدیث کی دلیل کو اختیار کرتے چاہے وہ مسلک کے خلاف ہوتی [۲]، امام نووی، حافظ ابن حجر اور امام بیہقی جیسے

---

[۱] النافع الکبیر، لکھنوی۔ (ص ۱۴۵)۔ [۲] اس سلسلہ میں کم از کم مہر دس درہم مقرر کرنے کے سلسلہ میں علامہ لکھنویؒ کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہونے پر فقہاء احناف کے پاس کوئی قابل اعتبار دلیل نہیں ہے، لہٰذا قرآن کے اطلاق پر عمل زیادہ بہتر ہے، یہ قول اگرچہ احناف کے خلاف ہے، لیکن قول فیصل یہی ہے، دیکھئے: ظفر الامانی، لکھنوی، (ص ۹۲)، التعلیق الممجد، (ص ۲۳۸)، اسی ضمن میں عقیقہ کے مسئلہ میں علامہ لکھنوی کا یہ قول بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں بہت سی روایتوں کو بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ اگر عقیقہ واجب نہیں تو مستحب بلکہ سنت سے بھی کم نہیں، شاید ہماری یہ احادیث ہمارے امام کو نہ پہونچ سکیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عقیقہ کو مباح قرار دیتے ہوئے فرمایا عقیقہ مباح ہے، مستحب نہیں، دیکھئے: التعلیق الممجد، (ص ۲۸۶)۔

اسی طرح آمین بالجہر کے مسئلہ میں بہت سی روایات بیان کرنے اور انہیں موضوع بحث بنانے کے بعد فرماتے ہیں، انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ دلیل کے لحاظ سے جہر اقوی ہے، التعلیق الممجد، (ص ۱۰۳)، اسی طرح کی بہت سی مثالیں علامہ لکھنویؒ کی کتابوں میں بآسانی مل جاتی ہیں۔

اکثر فقہائے محدثین کا یہی طریقہ رہا ہے، مسلک شافعیہ سے انتساب، مسلک شوافع کی مخالفت سے مانع نہیں ہوا کیوں کہ بعض مسائل میں قوی دلیل ان کے قول کے مخالف ملتی ہے یہ عظیم المرتبت علماء کی منصف مزاجی اور کلام ائمہ کے حسن فہم کا مظہر ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب تک کسی کو مسئلہ میں قرآن وحدیث، اجماع یا قیاس جلی کا ماخذ نہ معلوم ہو تو اس کے لئے ہمارے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں [۱]، علامہ لکھنوی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ، ان کے تلامذہ بلکہ تمام ائمہ سے اس طرح کے اقوال منقول ہیں کہ ان کے مسائل کے مخالف صریح صحیح نص کے ملنے پر ان کی آراء کو قبول نہ کیا جائے [۲]۔

علامہ لکھنویؒ کی تالیفات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تالیفات، فقہ سے تعلق رکھتی ہیں، قریب پچاس فقہی تالیفات کا سرمایہ انہوں نے امت کو سونپا ہے۔

اصول فقہ میں علامہ نے ''تفتازانی'' کی کتاب ''التوضیح والتلویح'' کی شرح لکھی ہے، وہ طلبہ کو اصول فقہ بھی پڑھاتے تھے اور ان علوم کے ضمن میں جن کا بیان طلبہ کو دی جانے والی اجازت میں درج ہے اس علم یعنی اصول فقہ بھی مذکور ہے [۳]۔

(د) **سوانح وتراجم:** سوانح وتراجم بھی ان کا قابل ذکر میدان ہے اس علم میں معاصرین سے مباحثے ہوئے، عام تراجم میں بارہ، انفرادی تراجم اور موالید ووفیات میں دو دو کتابیں لکھی ہیں۔

---

[۱] دیکھئے: حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، محمد عبدالباقی انصاری، (ص ۱۸)۔ اعلام الموقعین، ابن قیم، (۱۸۳/۲)۔

[۲] دیکھئے: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، لکھنوی، (ص ۱۱۳)۔ [۳] دیکھئے: (صفحہ ۱۱۶)

(ہ) **منطق وفلسفہ:** علوم نقلیہ سے اشتغال کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی مشغول ہوئے اور متعدد پیچیدہ مباحث کا تفصیل کے ساتھ درس دیا، اپنے زمانے کے بعض ائمہ مثلاً مولانا عبدالحق عظیم آبادی کی کتابوں پر نقد بھی کیا، منطق وفلسفہ میں ان کی کتابوں کی تعداد ۲۵؍ہے۔

(و) **لغات (زبانیں):** علامہ لکھنوی عربی، فارسی اور اردو میں ماہر تھے اور ان تینوں ہی زبانوں کو تصنیف وتالیف کا ذریعہ بنایا۔

تصنیفات

علامہ لکھنویؒ نے مختلف علوم وفنون میں کثرت سے مفید اور دلچسپ کتابیں سپرد قلم کی ہیں جو ان کی وسعتِ علمی، بلند مرتبتی اور کامل العقلی کی بین دلیل ہیں، ان کتابوں کی نمایاں خصوصیات ان کا متعلقہ پہلوؤں پر سیر حاصل کلام، تحقیق وتدقیق اور عمدگی وسلاست ہے اور یہ امر ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں، اسی لئے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کہتے ہیں: علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ واضح کامل علمی تحقیقات ہیں جو فیصلہ کن نادر حوالوں اور مسئلہ یا باب کے ہر ہر جزئیہ کے استیعاب سے مزین ومرصع ہیں گویا انہوں نے ساری عمر اسی زیرِ بحث موضوع میں کھپا دی ہو[۱]۔

علامۂ ہند سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ وہ کتابوں کی تحقیق وتعلیق میں اسلوب جدید کے موجد ہیں، دو باتوں کا خاص اہتمام ملتا ہے، ایک کتاب کی ابتدا میں مقدمہ اور عام طور سے مقدمہ میں شارح اور مصنف کے حالات اور اس موضوع میں دیگر کتابوں کا ذکر، دوسرے تحقیق وتعلیق میں کئی ایک نسخوں سے مقارنہ وموازنہ، اس طرح وہ ایک مستند محقق نسخہ تیار کرتے ہیں[۲]۔

یہ خوبی بھی قابل ذکر ہے کہ طباعت کی غلطیوں سے بچنے کے لئے خود طباعت کے مرحلہ پر نظر رکھتے ہیں[۳]۔

---

[۱] مقدمۃ التعلیقات الحافلۃ علی الأجوبۃ الفاضلۃ، شیخ عبدالفتاح (ص ۱۴)۔

[۲] مثال کے طور پر علامہ لکھنوی نے سات نسخوں کو سامنے رکھ کر موطأ محمد کی تحقیق کی ہے، دیکھئے: التعلیق الممجد (ص ۴۰۷)۔

[۳] دیکھئے: ہندوستان میں علم حدیث، سید سلیمان ندوی، (ص ۶۳) (مجلّہ معارف)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو تحقیق وطباعت کا کس درجہ اہتمام تھا، محققین کے لئے انہوں ایک بالکل نیا طریقہ اور جدید اسلوب متعارف کرایا، یہ ان کی علمی امانت اور تحقیقی و تصنیفی سلیقہ کو بھی ظاہر وعیاں کرتا ہے۔

تالیف وتصنیف کا اہتمام: علامہ کو تالیف وتصنیف میں اتنا انہماک تھا کہ بعض کتابیں دوران سفر لکھیں، رسالہ ''أحكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس'' میں صراحۃً لکھا ہے: میں نے اس رسالے کو ماہ جمادی الآخرہ ۱۲۸۴ھ دکن کے شہر جبل پور میں وطن سے حیدرآباد جاتے ہوئے دوران سفر شروع کیا تھا[1]۔

اسی طرح رسالہ ''زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس'' کی تالیف مکہ مکرمہ میں دوسرے حج کے دوران منگل کے روز ۲۹/ذی القعدہ ۱۲۹۲ھ میں مکمل کی[2]۔

یہ بات بھی تصنیف وتالیف کے غایت درجہ شوق واہتمام کو ظاہر کرتی ہے کہ علامہ لکھنویؒ نے نوعمری ہی میں تالیف وتصنیف کا عمل شروع کردیا تھا، چنانچہ فارسی زبان میں علم صرف کے موضوع پر دو کتابیں ''امتحان الطلبة في الصيغ المشكلة'' اور'' التبيان في شرح الميزان'' بارہ سال کی عمر میں لکھیں، اول الذکر کتاب خود علامہ کی تصریح کے مطابق ان کی سب سے پہلی تالیف ہے[3]۔

۱۰۰/ سے متجاوز کتابیں ان کے سوانح نگاروں کے بقول اہتمام تالیف کی کامل دلیل ہیں، یہ اسی وقت ممکن ہوا جب سفر وحضر ان کے لئے تالیف سے مانع نہیں ہوئے۔

---

[1] آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)۔

[2] زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۸۵)۔

[3] النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، لكهنوى، (ص ۱۵۱)۔

علامہ لکھنوی کی کتابوں کی تعداد: علماء نے ان کی کتابوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے، سرکیس نے ''معجم المطبوعات العربیۃ'' میں ۲۶/ کتابوں کا ذکر کیا ہے [۱]، ذکی المجاہد نے ''الأعلام الشرقیۃ'' میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں کی تعداد کم وبیش ۴۴/ ہے [۲]، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر میں ۹۰/ [۳]، علامہ کے شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی نے کنز البرکات میں ۹۴ [۴]، اور علامہ کے دوسرے شاگرد شیخ محمد عبدالباقی نے تکملۃ خیر العمل میں ۱۱۲/ کا ذکر کیا ہے [۵]۔

شیخ ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھا ہے: علامۂ ہند فخر متأخرین عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی کی مؤلفات کی کل تعداد ۱۱۰/ ہے جن میں ۸۶/ کتابیں عربی میں ہیں [۶]۔

شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں: علامہ لکھنوی نے کم وبیش ۱۱۵/ کتابیں تالیف کی ہیں [۷]۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے بعض کتابوں میں اپنے حالات لکھتے ہوئے اپنی کتابوں کی تعداد کبھی اختصار اور کبھی بعض کتابوں کو ذکر نہ کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کی ہے، جن محققین نے کتابوں کے حوالہ سے ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا وہ یہ سمجھے کہ یہی علامہ کی کل کتابیں ہیں دیگر کتابوں کا جن کا یا تو اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیا گیا یا وہ ان حالات کے لکھنے کے بعد معرض وجود

---

[۱] دیکھئے: معجم المطبوعات العربیۃ، سرکیس، (ص ۱۵۹۶، ۱۵۹۷)۔

[۲] دیکھئے: الأعلام الشرقیۃ، زکی مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

[۳] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۸/ ۲۳۷-۲۳۹)۔

[۴] دیکھئے: کنز البرکات، بندوی، (ص ۲۱، ۲۴)۔ [۵] دیکھئے: تکملۃ خیر العمل بذکر تراجم علماء فرنگی محل، (ص ۴۲)۔

[۶] المسلمون في الهند، ابوالحسن ندوی، (ص ۳۸)۔

[۷] مقدمہ شیخ عبدالفتاح، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، (ص ۵)۔

میں آئیں ان کی طرف ان محققین کی نظر نہیں گئی۔

اختلاف بیان کے باوجود کثرت مؤلفات کا اعتراف سب کو ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کہتے ہیں: اگر ان مؤلفین کا ذکر کیا جائے جن کی کتابیں ۵۰/ یا ۱۰۰/ سے زائد ہیں تو علامہ لکھنوی سرفہرست ہوں گے، کیوں کہ ان کی تصنیفات کم وبیش ۱۱۰/ ہیں اور اگر ان کی مختصر سی عمر جو ۳۹/سال پر مشتمل ہے کے لحاظ سے کتابوں کو دیکھا جائے تو یہ بہت زیادہ ہیں[۱]۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ لکھنوی کا شمار ان علماء میں ہے جنھوں نے ایک بڑی تعداد میں کتابیں لکھیں اس میں ان کو بہت سے معاصرین اور متقدمین پر تفوق حاصل ہے، یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ان کی بعض کتابیں بہت مختصر اور چند صفحات پر مشتمل ہیں، یہ اعتراض بے محل ہے کیوں کہ ان مختصر کتابوں کے ساتھ کئی کئی جلدوں میں لکھی گئیں ضخیم کتابیں بھی ہیں، جیسے السعایہ شرح الوقایہ، ھدایہ کا حاشیہ، عمدۃ الرعایۃ شرح الوقایہ اور التعلیق الممجد وغیرہ۔

بعض کتابوں کی نسبت کی تحقیق: یہاں بعض مؤرخین واہل سیر نے ان کے والد کی بعض کتابوں کی نسبت سے مغالطہ پیدا کردیا ہے، سرکیس نے ”البیان العجیب في شرح ضابطة التقریب“ اور ”القول المحیط فیما یتعلق بالجعل المؤلف والبسیط“ کو علامہ لکھنوی کی تالیفات میں شمار کیا ہے جس سے محمد مجاہد نے بھی نقلاً اتفاق کیا ہے[۲]، حالانکہ یہ دونوں ہی کتابیں علامہ عبدالحلیم لکھنوی کی تالیفات ہیں خود علامہ

---

[۱] مقدمہ التعلیقات الحافلة، شیخ ابوغدہ، (ص۱۳)۔ [۲] دیکھئے: معجم المطبوعات العربیة، سرکیس، (ص۱۵۹۷)، الأعلام الشرقیة في المأة الرابعة عشرة الهجریة، محمد مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

لکھنوی نے بیان کیا ہے کہ ’’القول المحیط فیما یتعلق مما الجعلی المؤلف والبسیط‘‘ کی تالیف سے والد محترم قیام جونپور کے زمانہ ۱۲۶۹ھ میں فارغ ہوئے اور ’’البیان العجیب في شرح ضابطة التقریب‘‘ سے ۱۲۵۶ھ میں فارغ ہوئے[۱]۔

اسی طرح بغدادی نے ’’إیضاح المکنون‘‘ میں ’’الأقوال الأربعة في رد الشبهات الموردة في سلم العلوم‘‘ کو محمد عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی کی طرف منسوب کیا ہے[۲] یہ خطا ہے کیوں کہ یہ کتاب خود علامہ لکھنوی کی تصریح کے مطابق ان کے والد علامہ عبدالحلیم لکھنوی کی تالیف ہے[۳]۔

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بیان کیا ہے کہ علامہ لکھنویؒ نے مسند امام أبوحنیفہ، موطأ إمام محمد اور کتاب الآثار امام محمد کا مقدمہ اور حاشیہ لکھا ہے[۴]۔

لیکن حیرت ہے کہ سید سلیمان ندوی نے یہ بات کیسے کہی کیوں کہ علامہ کا کوئی حاشیہ اور مقدمہ نہ مسند امام ابوحنیفہ پر ہے اور نہ کتاب الآثار امام محمد پر، ان کے دوسرے سوانح نگاروں نے بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔

شیخ عبدالفتاح ’’شرح ثلاثیات البخاری‘‘ کو علامہ لکھنوی کی مؤلفات کے ضمن میں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ میں نے اسے ان کی کتاب ’’الفوائد البهیة‘‘ سے استخراج کیا ہے[۵]۔

---

[۱] دیکھئے: حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۹۵)۔

[۲] إیضاح المکنون، بغدادی، (۱۱۴/۱)۔ [۳] حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۹۶) آثار الأول علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۳)۔ [۴] دیکھئے: ہندوستان میں علم حدیث، سید سلیمان ندوی، (ص ۶۲)، مجلّہ معارف ـ ۱۵۳)۔ [۵] الرفع والتکمیل پر عبدالفتاح کا مقدمہ، (۲۶)۔

لیکن راقم کا خیال ہے کہ شیخ عبدالفتاح کا استناد کمزور ہے کیوں کہ "الفوائد البھیه" کی عبارت ظاہر کرتی ہے کہ یہ کتاب علی قاری کی مؤلفات میں سے ہے، دلیل خود علامہ کی ایک عبارت ہے جس میں علامہ لکھنوی نے محمد بن عبداللہ بن المثنی کے حالات میں لکھا ہے کہ قاری نے ذکر کیا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں حمید عن أنس سے روایت کیا ہے اور یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے ایک ہے، میں نے خدائے پاک کی مدد سے اس کی شرح کی، اوران سے احمدابن المدینی اور دیگر چھ ائمہ محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں روایت کی ہے[۱]۔

یہاں اس جملہ کے قائل علی قاری ہو سکتے ہیں اور یہی متبادر ہے کیوں کہ علی قاری کی ثلاثیات البخاری پرایک شرح ہے جس کا ایک نسخہ مکتبہ شہید علی پاشا اسطنبول میں ۲/۱۸۴۱ کے نمبر سے موجود ہے[۲]، جہاں تک علامہ لکھنوی کا تعلق ہے تو اس نام سے نہ ان کی کوئی کتاب پائی جاتی ہے اور نہ مؤرخین واصحاب سیر نے ان کی مؤلفات کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ لکھنوی کی تالیفات:

ذیل میں ہم علامہ لکھنوی کی تالیفات کے ناموں کو علوم کی ابجدی ترتیب سے پیش کرتے ہیں، نیز ان تالیفات کا مختصر تعارف بھی پیش کرتے ہیں جو ہماری تحقیق میں علماء سے ثابت ہے، پہلے علوم کی اقسام اوران کے حوالے سے تصنیفات کی تعداد ملاحظہ ہو:

---

[۱] الفوائد البھیة، لکھنوی، (ص ۱۷۹)۔

[۲] تاریخ التراث العربی، بروکلان، (۱۷۳/۳)۔

(۱)	عقائد	چار کتابیں
(۲)	حدیث	آٹھ کتابیں
(۳)	اصول فقہ	ایک کتاب
(۴)	فقہ	پچاس کتابیں
(۵)	علم فرائض	ایک کتاب
(۶)	رقائق	ایک کتاب
(۷)	تاریخ وتراجم	سولہ کتابیں
(۸)	منفردتراجم وسیر	دو کتابیں
(۹)	موالیدووفیات	تین کتابیں
(۱۰)	منطق وحکمت	پچیس کتابیں
(۱۱)	علم مناظرہ	دو کتابیں
(۱۲)	نحو	دو کتابیں
(۱۳)	صرف	پانچ کتابیں

عقائد:

(۱) الآيات البينات على وجود الأنبياء في الطبقات:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جسے اردو زبان میں تحریر کیا گیا، اس میں علامہ نے زمین کے مختلف طبقات اور انبیاء کے وجود کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ثابت کر کے اس مسئلہ میں متعلقہ شبہات کا مختصراً جواب دیا ہے، علامہ نے اس رسالہ کی طرف "زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس" کے مقدمہ میں اشارہ

کیا ہے[1]۔

مؤلف کے قلم سے لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۹۰/۱۰ نمبر سے موجود ہے یہ رسالہ چھوٹے سائز کے تیس اوراق پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر انہوں نے دو اور رسالے تالیف کئے ہیں ایک "دافع الوسواس" اردو میں ہے جس پر آئندہ صفحات میں گفتگو کی جائے گی، دوسرا "زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس" جس کا تذکرہ علوم حدیث کے ضمن میں آئے گا۔

(۲) الحاشیة علی حواشي الخیالي[2] علی شرح العقائد: اس کا ذکر علامہ لکھنوی نے "النافع الکبیر" میں کیا ہے[3]۔

(۳) الحاشیة علی شرح العقائد النسفیة : "النافع الکبیر" میں اس کا تذکرہ بھی ہے[4]۔

---

[1] دیکھئے: زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۴۷)۔ (پانچوں رسائل کے مجموعہ کے ساتھ)۔

[2] یہ احمد بن موسی شمس الدین ہیں، جو 'خیالی' کے نام سے مشہور ہیں، متکلم، فقیہ، اصولی، متوفی ۸۸۶ھ دیکھئے: شذرات الذھب، ابن العماد حنبلی، (۳۴۳/۷)، الفوائد البھیۃ لکھنوی، (ص ۴۳)، علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ میں نے اس کے حواشی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ [3] النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

[4] "کتاب عقائد النسفی" ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ کی تالیف کردہ ہے، ان کی سوانح "معجم الأدباء" حموی، (۱۶/۷)، طبقات المفسرین، سیوطی، (ص ۲۷) اور الفوائد البھیۃ لکھنوی، (ص ۱۴۹) میں ملاحظہ کیجئے، سعد الدین تفتازانی نے اس کی شرح لکھی ہے، یہ مسعود بن عمر بن عبداللہ سمرقندی تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ ہیں نحو وصرف، معانی وبیان، فقہ ومنطق جیسے مختلف علوم سے واقف تھے، الدرر الکامنۃ، ابن حجر، (۳۵/۴)، شذرات الذھب، ابن العماد (۱۹/۶)، مفتاح السعادۃ، طاش کبری زادہ، (۲۰۵/۱)۔

(۴) **دافع الوسواس في أثر ابن عباس** : "زجر الناس" کے مقدمہ میں علامہ لکھنوی نے اس کا نام لیا ہے [۱]۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے جس میں علامہ نے زمین کے طبقات میں وجودِ انبیاء کے موضوع پر کلام کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسالہ "الآیات البینات" جوخود بھی اسی موضوع پر مرتکز ہے کوانتہائی مختصر محسوس کیا لہٰذا اس کی تشریح وتوضیح کی غرض سے یہ رسالہ تالیف کیا۔

۱۲ رمضان ۱۲۹۰ھ میں وہ اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے، مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۳/۱۸۳ نمبر سے موجود ہے، یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۳۳/اوراق پر مشتمل ہے مطبع یوسفی لکھنؤ میں طبع ہوا لیکن طباعت کا سن مذکور نہیں۔

حدیث اور علوم حدیث

(۵) **الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة**: (۱) وجہ تسمیہ: خود علامہ لکھنوی نے کتاب کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اس رسالہ کا ایسا نام رکھا ہے جو مسمیٰ کی کیفیت کو واضح کرتا ہے، اور وہ نام ہے "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة [۲]" لیکن "التعليق الممجد" [۳] کے مقدمہ اور "النافع الكبير" [۴] میں اس کا نام "رسالة في الأحاديث المشتهرة" درج ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شروع میں ایک متعین نام کا فیصلہ نہیں ہوسکا جب انہوں نے تالیف مکمل کرلی

---

[۱] دیکھئے: زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۴۷)۔

[۲] الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، (ص ۲۰)۔ [۳] مقدمہ التعليق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۹)۔

[۴] النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

تو اس کا وہی نام رکھا جو اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ''النافع الکبیر'' اور '' مقدمة التعليق الممجد'' مذکورہ کتاب کے اتمام سے قبل تالیف کی ہے، کتانی نے اسے کبھی ''الأنوار المرفوعة في الأخبار الموضوعة'' اور کبھی ''تأليف في الأحاديث المشتهرة'' [۱] کے نام سے بیان کر کے دو لغزشیں کی ہیں ایک تو یہ کہ ایک کتاب کو دو کتاب قرار دیا، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ کتاب کا نام ''الأنوار المرفوعة'' لکھا، جس کی عمر رضا کحالہ نے بھی تقلید کی [۲] جب کہ درست ''الآثار المرفوعة'' ہے خود مؤلف نے یہی لکھا ہے اور کتانی نے بھی اپنی کتاب ''الرسالة المستطرفة'' میں اس کا یہی صحیح نام ذکر کیا ہے [۳]۔

(۲) باعث تالیف: علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے گزشتہ دنوں شریعت مطہرہ کے تحفظ کے مقصد سے محدثین کی تمام متفقہ موضوعہ روایات کو ''الأحاديث الموضوعة'' نامی رسالہ میں جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن دوسری تصنیفات کی مصروفیت کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکا [۴]۔

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی اس موضوع میں ایک ضخیم کتاب تالیف کرنے کی نیت رکھتے تھے لیکن غالباً کسی وجہ سے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ نماز اور دیگر عناوین کی مشہور احادیث پر اکتفا کریں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہے۔

علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ میرے اور میرے بعض اعزہ کے درمیان ایک

---

[۱] فہرس الفہارس، کتانی، (۲/۷۲۹)۔
[۲] معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، (۱۱/۲۳۵)۔
[۳] الرسالة المستطرفة، کتانی، (ص ۱۲۶)۔
[۴] الآثار المرفوعة، (ص ۸)۔

دلچسپ مباحثہ یوم عاشورہ ۱۳۰۳ھ میں ہوا، مجھ سے بعض احباب نے یوم عاشورہ کی نماز، اس کی کمیت، کیفیت اور مرتبہ اجر وثواب کی بابت پوچھا میں نے جواب دیا کہ کوئی معتبر روایت آج کے دن اور سال کے دیگر مبارک دنوں میں کسی معین نماز کی کمیت و کیفیت کونہیں بتاتی اور جو کچھ اس سلسلے میں وارد ہے وہ موضوع اور من گڑھت ہے، اس کے ثبوت کے اعتقاد کے ساتھ نہ اس پر عمل جائز ہے اور نہ اس کے مخصوص اجر وثواب کا عقیدہ رکھا جاسکتا ہے، مزید کہتے ہیں: میں نے ارادہ کیا کہ موضوع احادیث کے سلسلہ میں اپنا رسالہ مکمل کروں اور سال کے دنوں اور راتوں کی نمازوں کی احادیث اور دیگر ضروری باتوں پر اکتفا کروں اور اختلاف و وضع کو بیان کروں تاکہ جہلاء دھوکہ نہ کھائیں اور علماء ہوشیار رہیں[۱]۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی کا مقصد اس زمانہ میں یوم عاشورہ اور دیگر نمازوں کے سلسلہ میں علماء اور عوام کے درمیان رائج بدعات کا ابطال تھا جن کا تعلق صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

(۳) **ایڈیشن:** یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع علوی لکھنؤ سے علامہ لکھنوی کے رسالہ ”إمام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الإمام“ کے ساتھ طبع ہوئی تھی، پھر گوجرانوالہ پاکستان سے طبع ہوئی اور سب سے اخیر میں محمد بسیونی زغلول[۲] کی تحقیق کے ساتھ دار الكتب العلمية بيروت سے ۱۴۰۴ھ میں چھپی، اس کے محقق نے ۱۳۰۳ھ کہہ کر تاریخ طباعت کے ذکر میں غلطی کی ہے کیوں کہ کتاب علامہ لکھنوی

---

[۱] الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، (ص ۱۹)۔

[۲] مقدمہ الآثار المرفوعة، محقق، (ص ۵)۔

کی وفات کے بعد طبع ہوئی تھی جیسا کہ محمد عبدالعلی مدراسی کی تقریظ جو کتاب کے آخر میں شامل ہے، سے ظاہر ہے[۱]، شاید محقق نے کتاب کے اختتام پر مصنف کے اس بیان پر کہ اس نے ۱۳۰۳ھ میں اس کی تالیف مکمل کی، اعتماد کیا ہے، انہوں نے گمان کیا کہ اسی سال طبع ہوئی ہوگی لہٰذا مدراسی کے بیان کو اہمیت نہ دی۔

(۴) **کتاب کا وصف:** اللہ کی حمد وثنا سے مؤلف نے کتاب کا آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ختم الأنبیاء اور سید الأصفیاء کو مبعوث فرما کر اپنے بندوں کو جہنم کے گڑھے سے بچایا اور کفار وفجار کے سرکش، متمرد اور باغی فرقوں کو راہ راست پر چلایا اور آپ ؐ کی امت کو تمام گزشتہ امتوں پر فضیلت دی، اس عزت وافتخار اور رفعت وعظمت کا کیا کہنا اور علم وافر اور وہ فہم کامل عطا کی جس سے وہ سابقہ قوموں پر سبقت لے گئے .... الخ[۲]۔

حمد وثنا کے بعد مؤلف نے تالیف کا سبب، دوستوں سے علمی مباحثہ میں اور بعض ائمہ صوفیہ جیسے امام غزالی[۳] مؤلف ''إحیاء العلوم''، مولانا عبدالقادر جیلانی[۴] مؤلف ''غنیۃ الطالبین'' اور ابوطالب مکی[۵] مؤلف ''قوت القلوب'' وغیرہ کی

---

[۱] الآثار المرفوعۃ، (ص ۱۴۵)۔ [۲] الآثار المرفوعۃ، (ص ۷)۔

[۳] محمد بن محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ اوائل پانچویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار ہوتے ہیں، دیکھئے: وفیات الأعیان، ابن خلکان، (۲۱۶/۴)، سیر أعلام النبلاء، ذہبی، (۳۲۲/۱۹)۔

[۴] سید عبدالقادر جیلانی، طریقۂ قادریہ کے بانی وموسس، متوفی ۵۶۱ھ، دیکھئے: النجوم الزاہرۃ، ابن تغری بردی، (۳۷۱/۵)، شذرات الذہب، حنبلی، (۱۹۸/۴)۔

[۵] محمد بن علی بن عطیہ حارثی ابوطالب مکی متوفی ۳۸۶ھ، صوفی متکلم وواعظ تھے، دیکھئے: تاریخ بغداد (۸۹/۳)، وفیات الأعیان، ابن خلکان، (۳۰۴/۴)۔

کتابوں میں موضوع احادیث کے متعلق بیان کیا ہے، لکھا کہ ''بہت بعید ہے کہ ان ائمہ صوفیہ نے کوئی حدیث وضع کی ہو اور جو شخص ان اکابر کی طرف وضع کی نسبت کرے وہ چاہے متقدمین میں سے ہو یا متأخرین میں سے، وہ شقی وخبیث شمار کیا جائے گا[1]۔

پھر علامہ نے اختصار کے ساتھ واضعین حدیث کی آٹھ قسمیں بیان کیں اور وضّاعین کے اسباب واغراض کا جائزہ لیا ہے۔

(۱) **زنادقہ**: ان کا مقصد شریعت کو فاسد کرنا اور امت میں گمراہی پھیلانا ہے، علامہ لکھنوی نے انہیں یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دی ہے جنہوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کی، نیچری فرقے کو بھی اسی زمرے میں رکھا ہے۔

(۲) وہ لوگ جو وضع احادیث کے ذریعہ اپنے مذاہب ومسالک کو مؤید کرتے ہیں، علامہ نے اس کی کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔

(۳) وہ لوگ جو ترغیب، انذار وتبشیر کی احادیث لوگوں کو خیر پر آمادہ کرنے کے لئے وضع کرتے تھے، اس کی بھی کئی مثالیں دی ہیں۔

(۴) وہ طبقہ جس نے ہر اچھے کلام کو یہ کہتے ہوئے کہ تمام حسن امر شرعی ہے، اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور اسانید وضع کرنا جائز گمان کیا۔

(۵) وہ لوگ جنہیں دنیا کے کسی مقصد جیسے سلاطین کا قرب حاصل کرنا وغیرہ نے وضع احادیث پر آمادہ کیا۔

(۶) مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود بھی وضع کا سبب بنا۔

---

[1] الآثار المرفوعة، لکھنوی، (ص۹، ۱۰)۔

(۷) غایت محبت بھی وضع حدیث کا سبب ہوئی جیسے اہل بیت کے سلسلہ میں احادیث وضع کی گئیں۔

(۸) لوگوں کی پسندیدگی اوران کی خوشی حاصل کرنے کے لئے قصہ گواور بہت سے واعظین نے احادیث وضع کیں[۱]۔

علامہ لکھنوی نے مقدمہ میں اپنی کتاب کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

کتاب کا مقدمہ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے سے ترہیب دلانے والی احادیث، بعض جھوٹے قصص وحکایات جنہیں واعظین اپنی مجالسِ وعظ میں بیان کرتے ہیں اورعوام ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں نیز موضوع احادیث کے نقل، روایت وعمل کے حکم پر مشتمل ہوگا پھر ہم مقصود احادیث کی شرح وتوضیح دوایقاظ (دوفصلوں) میں کریں گے اور رسالہ کوثقہ مشائخ کی کتابوں میں مرقوم صلات کی تحقیق وتدقیق پرختم کریں گے[۲]۔

علامہ لکھنوی نے ایقاظ اول کو ہفتہ کے دنوں اورراتوں کی خودساختہ نمازوں کے لئے مخصوص کیا ہے اور ایقاظ ثانی میں سال کے دنوں اور راتوں کی نمازوں کی احادیث ومتعلقہ مسائل بیان کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے بروزاتوار ۵/رجب المرجب ۱۳۰۲ھ میں فارغ ہوئے[۳]۔

(۶) الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة:

علامہ نے اس کتاب کا نام" الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة"، رکھا جو کتاب کے مقدمہ میں درج ہے[۴]۔

---

[۱] دیکھئے: الآثار المرفوعة، لکھنوی، (ص۱۲، ۱۸)۔ [۲] ایضاً (ص۲۰)۔ [۳] ایضاً (ص۱۴۳)۔

[۴] دیکھئے: الأجوبة الفاضلة، لکھنوی (ص۲۰)۔ ایقاظ: بیدارکرنا (عربی) باب افعال سے مصدر ہے۔

(۲) **طباعت:** سب سے پہلے یہ کتاب ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے "مجموعة الرسائل السبع" کے ساتھ طبع ہوئی پھر مطبع شوکت اسلام میں ۱۳۱۰ھ میں چھپی پھر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق وحواشی کے ساتھ مکتب المطبوعات الإسلامية حلب میں ۱۳۸۴ھ میں طبع ہوئی، شیخ عبدالفتاح کی تحقیقات وتعلیقات کے بعد اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی، انہوں نے نہ صرف نصوص کتاب کی تخریج کی بلکہ موضوع کتاب سے متعلق بعض مباحث کا اضافہ بھی کیا۔

(۳) **سبب تالیف:** علامہ نے یہ کتاب ان سوالوں کے جواب میں لکھی ہے جو علوم حدیث کے سلسلہ میں آپ سے کئے گئے، مقدمہ میں لکھتے ہیں یہ رسالہ بعض لطیف مباحث، عمدہ لطائف ونکات اور ان دس سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے جو لاہور کے بعض علماء فاضلین نے میرے قیام حیدرآباد کے زمانے میں مجھ سے پوچھے تھے[۱]۔

(۴) **کتاب کا وصف:** یہ جوابات انتہائی مفید اور موضوعِ سوال کے متعلقات کو جامع ومحیط ہیں، یہ سوالات وجوابات اسناد اور دین میں اس کی اہمیت، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل پر تو روشنی ڈالتے ہی ہیں، سنن اور دیگر مشہور کتابوں کی احادیث کا مقام بھی طے کرتے ہیں، نیز تعارض احادیث کے وقت علماء کا موقف کیا ہے؟ نسخ مقدم ہے یا جمع وتوافق، اور جمع کو ترجیح پر تقدم حاصل ہے یا ترجیح کو جمع پر؟ ترجیح کی وجوہ کیا ہیں؟ اس راوی کی روایت کے بارے میں علماء کا موقف کیا ہے جو ظاہر روایت پر عمل نہ کرے؟ کیا حدیث صحیح اگر قول صحابی یا فعل صحابی سے متعارض ہو تو قبول نہ کی جائے گی؟ ان تمام عناوین پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

---

[۱] دیکھئے: الأجوبة الفاضلة، لکھنوی (ص ۱۹)۔

شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ یہ کتاب ایسی عمدہ جامع بحثوں کو شامل ہے جن پر اس درجہ کمال اور عمدگی کے ساتھ میرے علم میں علامہ لکھنوی کے علاوہ کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا۔

مزید کہتے ہیں کہ یہ کتاب بجا طور سے علامہ کی نادرالمثال تالیفات میں سرفہرست ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ علوم حدیث کا وہ خلا پر ہوا ہے جو اس سے پہلے شکوہ کناں تھا[1]۔

دوشنبہ کی رات ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ میں آپ اس کتاب سے فارغ ہوئے[2]۔

(۷) التعلیق الممجد علی موطأ امام محمد:

(۱) نام کی وضاحت: علامہ لکھنوی نے اس کتاب کا نام "**التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد**" رکھا[3]، کتانی نے اس کا نام "حاشية الإمام اللكنوي على موطأ محمد بن الحسن" ذکر کیا ہے[4]۔

(۲) طباعت: التعلیق الممجد موطأ امام محمد کے ساتھ خط فارسی میں ہندوستان سے کئی مرتبہ پتھر پر طبع ہوئی، سب سے پہلے ۱۲۹۷ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے طبع ہوئی پھر دوبارہ اسی مطبع سے ۱۳۰۶ھ میں چھپی، ۱۳۴۶ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپی، سب سے اخیر میں ۱۴۱۲ھ میں دارالقلم دمشق سے راقم کے والد محترم پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی استاذ حدیث جامعۃ الامارات کی تحقیق سے آراستہ ہوکر طبع ہوئی۔

---

[1] دیکھئے: مقدمہ الأجوبة الفاضلة، شیخ عبدالفتاح (ص ۷)۔

[2] الأجوبة الفاضلة، لکھنوی (ص ۲۲۷)۔ [3] مقدمة التعليق الممجد، لکھنوی، (ص ۱۰)۔

[4] فہرس الفہارس، کتانی، (۲/۷۲۹)۔

(۳) **تالیف کی تاریخ:** علامہ لکھنوی نے دکن میں ماہ شوال ۱۲۹۱ھ میں اس کی تصنیف شروع کی جمعرات کے دن ۸/ شعبان ۱۲۹۵ھ کو تکمیل کی، اس دوران کئی اسفار، بیماریوں اور مشغولیات کی وجہ سے اس اہم کام کی تکمیل میں تاخیر ہوئی[۱]۔

(۴) **سبب تالیف:** علامہ لکھنویؒ نے اس کتاب کی تالیف کا سبب لکھا ہے کہ اکثر میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میں حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھ کر اس کے اسرار ورموز سے پردہ اٹھاؤں تاکہ نبی ﷺ شفیع المذنبین کی رضا کا باعث ہو جن کی رضا ربِّ دوجہاں کی رضا ہے اور کیا عجب کہ اللہ تعالی اس کی برکت سے مجھے صالح بنائے اور انبیاء وصدیقین کے ساتھ محدثین کے زمرہ میں میرا حشر فرمائے، مجھے وہ خواب یاد آیا جو میں نے ۱۲۸۸ھ میں دیکھا تھا کہ میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا وہاں امام مالک تشریف رکھتے ہیں میں نے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اور کہا آپ کی کتاب موطأ میں مجھے کچھ اشکالات اور بے اطمینانیاں ہیں میں اسے آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ان اشکالات کو دور فرما دیں، تو امام مالکؒ نے خوش ہو کر فرمایا موطأ لاؤ اور میرے سامنے پڑھو میں اپنے گھر سے موطأ لانے کے لئے وہاں سے اٹھا کہ میری آنکھ کھل گئی، میں نے اس نیک خواب پر اللہ کی حمد وثنا کی، گویا اس خواب میں مجھے امام مالک کی طرف سے یہ اشارہ ملا کہ میں موطأ پر توجہ دوں اور اس کی درس وتدریس اور شرح وتعلیق کا اہتمام کروں جب مجھے یہ خواب یاد آیا تو میں نے موطأ کی شرح لکھنے کا عزم مصمم کرلیا[۲]۔

---

[۱] التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص۱۱، ۴۰۷)۔

[۲] مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص۱۱)۔

علامہ نے شرح وتعلیق کے لئے امام محمد کے نسخہ کو منتخب کیا اس کے دو سبب ہیں۔
(۱) یحییٰ اندلسی کے نسخہ کی شرح بہت سے متقدمین ومتأخرین علماء نے کی جب کہ امام محمد کے نسخہ کی شرح صرف پیری زادہ اور علی قاری نے کی ہے۔
(۲) نسخہ امام محمد کئی وجوہ سے قابل ترجیح ہے [۱]۔
(۵) علامہ لکھنوی نے اس کتاب پر ایک علمی مقدمہ لکھا جس میں بہت سے علوم ودیعت کردیئے اور موطأ امام محمد کے انتخاب کا سبب بھی بیان کیا، جہاں تک شرح کا تعلق ہے تو بغیر کسی تمہید کے مقدمہ پر اکتفاء کرتے ہوئے شروع کیا ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس عظیم المرتبت کتاب کی شرح میں کئی امور پر خاص توجہ دی ہے، لکھتے ہیں: میں نے اس شرح میں کچھ ایسے امور کا خاص اہتمام رکھا ہے جنہیں ارباب عقل وشعور تحسین کی نظروں سے دیکھیں گے۔

(۱) میں نے متفرق جگہوں پر بعض مفید مطالب کی تکرار کو اس خیال سے جائز رکھا ہے کہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں ہوتا، ساتھ ہی اس پر توجہ رہی کہ جب بھی کسی سابقہ نکتہ کا اعادہ کروں تو اس میں کسی نئی مفید بات کا اضافہ بھی کروں۔

(۲) ائمہ کے مختلف مسالک کو بقدر ضرورت ان کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مسلک کو دوسرے پر ترجیح کے ساتھ بیان کیا ہے اور خدا کی قسم یہ بہت ہی عمدہ طریقہ ہے موجودہ زمانہ میں کچھ ہی حضرات اس طریق پر گامزن ہیں۔

(۳) بلاغات اور مرسل احادیث کو بالسند بیان کیا اور موقوف روایات کو مرفوع روایات سے تائید بہم پہونچائی ہے۔

---

[۱] دیکھئے: مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی۔ (ص۱۲، ۳۶)۔

(۴) صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ اربعہ مجتہدین معتبرین کے مسالک کا بکثرت ذکر کیا ہے۔

(۵) بغیر کسی مسلکی عصبیت اور جاہلی حمیت کے رواۃ کے حالات واحوال اور ان کی توثیق وتضعیف سے متعلق چیزوں کو ذکر کیا جس کے نتیجہ میں ایسی تکرار درآئی ہے جو فائدہ سے خالی نہیں اس لئے کہ اعادہ کسی اختلاف یا مزید فائدے پر مشتمل ہوتا ہے۔

(٦) میں نے موطأ کے نسخوں میں شدید اختلاف پایا ہے لہٰذا غیر جانبداری کے ساتھ صحیح اور غیر صحیح کی وضاحت کے ساتھ اختلاف بھی ذکر کیا ہے [۱]۔

(۷) میں نے ان غلطیوں پر بھی تنبیہ کی ہے جو علی قاری سے امر مقصود کی تشریح یا رواۃ کی تنقید میں صادر ہوئی ہیں کہ کہیں کوئی ایسا شخص جسے فنون سے خاطر خواہ شغف نہ ہو غلطی اور بدگمانی میں نہ پڑ جائے، علی قاری کی تحقیر اور ان کے نسیان کو واضح کرنا مقصود نہیں کیوں کہ میں خود ان کے علم کے سمندروں سے پینے والا اور ان کے فضل وکمال کا معترف ہوں [۲]۔

مندرجہ بالا معروضات سے اس کتاب کی خصوصیت اور کثرت فوائد ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شرح مفاہیم حدیث کی وضاحت، مشکل مسائل کا جواب، غریب الفاظ کا ضبط، اسماء رجال، رواۃ کے حالات اور ان کی توثیق وتضعیف سے متعلق آرا اور دیگر بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔

---

[۱] علامہ لکھنوی نے نسخہ امام محمد کا کئی نسخوں سے مقارنہ فرمایا ہے، ان میں دو مطبوعہ اور پانچ مخطوطہ ہیں، اور ایک نسخہ محدث عبدالحق دہلوی کا غور فرمودہ ہے، دیکھئے: خاتمۃ الطبع، التعلیق الممجد، (ص ۴۰۷)۔

[۲] دیکھئے: مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی۔ (ص ۱۱)۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے: یہ اس شرح میں آخری بات ہے، اور تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں بہترین توفیق سے نوازا اور درود وسلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے آل واصحابؓ پر..........الخ [۱]۔

(۶) اس کتاب سے علماء کا استفادہ اور توصیفی کلمات: اس کتاب کو علماء کے یہاں بڑی مقبولیت اور عزت حاصل ہوئی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ نے ''بذل المجهود في حل سنن أبي داود'' [۲] میں اور شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے موطأ امام مالک بروایت امام محمد کی تحقیق وتعلیق میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے [۳]، شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے علامہ لکھنوی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے حواشی اور تعلیقات عمدہ ہیں جنہیں بجا طور پر ''التعلیق الممجد'' کہا جا سکتا ہے [۴]، اسی طرح شیخ محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن شرح جامع الترمذی میں [۵]، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اوجز المسالک شرح موطأ الإمام مالک [۶] اور شیخ محمد شاذلی النیفر نے موطأ امام مالک بروایت ابن زیاد کی تحقیق تعلیق میں استفادہ کیا ہے، شاذلی نے ان الفاظ میں ''التعلیق الممجد'' کی تعریف وتوصیف کی ہے کہ ''یہ شرح دیگر شروحات کی بہ نسبت زیادہ فوائد ونکات پر مشتمل اور اہم بنیادی مسائل سے مزین ہے، اس کے

---

[۱] مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی۔ (ص ۴۰۷)۔

[۲] دیکھئے: بذل المجہود، سہارنپوری، (۱۱۲/۱، ۱۱۳)، (۱۱۰/۲)۔

[۳] دیکھئے: موطأ محمد پر شیخ عبدالوہاب کا حاشیہ، (ص ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۴ اور بعد کے صفحات)۔

[۴] مقدمہ شیخ عبدالوہاب، موطأ محمد، (ص ۲۶)۔

[۵] دیکھئے: معارف السنن، بنوری، (۱۰۹/۲، ۱۱۰، ۱۳۰)۔

[۶] دیکھئے: أوجز المسالک، شیخ زکریا کاندھلوی، (۱۳۰/۱)، (۴۰/۷، ۶۰)۔

مقدمہ میں بڑے فائدے کی باتیں ہیں'' ۱؎، شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ''کسی عالم کا کتب خانہ اس عظیم الشان کتاب سے خالی ہو یہ بڑی محرومی کی بات ہوگی'' ۲؎۔

(۸) خیر الخبر في أذان خیر البشر:

(۱) رسالہ کی طباعت: سب سے پہلے اس رسالہ کی طباعت پتھر پر چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں ہوئی پھر ۱۳۲۳ھ میں مجموعۃ الرسائل الست کے ساتھ مطبع یوسفی سے طباعت ہوئی یہ رسالہ اوسط سائز کے نو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) رسالہ کا موضوع: علامہ نے رسالہ کے موضوع کے متعلق لکھا ہے کہ ''میں نے اس رسالہ میں اس مسئلہ کو لیا ہے جس کے بارے میں اکثر سوال ہوتا ہے کہ کیا رسول پاک ﷺ نے بنفس نفیس اذان دی ہے ۳؎؟'' علامہ لکھنوی نے اس موضوع کی متعدد احادیث کو ان کے درجۂ صحت وضعف کے بیان کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور رسالہ کو مؤذن صحابہؓ کے ذکر پر ختم کیا ہے۔

(۳) رسالہ کا آغاز: بسم اللہ کے بعد اس طرح عبارت ہے: اے میرے رب میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں تو محمود ہے، تو حوض کوثر جس پر لوگ قیامت میں حاضر ہوں گے کے مالک نبی مختار پر، ان کے آل واصحاب پر جو قیامت کے دن سفارش کریں گے رحمت وسلام نازل فرما ۴؎۔

(۴) رسالہ کا خاتمہ: رسالہ کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے: اس رسالہ

۱؎ دیکھئے: مقدمہ شاذلی موطأ ابن زیاد، (ص ۷۱)۔

۲؎ مقدمہ شیخ عبدالفتاح، التعلیق الممجد، (ص ۴۳) مخطوطہ۔

۳؎ خیر الخبر في أذان خیر البشر، لکھنوی، (ص ۳۵)، (چھ رسائل کا مجموعہ)۔ ۴؎ ایضاً (۳۵)۔

کی تالیف سے ۱۹/ جمادی الثانیۃ ۱۲۸۵ھ میں فراغت حاصل ہوئی ، بہتر درود وسلام ہواس ذات اقدس پر جواس رسالہ کا موضوع گفتگو ہے[۱]۔

(۹) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل:

(۱) کتاب کا نام: علامہ لکھنوی نے کتاب کا نام " الرفع والتكميل في الجرح و التعديل" رکھا ہے[۲]۔

(۲) سبب تالیف: اس کتاب کے مقدمہ میں سبب تالیف یہ ذکر فرمایا کہ" میں نے اپنے زمانے کے بہت سے علماء وفضلاء کو دیکھا کہ وہ جرح وتعدیل کی بحث میں کسی شتر بے مہار اور بلا نوش کی طرح نظر آتے ہیں جنہوں نے ناقدین رجال کی کتابوں جیسے حافظ مزی کی تہذیب الکمال، ذہبی کی میزان الاعتدال، ابن عدی کی تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، المغنی ، الکامل اور لسان المیزان وغیرہ سے جرح و تعدیل کو نقل کرنا ایک معمولی اور آسان بات سمجھی ہے، حالانکہ وہ ائمۂ جرح وتعدیل کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں، اور جرح مبہم جرح غیر مبہم، جرح مقبول اور جرح غیر مقبول کے درمیان تمیز نہیں کرتے، اسی طرح مراتب ائمہ کے فہم اور معتدلین امت کے مقام سے نابلد ہیں تو میں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر ارادہ کیا کہ اس باب میں ایک جامع شافی وکافی رسالہ لکھوں جس میں متقدمین ومتأخرین کے فوائد ونکات کا نچوڑ اور جرح وتعدیل سے متعلق مسائل کا ذکر ہوتا کہ یہ رسالہ رہنما بن سکے"[۳]۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ لکھنوی نے یہ کتاب اس وقت لکھی

---

[۱] خیر الخبر في أذان خير البشر لکھنوی، (ص۴۳)۔

[۲] دیکھئے: الرفع والتکمیل لکھنوی، (ص۴۹)۔

[۳] ایضاً (ص۴۹، ۵۰)۔

جب اپنے زمانہ کے بہت سے علماء کو ائمۂ جرح وتعدیل کی اصطلاحات سے عدم واقفیت اور تعدیل وجرح میں تعمق ودرک نہ ہونے کے باوصف گفتگو کرتے ہوئے دیکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان علماء نے بعض ضعیف اسانید کو صحیح اور صحیح اسانید کو ضعیف قرار دیا، علامہ نے انہیں بنیاد فراہم کرنے اور سیدھی راہ دکھانے کے لئے یہ کتاب تالیف کی۔

(۳) **کتاب کا خطہ:** علامہ لکھنوی نے آغاز کتاب میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ اہم امور پر محیط ایک مقدمہ، متعدد مراصد اور کئی مقاصد پر مشتمل ہے[۱]، مقدمہ تین ایقاظات پر مشتمل ہے جن میں سامنے کی باتیں مذکور ہیں پھر اسباب جرح کی توضیح کے ساتھ مشروعیت جرح کا ذکر ہے، پھر دلائل سے ثابت کیا کہ جرح ایک لابدی شرعی ضرورت ہے نیز جارح ومعدِّل کے یہاں مطلوبہ شرائط وآداب کا ذکر کیا اور چار مراصد بیان کیے ہیں، مرصد اول میں مقبول وغیر مقبول، مفسر مبہم جرح وتعدیل کی تفصیل ہے، مقبول جرح کے سلسلہ میں متعدد اقوال ذکر کرکے تفصیلی گفتگو کی ہے، مرصد ثانی میں جرح وتعدیل کی تقدیم وتعارض کا مسئلہ ہے۔

مرصد ثالث میں الفاظ جرح وتعدیل اور ناقدین ومحدثین کے یہاں اس کے مقام ومرتبہ کی وضاحت ہے، مرصد رابع میں کتب رجال اور اصطلاحات حدیث سے متعلق اہم فوائد آ گئے ہیں، رجال کو انھوں نے ۲۱/ایقاظات پر مشتمل فرمایا ہے، الغرض یہ کتاب نہایت اہم حدیثی فوائد پر مشتمل ہے جن سے کوئی محقق عالم بے نیاز نہیں ہوسکتا، یہ کتاب ہر شخص کی علمی تشنگی دور کرتی ہے یہ فائدہ بھی کم نہیں اور شاید یہ امر

---

[۱] دیکھئے: الرفع والتکمیل لکھنوی، (ص ۱۵)۔

اہم ترین فوائد میں شمار کیا جائے کہ علامہ لکھنوی نے کتاب کے حاشیہ میں بعض مصنفات اوران کے مصنفین پر روشنی ڈالی ہے۔

(۴) **طباعت:** یہ کتاب مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۱ھ میں چھپی پھر مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۳۰۹ھ میں چھپی، دونوں ایڈیشنوں میں یہ کتاب فل سائز کے ۳۰؍صفحات پر مشتمل تھی پھر عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۳۸۳ھ میں حلب سے چھپی، بعد میں محقق کے معمولی اضافہ کے ساتھ بیروت میں ۱۳۸۸ھ میں دوبارہ طباعت ہوئی پھر سابقہ اضافوں پر محقق کے مزید اضافوں کے ساتھ دارالبشائر الإ سلامیۃ بیروت سے ۱۴۰۸ھ میں طبع ہوئی، یہ ایڈیشن دقیق علمی تحقیق، اہم اضافوں اور محقق کے ابحاث کی وجہ سے خصوصی امتیاز رکھتا ہے، محقق نے ان ابحاث میں تفصیلی گفتگو کی ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر وہ اس کو علاحدہ شائع کرتے تو ایک مستقل کتاب ہو جاتی۔

(۵) **اس کتاب کی اہمیت:** یہ کتاب علم جرح وتعدیل کے اہم جامع مراجع میں شمار ہوتی ہے، یہ علامہ کا ایک شاہکار ہے جس میں انہوں نے کتب اصول حدیث اور کتب رجال وغیرہ میں بکھرے مباحث جرح وتعدیل کو جمع فرما دیا ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ علامہ کو اس طرز پر ان مباحث کو جمع کرنے میں سبقت وتقدم حاصل ہے تو حقیقت سے تجاوز نہ ہوگا، کیوں کہ میں نے یہ طرز سابقہ کسی کتاب میں نہ پایا۔

شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں: ’’یہ اپنے موضوع کی سب سے پہلی کتاب ہے، علوم حدیث کے مؤلفین اور ناقدین وحفاظ ہر زمانے میں رہے ہیں لیکن اس موضوع پر کسی نے نہیں لکھا‘‘ [1]۔

---

[1] مقدمہ سباحۃ الفکر في الجھر بالذکر، لکھنوی، شیخ عبدالفتاح، (ص۵)۔

ڈاکٹر نورالدین عتر نے اپنی کتاب "منهج النقد في علوم الحديث" میں اسے جرح وتعدیل کا اہم ترین مصدر قرار دیتے ہوئے لکھا کہ "یہ نہایت مفید، نفیس واعلیٰ کتاب ہے"[۱]۔

علامہ کے بعد آنے والے علماء میں علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے "قواعد في علوم الحديث"، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے "بحوث في تاريخ السنة المشرقة[۲]" میں اور دیگر علماء و مصنفین نے مختلف کتب میں اس کتاب پر بہت اعتماد کیا ہے، شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ تھانویؒ نے اپنی کتاب "إنهاء السكن" [۳] میں "الرفع والتكميل" سے بہت استفادہ کیا ہے، مختلف چیزیں لی ہیں اور خود مختلف علوم کا اس میں اضافہ فرمایا ہے اس طرح شیخ کی کتاب علامہ لکھنوی کی کوششوں کی مکمِّل قرار پاتی ہے[۴]۔

(۱۰) زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس:

(۱) **طباعت:** یہ رسالہ پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں بڑے سائز کے بارہ صفحات پر شائع ہوا، پھر مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۲۷ھ میں دوبارہ طباعت ہوئی۔

(۲) **ابتدائیہ:** بسملہ کے بعد اس طرح ابتداء ہوتی ہے: "میں اس ذات کی تعریف بیان کرتا ہوں جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو سات طبقات پر تقسیم

---

[۱] منهج النقد في علوم الحديث، ڈاکٹر نورالدین عتر، (ص ۱۱۵)۔

[۲] دیکھئے: بحوث في تاريخ السنة المشرقة، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، (ص ۸۵، ۸۷، ۱۰۷، ۱۱۱ وغیرہ)۔

[۳] علامہ ظفر احمد تھانوی نے اپنی کتاب "إعلاء السنن" کا مقدمہ "إنهاء السكن" کے نام سے لکھا ہے جب شیخ عبدالفتاح نے اس مقدمہ کی تحقیق کی تو مؤلف کی اجازت سے اس کا نام بدل کر "قواعد في علوم الحديث" رکھ دیا۔

[۴] مقدمہ الرفع والتکمیل، شیخ عبدالفتاح، (ص ۱۰)۔

فرمایااوراس ذات کاشکراداکرتاہوں جس نے انہیں جن وانس وملک اور دیگرمخلوقات کامسکن بنایا، گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں............ ۱؎۔الخ

(۳) **خاتمہ:** رسالہ کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ اس موقع کی آخری بات ہے۔رسالہ کی تکمیل منگل کے روز ۲۹/ذی القعدہ ۱۲۹۲ھ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

(۴) **رسالہ کا موضوع:** بیان کرتے ہوئے علامہ نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر ہے جو ارشاد باری: "اللّٰه الذی خلق سبع سمٰواتٍ و من الأرض مثلهن" ۲؎ کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ سات زمینیں ہیں ہر زمین کا تمہارے نبیؐ کی طرح ایک نبیؐ ہے تمہارے آدمؑ کی طرح آدمؑ ،اور نوحؑ کی طرح نوحؑ ، ابراہیمؑ کی طرح ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ کی طرح عیسیٰؑ ہے، حضرت ابن عباسؓ کے اسی اثر کی تحقیق میں یہ مفید رسالہ تحریر میں لایا گیا، جس کا نام "زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس" رکھا ہے، میں نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہِ اعتدال پر چلنے کی کوشش کی ہے ۳؎۔

(۱۱) شرح الحصن الحصین:

کتاب کا وصف: علامہ نے بغیر کسی تمہید کے "الحصن الحصین" ۴؎ کی شرح لکھنی شروع کر دی ہے اور شرح کا سبب بیان نہیں فرمایا، جیسا کہ چھوٹی بڑی تمام

۱؎ زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس ،لکھنوی، (ص ۴۷) (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

۲؎ سورہ طلاق، آیت نمبر ۱۲۔

۳؎ زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس ،لکھنوی، (ص ۴۷) (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

۴؎ "الحصن الحصین" امام حافظ قاری شمس الدین، ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف دمشقی شافعی، ولادت ۷۵۱ھ دمشق، وفات ۸۳۳ھ رحمۃ اللہ کی تالیف ہے۔

کتابوں اور رسائل میں آپ کا معمول ہے، خاتمہ میں امام ابن الجزری کا مختصر تعارف اور شروحات ومصادر کا ذکر ہے جنہیں مرجع بنایا ہے، الحصن الحصین [۱] کے ساتھ یہ شرح فُل سائز کے ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) **طباعت:** پتھر پر مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے ۱۲۷۸ھ میں طبع ہوئی پھر اسی مطبع سے ۱۳۰۶ھ میں دوبارہ طبع ہوئی، علامہ لکھنوی نے اس شرح میں مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں پر خاص توجہ دی ہے۔

(۱) لغوی وشرعی پہلوؤں سے الفاظ کی تشریح اور معانی کی توضیح۔

(۲) دیگر نسخوں سے مقارنہ وموازنہ۔

(۳) حسب ضرورت مصادر کی طرف احادیث کی نسبت۔

(۴) الفاظ حدیث سے متعلق بعض اشکالات کا ازالہ۔

(۵) سابق شارحین وعلماء کے کلام سے استفادہ۔

اس شرح کا مطالعہ کریں تو یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علامہ نے ملا علی قاری کی شرح پر بہت اعتماد کیا ہے اور ان کی شرح سے بکثرت عبارات نقل کی ہیں، علمی امانت کا خیال رکھتے ہوئے اس کی نسبت ان کی ہی طرف کی ہے اسی طرح یہ بھی

---

[۱] علماء کی ایک بڑی تعداد نے "الحصن الحصین" کی شرح لکھی اور احادیث کی تخریج کی ہے، خود مؤلف کتاب ابن الجزری کی شرح "مفتاح الحصن الحصین" ہے، ان کی دو اور مختصر شروحات "عدة الحصن" اور "الجنة" کے نام سے بھی ہیں (۲) شرح ملا علی قاری "الحِرز الثمین للحصن الحصین" یہ شرح لکھنؤ میں ۱۸۳۷ء میں طبع ہوئی۔ (۳) "عدة الحصن" کی شرح علامہ شوکانی کی "تحفة الذاكرين في شرح عدة الحصن الحصين"، (۴) فارسی زبان میں فخر الدین بن محب اللہ حنفی کی شرح جو "الحرز الثمین" کے ساتھ ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے چھپی ہے، (۵) علامہ عبد الحی لکھنویؒ کی شرح جس کے بارے میں ہم نے اختصار سے گفتگو کی ہے۔

ظاہر ہے کہ علامہ لکھنوی کی یہ شرح ان اضافوں کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتی ہے جو سابقہ شروح میں نہیں ملتے۔

(۱۲) ظفر الأماني في مختصر الجرجاني:

(۱) **نام:** اس کتاب کا نام علامہ نے ”ظفر الأماني في مختصر الجرجاني“ [۱] رکھا، ”عمدة الرعاية“ کے مقدمہ میں ”ظفرالأماني بشرح المختصر المنسوب إلى الجرجاني“ ذکر کیا ہے [۲]، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی [۳] اور علامہ کے شاگرد محمد عبدالباقی لکھنوی [۴] نے بھی یہی نام لیا ہے۔

(۲) **طباعت:** مؤلف کی وفات کے بعد یہ کتاب مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی، مؤلف کے دست مبارک سے لکھا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں ۲۴۸/۱۰۷ نمبر سے موجود ہے جوفل سائز کے ۲۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۴۰۴ھ میں دارالقلم دبئ سے والد محترم پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی استاذ علوم حدیث جامعۃ الامارات کی تحقیق سے آراستہ ہوکر چھپی ہے، اللہ تعالی انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو مفید بنائے۔

(۳) **سبب تالیف:** مقدمہ میں علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ اصول حدیث میں جو مختصر کتابیں لکھی گئیں ان میں مولانا سید علی الشریف جرجانی کی مختصر سب سے عظیم الشان ہے، علامہ جرجانی فاضل باکمال، عالم جلیل، معقولات ومنقولات پر یکساں

---

[۱] ظفر الأماني لکھنوی (ص۲)، جرجانی سے مراد سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ ہیں، ان کے حالات زندگی ”الضوء اللامع“ سخاوی، (۳۲۸/۳)، ”بغیة الوعاة“ سیوطی، (ص۳۵۱) میں ملاحظہ کیجئے۔

[۲] مقدمہ عمدة الرعاية، لکھنوی، (ص۳۰)۔

[۳] نزهة الخواطر، (۲۲۸/۸)۔

[۴] حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص۳۸)۔

قادر، فروع واصول کے امام اور علماء زمانہ کے میر تھے آپ کی شہرت دوپہر کے سورج کی طرح درخشاں تھی، دوردور کے ملکوں میں آپ کا طوطی بولتا تھا، موجودہ زمانہ میں میں نے علماء کو اس کے درس وتدریس میں مشغول دیکھا لیکن اس کی کوئی ایسی شرح نہیں جو مشکل مقامات کا حل پیش کرے کچھ تلامذہ مجھ سے یہ کتاب پڑھتے تھے، یہیں سے اللہ پاک نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس کی کافی وشافی شرح لکھوں [۱]۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: میں نے علامہ سے سنا کہ ابن حجر کی کتاب نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر بہت مختصر ہے جس میں ضروری تفصیل اور لابدی تحقیق سے بھی گریز کیا گیا ہے جس سے طالب علم کما حقہ مستفید نہیں ہوسکتا لہٰذا جب میری کتاب ظفر الأمانی طبع ہوجائے گی تو میں شرح نخبۃ کی جگہ اسے شامل تدریس کروں گا لیکن اس سے پہلے وہ انتقال فرما گئے [۲]۔

سابقہ حوالہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس کی تالیف کے دو بنیادی سبب رہے ہیں، (۱) مختصر الجرجانی کے مشکل مقامات کے حل کی شدید ضرورت، (۲) ابن حجر عسقلانی کی نزہۃ النظر جو اصول حدیث کی مشہور واہم ترین کتاب شمار ہوتی ہے اور جسے ہر زمانہ میں علماء نے سند قبولیت دی ہے اس قدر مختصر ہے کہ تشنگی فرو نہیں ہوتی، لہٰذا علامہ لکھنوی نے جرجانی کی شرح لکھی جو نہ اس قدر طویل ہے کہ اکتاہٹ ہو اور نہ اس قدر مختصر کہ معنی ومطلب بھی ادا نہ ہوتا ہو نیز اصول حدیث کی عمدہ تحقیقات اور اعلی فوائد ونکات پر مشتمل بھی ہے۔

---

[۱] ظفر الأماني لکھنوی (ص۲)۔

[۲] حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص۳۹)۔

☆ اصول فقہ

(۱۳) حاشیة علی التوضیح و التلویح: صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود متوفی ۷۴۷ھ نے اصول فقہ میں ''تنقیح الأصول'' کے نام سے ایک کتاب لکھی پھر "التوضیح في حل غوامض التنقیح" کے نام سے اس کی شرح لکھی[۱] ان کے بعد مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ نے التوضیح کی شرح لکھی جس کا نام ''التلویح'' رکھا[۲] علامہ لکھنوی نے ''التلویح'' پر مفید حاشیہ لکھا، ''النافع الکبیر'' میں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے[۳] اور شیخ محمد عبدالباقی نے ''حسرة الفحول'' میں اس کا نام لیا ہے[۴]۔

☆ فقہ

(۱۴) آثار النفائس في أداء الأذکار بلسان الفارس:

بسم اللہ کے بعد اس طرح شروع فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا، اس کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اس کی شان کس قدر بلند ہے، ہر دن اس کا ایک عظیم الشان معاملہ ہے میں دل کی گہرائیوں اور زبان کے اخلاص کے ساتھ اس کی نا ختم ہونے والی تعریف کرتا ہوں .... الخ۔

بسملہ اور حمد کے بعد اس رسالے کا موضوع ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے: یہ رسالہ فقہی کتابوں میں بکھرے ہوئے زبان فارسی میں متعلق مسائل پر مشتمل اور

---

[۱] دیکھئے: الفوائد البهية في تراجم الحنفية لکھنوی، (ص۱۰۹)۔ [۲] ایضاً (ص۱۳۵)۔

[۳] دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی، (ص۱۵۳)۔

[۴] دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص۴۱)۔

مقاصد کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والی عبارتوں اور اصول ومبادی کی تحقیق کو محیط، مفتیان کرام کے لئے نافع ہے[۱]۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ میں اذان، اقامت، تکبیر اور نماز میں قرأت قرآن اور بہت سے دیگر مسائل کو پیش کیا ہے، جیسے یہ مسئلہ کہ اگر امی فاتحہ یا کسی اور قرآنی سورت کو فارسی میں پڑھے تو کیا وہ امی ہوگا یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ کہ اگر امام جنازے کی نماز میں فارسی میں دعا کرے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور فارسی میں تشہد، نماز میں دعا، نماز سے نکلنے کے لئے لفظِ سلام اور غیر عربی زبان میں دعائے قنوت کے مسائل، اسی طرح آغازِ نماز کی تکبیر، تشہد، رکوع وسجود میں دعا وتسبیح اور نماز میں قرآن پڑھنا اور دیگر نماز سے متعلقہ مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح علامہ نے کچھ دوسرے مسائل بھی بیان کئے ہیں جیسے فارسی زبان میں جمعہ کا خطبہ، قرآن پڑھنا، ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا اور ایمان لانا اور حج کے مسائل جیسے فارسی زبان میں نیت اور تسبیح وتہلیل وغیرہ۔

علامہ لکھنوی نے ان تمام مسائل پر یکے بعد دیگرے کبھی اختصار اور کبھی دلائل کے ذکر اور ان پر بحث کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

آپ اس رسالے کی تالیف سے سنیچر کے روز ۲۷/ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

علامہ کے شاگرد عبدالباری رسالے کے آخر میں لکھتے ہیں: ''یہ رسالہ عجیب و غریب ہے الفاظ کم اور معانی زیادہ، ایسی نادر تحقیقات سمیٹے ہوئے جو بڑی بڑی

---

[۱] آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)، (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

کتابوں اور دفاتر کے ڈھیر میں بھی نہیں'' [۱]۔

مولوی محمد عبدالباقی لکھنوی نے لکھا ہے کہ علامہ نے اس رسالے میں اذان، اقامت، اذان کا جواب، نماز، سجدۂ تلاوت، غیر متطہر کے لئے فارسی میں لکھے ہوئے قرآن کا پڑھنا، قرآن کو فارسی میں لکھنا اور حج وایمان سے متعلق بہت سے مسائل تفصیل، تحقیق، تنقیح اور تدقیق کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مصطفائی سے پانچ رسالوں کے مجموعہ کے ساتھ ۲۶/صفحات کی ضخامت پر بڑے سائز میں طبع ہوا، علامہ نے اس کے حاشیہ میں بعض مبہم اسماء کی وضاحت بھی کی ہے [۲]۔

(۱۵) أحكام القنطرة في أحكام البسملة:

بسملہ کے بعد اس کتاب کی شروعات اس طرح ہے: تمام تعریف اس ذات کے لئے جس کا نام ہر کتاب کی شاہِ کلید ہے اور درود اس رسولؐ پر جو حساب کے دن امت کی سفارش کرے گا اور درود وسلام اس کے آل واصحابؓ پر۔

بسملہ اور حمد کے بعد علامہ نے رسالے کا موضوع اور خطہ بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ جلدی میں لکھا گیا ایک رسالہ ہے جسے میں نے ایک مقدمہ اور دو باب پر مرتب کیا ہے، مقدمہ میں بسملہ کی لغوی تحقیق اور اس کے فضائل کا بیان ہے، باب اول میں بسم اللہ کے قرآن سے ہونے کے مسئلے میں علماء کا اختلاف اور باب دوم میں بسم اللہ سے متعلق احکام خاص طور سے وضو اور نماز کے مسئلے کو بیان کر کے علماء کے مسالک کو نقل کیا ہے اور اقوال علماء کو بحث کا موضوع بناتے ہوئے قول راجح کی تعیین ہے۔

---

[۱] آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص۷۳)۔ [۲] حسرۃ الفحول (ص۳۸)

[۲] ہندوستان میں طبع ہونے والی آپ کی تمام تالیفات اور رسائل خط فارسی میں پتھر پر طبع ہوئے ہیں۔

بلا شبہ علامہ لکھنوی نے نماز میں بسم اللہ کے مسئلہ پر عمدہ کلام کیا ہے متعلقہ احادیث وآثار بیان کئے ہیں، حیدرآباد میں ۱۲۸۶ھ میں آپ نے اس رسالہ کو مکمل کیا۔

آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ یہ رسالہ مطبع یوسفی سے طبع ہوا پھر ۱۳۰۵ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے چھپا، کل ضخامت ۶۳ رصفحات ہے۔

(۱۶) إفادة الخير في الاستياك بسواك الغير:

بسم اللہ سے ابتدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں خدائے بزرگ وبرتر کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے رسولوں کے طریقوں کی طرف ہماری رہنمائی کی اور آقا و سردار افضل الرسل محمد ﷺ اور ان کے تمام آل واصحاب کی خدمت میں نذرانۂ درودو سلام پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ اور حمد کے بعد رسالے کا سببِ تالیف اور موضوع ذکر کیا، فرماتے ہیں:

''کئی مرتبہ مجھ سے دوسرے کی مسواک استعمال کرنے کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ پوچھا گیا میں نے احادیث صحیحہ میں اس کے ثبوت کے بنا پر جواز کا جواب دیا پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس مسئلہ میں وارد احادیث اور منقول آثار جمع کردوں''[۱]۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ میں اپنے معمول کے مطابق متعلقہ احادیث و آثار، اقوال وفتاویٰ علماء کو جمع کیا ہے، پھر جواز کے قول کو راجح قرار دیا ہے، علامہ نے ایک ہی نشست میں جمعرات کے دن ماہ ذی القعدہ ۱۲۸۶ھ میں اس رسالہ کو مکمل کیا، یہ رسالہ جو تین صفحات پر مشتمل تھا آٹھوں رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمۂ فیض سے چھپا ہے۔

---

[۱] إفادة الخير في الاستياك بسواك الغير، لکھنوی، (ص۱۲) (آٹھ رسائل کا مجموعہ)۔

(۱۷) الإفصاح عن شهادة المرأة في الإرضاع:

بسم اللہ کے بعد اس رسالہ کی شروعات اس طرح ہوئی ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے علماء کو انبیاء کا وارث بنایا اور سید الأصفیاء آقا وسردار محمدؐ اور آپؐ کے آل واصحابؓ پر اور صلحائے امت پر درود وسلام ہو۔

حمد وبسملہ کے بعد تالیف کا سبب لکھا ہے کہ ”میں نے اس رسالہ کو اس وقت ترتیب دیا جب میرے سامنے یہ[1] مسئلہ آیا کہ ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب اس نے پیغام بھیجا تو لڑکی کی ماں نے کہا میں نے اس آدمی کو دودھ پلایا ہے حالانکہ وہ آدمی منکر ہے اور عورت کے پاس مرد وعورت میں سے کوئی گواہ بھی نہیں تو اس عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں“؟ علامہ لکھنوی نے اس سوال کا نہ صرف جواب دیا ہے بلکہ مسئلۂ رضاعت کے دیگر متعلقات کا بھی ذکر کیا ہے، رسالہ کو دو فصلوں پر منقسم کیا، فصل اول میں عقد نکاح کے بعد شوہر اور بیوی کی رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول نہ ہونے کے مسئلے اور اس کے متعلقات پر گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ کے اثبات میں بشمول اقوالِ علماء اور نصوصِ فقہیہ بہت سی احادیث وآثار بیان فرمائے ہیں۔

فصل ثانی میں عقد نکاح سے پہلے بابِ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول نہ ہونے کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی فقہی نصوص پیش کر کے اس کو موضوع بحث بنایا ہے، اس کتاب سے بروز بدھ ۹ رشوال ۱۲۸۶ھ کو فارغ ہوئے، سات رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے یہ

---

[1] حیدرآباد میں دکن کے بعض علماء سے آپ کا اس مسئلہ پر علمی مباحثہ ہوا تھا، دیکھئے رسالہ مذکور کا حاشیہ خاتمۃ الطبع، (ص ۲۲)۔

رسالہ طبع ہوا۔

(۱۸) إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، معروف بہ: نصرة العابدين بدفع طعن الخامدين:

بسم اللہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اعلیٰ مبارک شکرگزاروں کی تعریف کی طرح اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔

حمد وثناء کے بعد علامہ نے رسالہ کی تالیف کا سبب لکھا کہ ''میں اسماء رجال کی کتابوں اور مناقب ارباب کمال کے دفاتر میں مشغول تھا اس طرح میں سلف کے مجاہدوں سے واقف ہوا جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ عبادت وریاضت میں صرف کیا اور متأخرین کے شوق عبادت سے مطلع ہوا جنہوں نے حسنیٰ اور خدا کا مزید فضل حاصل کرنے کیلئے بے پناہ خدمت کی، میں سمجھتا تھا کہ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر جنت وسعادت کے اعلیٰ مقام تک پہونچا جا سکتا ہے، پھر میرے علم میں وہ اخبار وآثار آئے جن میں عبادت وریاضت میں غلو اختیار کرنے کی ممانعت آئی ہے تو مجھے خلجان ہوا کہ ان اکابر کے مجاہدوں اور احادیث کے درمیان کیا تطبیق ہوگی؟ لہٰذا میں نے مجالسِ تذکیر ووعظ میں اس حق کو پایۂ ثبوت تک پہونچایا جو بہتر اور متوسط تھا'' [۱]۔

آگے علامہ نے خطبہ ذکر کیا جو دو اصل، دو مقصد اور خاتمہ کو شامل ہے، اصل اول میں یہ ذکر ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے افعال، اسی طرح وہ افعال جو کسی نکیر کے بغیر ان کے زمانے میں انجام دیئے گئے، بدعت نہیں ہیں، اور اصلِ ثانی

---

[۱] إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، لکھنوی، (ص ۳۰۲)۔

میں علامہ نے ان عباد وزہاد واولیاء وصلحاء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے عبادت وطاعت میں اپنی زندگیاں صرف کردیں، جہاں تک مقصد اول کا ذکر ہے تو اس میں اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے کہ عبادت میں طاقت بھر صلاحیتوں کو صرف کرنا بدعت وگمراہی نہیں اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے افعال سے دلیل دی ہے، مقصد ثانی میں کثرت عبادت سے ممانعت کی حدیث ذکر کر کے اس کا جواب دیا اور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ پوری رات نمازیں پڑھنا اور ایک دن اور رات میں ایک یا کئی قرآن ختم کرنا، ہزار رکعت یا اس سے زیادہ نماز پڑھنا اور اس جیسے مجاہدے اور ریاضتیں نہ بدعت ہیں اور نہ شریعت میں ممنوع بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ مرغوب ومطلوب ہیں[۱]۔

رسالہ کے آخر میں درج ہے کہ علامہ ۲۰/ربیع الثانی بروز جمعہ ۱۲۹۱ھ کو اس رسالہ کی تالیف سے فارغ ہوئے، یہ رسالہ ''تحفۃ الطلبہ'' کے مجموعے کے ضمن میں مؤلف کی زندگی ہی میں ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا، پھر ۱۳۰۷ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھپا اور ۱۳۸۶ھ میں استاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے ساتھ حلب میں چھپا۔

(۱۹) إمام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الإمام:

بسملہ اور حمد باری کے بعد علامہ نے صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کا شرعی امور میں اختلاف کا سبب اور اس اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے، پھر عہدِ صحابۂ کرام سے اپنے زمانے تک گزرے علماء کا ذکر کرنے کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ شرعی امور میں اختلاف کے تعلق سے علماء اور عوام الناس کا کیا موقف رہا ہے۔

مقدمہ میں کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب

---

[۱] حسرة الفحول، (ص۳۴)، إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، لكھنوی، (ص۱۴۷)۔

کی تالیف کا محرک وہ خطوط بنے جو اس موضوع کے سلسلہ میں میرے احباب نے مجھے لکھے کہ میں حق کو واضح کروں [۱]۔

مذکورہ کتاب کو علامہ نے تین ابواب اور خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، باب اول میں صحابہؓ اور بعد کے علماء کا اختلاف ذکر کیا اور باب ثانی میں کتاب وسنت، اجماع وقیاس سے احناف، شوافع اور مالکیہ کے استدلالات بیان کئے اور باب ثالث میں بحث وتحقیق کا خلاصہ اور نتیجہ ذکر کر کے مقتدی پر مطلق قراءت کی عدم فرضیت اور سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا استحباب ومسنونیت ثابت کی، یہی احناف ومالکیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے، دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو مسلکِ احناف کا یہ ضعیف قول راجح قرار پاتا ہے [۲]، خاتمہ میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ کو بھی بیان کیا ہے۔

۲۰ / ربیع الاول ۱۲۹۴ھ میں اس تالیف سے فارغ ہوئے [۳]، مطبع مصطفائی میں یہ کتاب طبع ہوئی، پھر ۱۳۰۴ھ میں علامہ کی تعلیق ''**غیث الغمام**'' کے ساتھ اوسط سائز کے دوسو چالیس صفحات پر مطبع علوی سے چھپی، عصر حاضر میں یعنی ۱۴۱۱ھ میں عثمان جمعہ ضمیریہ کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی، لیکن اس کے ساتھ مفید حاشیہ ''غیث الغمام'' شامل نہ تھا بلکہ اس کے کچھ اجزاء کا انتخاب تھا، حالانکہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ مکمل حاشیہ کے ساتھ کتاب کی طباعت ہوتی، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی علم دوست کو نئے سرے سے طباعت کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[۱] دیکھئے: امام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الإمام لکھنوی، (ص۳۶)۔

[۲] دیکھئے: حسرۃ الفحول، محمد عبد الباقی لکھنوی، (ص۱۰)۔

[۳] امام الکلام لکھنوی، (ص۲۳۹)۔

(۲۰) الإنصاف في حكم الاعتكاف: بسم اللہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: اے وہ ذات جو تمام اوصاف حمیدہ کی جامع ہے تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا کے کسی کونے اور گوشے میں تیرا شریک نہیں...... الخ۔

علامہ نے سبب تالیف ذکر فرمایا کہ بعض فضلاء سے ۱۲۸۲ھ میں اس مسئلہ میں میرا مباحثہ ہوا[۱] کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا سنت مؤکدہ علی العین؟ اور پہلے قول کے مطابق آیا وہ نماز جنازہ کی طرح اہل شہر کے حق میں سنت کفایہ ہے یا جماعت تراویح کی طرح ہر محلے والوں پر سنت کفایہ ہے؟ اس موضوع میں جس کے جو سمجھ میں آیا کتب فقہ سے مراجعت کئے بغیر اس نے اپنی بات کہی میں نے مقصود کے اثبات اور ایضاح حقیقت کے لئے قلم اٹھایا[۲]۔

مولوی محمد عبدالباقی نے لکھا ہے کہ علامہ نے اس کتاب میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اعتکاف نذر مان لینے اور شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے اور رمضان کے آخری عشرہ میں تمام شہریوں کے ذمہ اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے اور دوسرے دنوں میں مستحب[۳]۔

اس مفید مختصر رسالہ کی تالیف سے ۹ر رمضان المبارک بروز یکشنبہ ۱۲۸۴ھ کو فارغ ہوئے۔

---

[۱] یہ اختلاف قیام حیدرآباد دکن کے زمانہ میں مشافہۃً ہوا، دیکھئے: الإسعاف بتحشية الإنصاف، رمضانپوری، (ص ۸۶)۔ [۲] دیکھئے: الإنصاف في حكم الاعتكاف، لکھنوی، (ص ۸۵)۔
[۳] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۳)۔

اس کا حاشیہ مولوی محمد عبد الغفور رمضان پوری نے "الإسعاف بتحشية الإنصاف" کے نام سے لکھا ہے، مولوی نے رسالہ کی مغلق ومبہم جگہوں پر عمدہ حاشیہ لکھا ہے اور رسالہ میں مذکور رجال وروات کے احوال بیان کئے ہیں۔

بڑے سائز کے سات صفحات پر مشتمل یہ مختصر سا رسالہ پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں چھپا، عمر رضا کحالہ نے علامہ کے والد کی مؤلفات کے ضمن میں اس کا ذکر کر کے غلطی کی ہے[۱]۔

(۲۱) تحفة الأخيار في إحياء سنة سيد الأبرار:

مشہور نام "إحياء السنه فيما يتعلق بالسنة" ہے: بسملہ کے بعد اس طرح عبارت ہے: میں اپنے مالک ومولیٰ اللہ کی اس انعام پر تعریف بیان کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ قادر مطلق ہے............ الخ، پھر رسالہ کا موضوع اور خطہ ذکر کیا ہے جسے تین اصل اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، اصل اول میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو صحابہ خصوصاً خلفائے اربعہ کی روش اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، اصل دوم میں سنت مؤکدہ اور سنت مطلقہ کی تعریف میں فقہا اور علماء اصول کی عبارتیں اپنے تبصرہ کے ساتھ ذکر کی ہیں اور اصلِ سوم میں سنت مؤکدہ کے عمل اور ترک کا حکم بیان کیا ہے۔

خاتمہ میں نماز تراویح کا حکم، متعلقہ مسائل اور احادیث وآثار لائے ہیں، مزید اس سلسلہ میں علماء کے اقوال کو موضوعِ بحث بنا کر قول راجح متعین کیا ہے۔

مولوی محمد عبد الباقی لکھنوی کہتے ہیں کہ علامہ نے اس کتاب میں مولوی محمد

---

[۱] معجم المؤلفين، عمر رضا کحالہ، (۱۲/۱۲۹)۔

بشیر سہسوانی کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اس سے زائد مستحب ہے اور آٹھ رکعت سے زائد کی مسنونیت کا قائل شیطان اور خواہش نفس کا متبع ہے جس کی گمراہی میں کوئی شک نہیں [۱]۔

علامہ اس رسالہ کی تالیف سے جمعرات کی شب ۲۸/ذی القعدہ ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع یوسفی سے چھپا پھر ۵۳/ صفحات کی ضخامت پر ۱۳۰۵ھ میں مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا، اخیر میں شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے مزین ہوکر ۱۴۱۲ھ میں دار القلم بیروت سے اس کا انتہائی نفیس عمدہ ایڈیشن شائع ہوا۔

(۲۲) تحفة الثقات في تفاضل اللغات:

علامہ نے یہی نام "آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس" [۲] میں ذکر کیا ہے "النافع الكبير" میں اس کتاب کا نام "رسالة في تفاضل اللغات بعضها على بعض" لکھا ہے [۳]۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی کا ارادہ مختلف زبانوں عربی، سریانی، عبرانی، فارسی، ہندی کی آپسی نسبت، ان زبانوں کی تاریخ، ایک کی دوسرے پر افضلیت نیز ان زبانوں کی مدح و مذمت کے سلسلے میں وارد احادیث وآثار کو جمع کرنا تھا [۴] لیکن افسوس یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی علامہ کے شاگرد حفیظ اللہ بندوی نے لکھا ہے [۵]

---

[۱] حسرة الفحول، محمد عبد الباقی لکھنوی، (ص ۴۰)۔

[۲] دیکھئے: آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)۔

[۳] النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔ [۳] دیکھئے: آكام النفائس، (ص ۴۸، ۵۵)۔

[۴] کنز البرکات، بندوی (ص ۲۲)

مجھے اس کتاب کا کوئی نسخہ حاصل نہ ہو سکا۔

علامہ لکھنوی نے شرح حصن حصین میں اس موضوع کی ایک دوسری کتاب جس کا نام ”الإعلان بأسرار اللسان“ ہے ذکر کیا ہے ممکن ہے یہ دونوں کتابیں ایک ہوں، کیونکہ بہت سی کتابوں کی ابتدائے تالیف میں ایک متعین نام کا فیصلہ نہیں کیا جا سکا، ابتدا میں وہ کسی نام کا انتخاب کرتے ہیں پھر تکمیل کے بعد نام بدل کر دوسرا نام تجویز فرماتے ہیں، جس سے ایک کتاب کے کئی نام ہو جاتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شرح حصن حصین ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی اور ”آکام النفائس“ کی تالیف سے ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یقینی طور پر یہی وہ کتاب ہے جسے علامہ لکھنوی نے ”آکام النفائس“ یا ”تحفة الثقات“ کے نام سے تالیف کیا تھا۔

(۲۳) تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة:

آغاز اس طرح ہے: تمام تعریف اس آقا کے لئے ہے جو تمام گردنوں کا مالک ہے اور درود اس کے رسول ﷺ پر جو احکام کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اس کے آل ؓ و اصحاب ؓ پر جو رہنما اور رہبر ہیں۔

سبب تالیف یہ لکھا ہے کہ مجھ سے وضو میں گردن کے مسح کا مسئلہ دریافت کیا گیا آیا گردن کا مسح سنت ہے یا مستحب یا بدعت؟ اور کیا اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح یا صریح اثر ہے یا یہ بدعتِ محض ہے؟ جس کی شرعِ مبین میں کوئی اصل نہیں، لہٰذا میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا [1]۔

---

[1] تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة لکھنوی، (ص ۵۵)، (مجموعہ تحفۃ الطلبہ)۔

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول میں مسح رقبہ کی احادیث درجۂ صحت و ضعف کی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں اور فصل دوم میں مختلف اقوال اور متعلقات پیش کیے ہیں۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس رسالہ میں ضعیف الاسناد احادیث ہیں، علامہ نے ان احادیث سے استدلال کر کے مسح رقبہ کے استحباب میں اقوال فقہاء نقل کیے ہیں کیونکہ احادیث ضعیفہ اثبات فضیلت کے لئے کافی ہیں، علامہ نے آخر میں لکھا ہے کہ مجھے مسح رقبہ کی کیفیت پر کوئی صریح حدیث نہیں ملی سوائے اس کے کہ ابوداود[1] کی روایت سے سر کے مسح کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو سر کے پچھلے حصے کی طرف لے جانا مستفاد ہوتا ہے[2]۔

علامہ لکھنوی نے یہ رسالہ ایک ہی نشست میں بدھ کے روز ۹/رجب ۱۲۸۷ھ میں لکھا، ۹/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ سب سے پہلے مطبع مصطفائی پھر ۱۳۰۷ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپا۔

(۲۴) تحفة الكملة على حواشي تحفة الطلبة:

یہ رسالہ "تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة" کے متعلق تعلیقات پر مشتمل ہے، علامہ نے اس میں بعض مسائل، نام اور احادیث کا اضافہ تو کیا ہی ہے اس کے مشکل مقامات کی مزید شرح وتوضیح بھی فرمائی ہے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس عمدہ حاشیہ کا مقصد مسلک مطلوب کی مزید تائید و

---

[1] دیکھئے: بذل المجهود شرح سنن أبي داود، (۱/۳۰۹)۔

[2] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۳۳)۔

اثبات ہے[۱]، یہ حواشی اصل رسالے کے ساتھ طبع ہوئے ہیں، اس کی ضخامت بھی اصل رسالہ کے برابر ہے۔

(۲۵) تحفة النبلاء في جماعة النساء:

کتاب کا آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی، اگر اللہ ہم کو سیدھا راستہ نہ دکھاتا تو ہم راہ یاب ہونے والے نہ تھے، جس نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا، ان کے درجات بلند کئے، اجر وثواب دو چند کیا اور بڑی فضیلت عطا کی......الخ۔

سبب تالیف لکھتے ہیں کہ پنج وقتہ نمازوں اور دیگر نمازوں میں تنہا عورتوں کی جماعت کا مسئلہ اٹھا تو میں نے اسے موضوع تالیف بنایا[۲]، لکھتے ہیں کہ میں نے اس رسالہ کو اہم مقاصد پر مشتمل مراصد پر ترتیب دیا ہے، مرصد اول میں وہ اخبار وآثار ہیں جو فرائض ونوافل میں تنہا عورتوں کی جماعت کی مشروعیت اور امامت کی حالت میں ان کے قیام کی کیفیت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں[۳]، اور مرصد دوم میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ذکر کر کے ان کی آراء ودلائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے، مرصد سوم میں مسلک احناف سے متعلق فوائد ذکر کئے ہیں۔

بدھ کے روز ۱۸رمحرم الحرام ۱۲۹۵ھ میں اس تالیف سے فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی سے طبع ہوا، جس پر علامہ کے شاگرد مولوی محمد عبدالغفور رمضان پوری کے مختصر حواشی تھے، یہ

---

[۱] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۳۳)۔
[۲] تحفۃ النبلاء، (ص۲۳)۔
[۳] تحفۃ النبلاء، (ص۲۳)۔

رسالہ اوسط سائز کے دس صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری میں ۳۵۷/۶۵ نمبر سے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے۔

(۲۶) التحقيق العجيب في التثويب:

رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے: اے میرے پروردگار! تیرے لئے اتنی تعریفیں ہیں جو تیرے احسان وانعام کے مساوی ہوں، میں کیسے تیری حمد بیان کروں! تو نے نہایت عمدہ طریقے پر ہماری پرورش کی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بہت سننے والا، دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے...... الخ۔

کتاب کا نام اور موضوع ذکر کرنے کے بعد "تثويب" کے لغوی معنی واضح کیے ہیں، لکھا ہے کہ کبھی "اقامت" کو "تثويب" کہا جاتا ہے، جیسا کہ ابوہریرہؓ کی روایت میں جس کی تخریج بخاریؒ ومسلمؒ دونوں نے کی ہے آیا ہے [۱]، پھر بیان کیا ہے کہ کبھی "الصلوة خير من النوم" کو "تثويب" کہا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں صحیح و ضعیف کا حکم لگاتے ہوئے احادیث وآثار پیش کی ہیں، "تثويب" کے اصطلاحی معنی کے بیان میں ہے کہ تثویب اذان واقامت کے درمیان "اعلان" سے عبارت ہے چاہے "حی علی الفلاح" کے ذریعہ ہو یا "قد قامت الصلوة" یا "الصلوة" کے ذریعہ، یا یہ اعلان کھانس کر یا پکار کر یا کسی اور ذریعہ سے ہو [۲] پھر علماء کے اقوال اور ہر فریق کے دلائل پیش کر کے ان پر بحث کی ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری، باب فضل التأذین، (۱/۱۵۱)، صحیح مسلم، باب فضل الأذان، (۱/۲۹۱)۔

[۲] التحقيق العجيب، لکھنوی، (ص۶)۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: علامہ نے تین اقوال ذکر کئے ہیں (۱) فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں کراہت کا قول (۲) تمام نمازوں میں امراء کے لئے جواز کا قول، یہ قول ابو یوسفؒ کا ہے اور (۳) تیسرا قول مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں استحسان کا، یہ متأخرین کا مسلک ہے اخیر میں اقسام بدعت کے ذکر پر مشتمل تتمہ ہے[۱]۔

رجب ۱۲۸۷ھ بروز منگل اس تالیف سے فارغ ہوئے، ۱۱/صفحات پر مشتمل پر یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۲۷) تدوير الفلک في حصول الجماعة بالجن والملک:

بسملہ کے بعد آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا اور اس کے قائم کرنے والے کو فضل وکمال سے نوازا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے آسمان اور زمینوں میں کوئی اس کا شریک نہیں...... الخ۔

پھر علامہ نے رسالہ کا خطہ ذکر کے دو فصلوں پر تقسیم کیا ہے، فصل اول میں جنوں کی جماعت کے مسئلہ کو بیان کر کے فقہاء کے نصوص مذکور کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی جنوں کی اقتدا کرے تو اس کی جماعت درست ہوگی، پھر جنوں کا انسانوں کی اقتدا اور ان کی جماعت کے درست ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا ہے اور بہت سے آثار واخبار ونصوص سے جنوں کی انسانوں کے ساتھ جماعت درست ہونے کو ثابت کیا ہے، اس فصل کے اخیر میں انسانوں کی طرح عبادات میں جنوں کے مکلّف ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، فصل ثانی میں فرشتوں کے ساتھ جماعت

---

[۱] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۳۴)۔

کے اعتبار کا مسئلہ اٹھایا اور دو بنیادی مسئلوں پر گفتگو کی ہے، پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ فرشتوں کا انسانوں کی اقتدا کرنا جائز ہے اور جماعت منعقد ہو گی یا نہیں؟ علامہ نے جماعت کے اثبات پر دلالت کرنے والے بہت سے اخبار و آثار پیش کئے ہیں، دوسرا مسئلہ انسانوں کا جنوں کی اقتدا کرنا، اس سلسلے میں بہت سے اخبار و آثار جمع کئے ہیں اور یہ بھی بیان کیا کہ علماء نے اسے کس حد تک قبول اور کتنا رد کیا ہے۔

یہ کتاب ۲۴ر محرم ۱۲۹۵ھ بروز منگل مکمل ہوئی، اور آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوئی، ضخامت اوسط سائز کے ۱۴ر صفحات تھی۔

(۲۸) ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان:

بسملہ کے ساتھ اس طرح کتاب کا آغاز ہوتا ہے: ”میں خالق انس وجن کی تعریف بیان کرتا ہوں اور اس ذات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور بیان سکھایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ایسی گواہی جو ہمیں عذابِ دخان سے نجات دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو بنی نوع انسانی کے سردار ہیں...... الخ۔

علامہ نے کتاب کا موضوع ذکر کر کے لکھا ہے: یہ مفید رسالہ اس بدعت کے حکم کے سلسلے میں ہے جو پچھلی صدیوں میں رونما ہوئی جس پر تقریباً تین سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

علامہ نے سبب تالیف میں فرمایا کہ جس چیز نے مجھے آمادگی دلائی کہ میں اس موضوع پر لکھوں وہ یہ تھی کہ علماء اس بدعت کے آغاز سے لے کر آج تک اس کے حکم

میں مختلف آراء رکھتے ہیں، مجھ سے کئی مرتبہ پوچھا گیا کہ یہ تمبا کو نوشی جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اس کی حرمت کا حکم لگانا حد افراط میں داخل ہوگا اور مطلق اباحت کا قول زمرۂ تفریط میں آئے گا، میرا فتویٰ یہ ہے کہ تمبا کو نوشی کراہت کے ساتھ جائز ہے لہٰذا اس سلسلے میں نے ایک رسالہ قلمبند کرنے کا ارادہ کیا، جس میں ہر پہلو پر گفتگو ہو۔[۱]

پھر خطہ ذکر فرمایا ہے جس میں ایک مقدمہ، پانچ ابواب اور ایک خاتمہ شامل ہے، مقدمہ میں تمبا کو نوشی کی ابتداء، استعمال کے مختلف طریقے، ہر طریقہ کا نام، تمبا کو کی حقیقت اور اس کے فوائد ونقصانات بیان کئے ہیں، باب اول میں تمبا کو نوشی کی ممانعت، حرمت، کراہت اور اباحت کے تعلق سے فقہاء کی مختلف روایات شامل ہیں، باب دوم میں ان وجوہ کا تذکرہ ہے جن پر ممانعت کا قول اختیار کرنے والوں نے ممانعت کی بناء رکھی ہے، اسی طرح ان دلائل کی تنقیح بھی کی گئی ہے جو جواز کا قول اختیار کرنے والے فقہا نے پیش کئے ہیں، باب سوم میں روزے کی حالت میں تمبا کو کا حکم بیان کیا گیا ہے، باب چہارم میں علت وحرمت سے متعلق متفرق فوائد ہیں، باب پنجم میں تمبا کو کی کھیتی کا حکم مذکور ہے اور خاتمہ میں قہوہ نوشی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔[۲]

علامہ لکھنوی نے قیام حیدرآباد کے زمانے میں یہ رسالہ بروز شنبہ دس رمضان ۱۲۹۲ھ کو لکھا، اس وقت وہ سفر حج کے لئے تیار تھے، مجموعہ رسائل خمسہ کے ساتھ یہ رسالہ فل سائز کے ۳۳ صفحات پر مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں شائع

---

[۱] ترویح الجنان، لکھنوی، (ص۲)، (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

[۲] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۳۱)۔

ہوا اس سے ملحق علامہ کا ایک حاشیہ بھی ہے جس میں بعض ناموں اور غیر واضح مسائل کی توضیح وتشریح فرمائی گئی ہے۔

(۲۹) حاشية نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرحمان:

''نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرحمان'' زیارت روضۂ اقدس سے متعلق علامہ کے والد محمد عبدالحلیم انصاری کی تالیف ہے، علامہ نے اس کتاب پر حاشیہ لکھ کر اس کے پیچیدہ فقہی مسائل کی توضیح اور کچھ ناموں اور جگہوں کی لغوی تحقیق فرمائی ہے، یہ حواشی بہت مختصر ہیں جو ''نور الایمان'' کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے طبع ہوئے ہیں۔

(۳۰) حاشية القول الجازم :

''القول الجازم في سقوط الحد بنكاح المحارم'' کا حاشیہ ہے اس میں متن میں آئے ناموں کے حالات، بعض غریب الفاظ کی شرح اور کچھ مسائل کی مزید وضاحت کی گئی ہے، یہ حاشیہ اصل کتاب کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(۳۱) جمع الغرر في رد نثر الدرر:

کتاب کا آغاز یوں ہے: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنی مخلوق میں اپنے رسولوں اور انبیاء کو خاص شرف سے نوازا، ان میں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ذات والا صفات سب سے کامل و مکمل ہے جو اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل معجزات وآیات عطا فرمائی ہیں ...... الخ۔

علامہ لکھنویؒ نے یہ رسالہ احمد علی مصطفیٰ آبادی کی تردید میں لکھا، محرک یہ ہوا کہ مولانا عبدالحلیم انصاری نے اپنے رسالہ '' نظم الدرر في سلك شق القمر'' میں معجزہ شق القمر کو موضوع بنایا اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''تفہیمات'' سے ایک عبارت نقل

کی جس کے ظاہر سے معجزہ شق القمر کا انکار مفہوم ہوتا تھا، مولوی احمد علی مصطفیٰ آبادی نے ''نثر الدرر'' کے نام سے ایک رسالہ علامہ عبدالحلیم انصاری کی تردید میں لکھا، جب یہ رسالہ ان کو ۱۲۸۲ھ میں ملا تو انہوں نے علامہ عبدالحی اور مولوی وکیل احمد سکندر پوری[۱] کو اس کا جواب لکھنے پر مامور کیا، علامہ نے ایک جامع رسالہ قلمبند کر کے احمد علی کی ان تمام غلطیوں پر تنبیہ کی جوزبان ومعنی ہر دولحاظ سے تھیں۔

مولوی وکیل احمد نے بھی ایک رسالہ لکھ کر مصطفیٰ آبادی کی غلطیوں پر تنبیہ کی، خود علامہ عبدالحلیم نے بھی مصطفیٰ آبادی کے اغلاط واوہام پر کچھ مختصر نوٹ قلم بند کیئے، چونکہ وہ حیدرآباد کی عدالت دیوانی کے انتظام میں مشغول تھے،اس لئے یہ سلسلہ رک گیا[۲]۔

علامہ عبدالحلیم اور مولوی احمد علی مصطفیٰ آبادی کی وفات تک یہ رسالہ مسودہ کی شکل میں رہا، علامہ لکھنوی نے بھی طباعت کی ضرورت نہ سمجھی، پھر ایک رسالہ مولوی عبداللہ ٹونکی نے اسی موضوع پر فارسی میں "السيف الماضي لقطع قول منكر انشقاق القمر في الماضي" کے نام سے تالیف کیا اور رطب ویابس تمام روایات جمع کردیں، اس موقع پر علامہ لکھنوی نے اپنے تالیف کردہ رسالے کی اشاعت کو ضروری سمجھا، انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ''میرے علم میں ایک فارسی رسالہ آیا جس کے مؤلف نے ''نظم الدرر'' کے عمدہ فوائد ونکات اور ''نثر الدرر'' کی گھٹیا خرافات سب کو اپنے رسالہ میں جمع کر کے گویا اپنی مہارت کی دلیل دی ہے اور تفہیمات کی عبارت کی تحقیق میں نثر الدرر کے افادات کی تقلید کی، لیکن اتنی سی بات

---

[۱] وکیل احمد بن قلندر حسین حنفی سکندر پوری، شاگرد علامہ عبدالحلیم لکھنوی، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۷/۸)۔

[۲] جمع الغرر في رد نثر الدرر، لکھنوی، (ص ۳۱)۔

نہیں سمجھ سکے کہ یہ کم نگاہی اور سطحی فکر کا نتیجہ ہے لہٰذا میں نے اپنے تالیف کردہ رسالے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا، تا کہ کوئی نادان ''نثر الدرر'' سے دھوکہ نہ کھا جائے [۱]۔

بروز دوشنبہ ۲۹؍رجب ۱۲۹۸ھ میں وہ اس تالیف سے فارغ ہوئے یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع چشمۂ فیض سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا، جس کے آخر میں علامہ عبدالحلیم انصاری کے وہ نوٹ بھی شامل ہیں جو انہوں نے ''نثر الدرر'' پر لگائے تھے اس رسالہ کی کل ضخامت ۴۲؍صفحات ہے۔

(۳۲) حاشية الجامع الصغير:

جامع صغیر کا شمار فقۂ حنفی میں امام محمد کی اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے، یہ پہلے طبع ہو چکی تھی، علامہ لکھنوی نے اپنی تحقیق سے آراستہ کر کے دوبارہ شائع کیا، مطبوعہ نسخہ کا ایک قدیم مخطوطہ نسخے سے جو ان کے علم میں آیا موازنہ، بعض مفید حواشی کا اضافہ اور کتاب کے بہت سے مسائل سے ابہام کا ازالہ کیا گیا۔

یہ حاشیہ جامع صغیر کے ساتھ ملحق ہو کر مطبع مصطفائی سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔

(۳۳) حاشية هداية [۲]: ہدایہ اولین کی ابتداء میں علامہ نے مقدمہ ھدایہ کا

---

[۱] جمع الغرر في رد نثر الدرر، لکھنوی، (ص ۳۰)، (مجموعہ آٹھ رسائل)۔

[۲] یہ امام وفقیہ، حافظ ومحدث، مفسر ومحقق، زاہد وعابد اور عالم باکمال برہان الدین علی بن ابوبکر عبدالجلیل فرغانی مرغینانی کی تالیف ہے، ۵۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا، سمرقند میں تدفین ہوئی، آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں، ان میں ایک اہم نام "البداية" کا ہے، آپ نے اس کتاب میں ''مختصر قدوری'' اور "جامع صغیر" کے مسائل جمع کئے، پھر اسّی جلدوں میں "الکفایه" کے نام سے شرح لکھی، پھر مختصر کر کے "هدایه" کا نام دیا، دیکھئے: مقدمه هدایه لکھنوی، (ص ۲)، الفوائد البهية لکھنوی، (ص ۱۳۴۱) الجواهر المضيئة، قرشی، (۳۸۳/۱)۔

ضمیمہ لکھا اور مقدمہ کا تذکرہ ہدایہ اخیرین کی ابتداء میں کیا ہے اور بغیر کسی تمہید اور حمد و ثناء کے بات شروع کردی، گویا مقدمے پر اکتفا فرمایا ہے، ہدایہ اولین کا حاشیہ علامہ لکھنوی کا ہے، جیسا کہ خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہوتا ہے، جس میں ناشر نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن سے علامہ نے حاشیہ لکھنے میں مدد لی ہے۔

ہدایہ آخرین کا حاشیہ علامہ کے والد مولانا محمد عبدالحلیم کا تحریر کردہ ہے خود اس بات کی صراحت علامہ لکھنوی نے ''خاتمۃ الطبع'' میں کی ہے، ہاں علامہ نے اس پر بعض اضافے فرمائے ہیں، یہ حاشیہ ھدایہ کے ساتھ ملحق ہوکر مطبع مصطفائی سے علامہ کی زندگی ہی میں کئی مرتبہ طباعت کے مرحلے سے گزرا، پھر مطبع یوسفی لکھنوی سے ۱۳۲۴ھ میں طبع ہوا۔

(۳۴) حسن الولایة بحل شرح الوقایة[۱]:

یہ طالب علمی کے زمانہ کی تالیف ہے جب وہ والد ماجد سے شرح وقایہ پڑھتے تھے، یہ درحقیقت وہ نوٹس ہیں جو دوران سبق والد ماجد صاحب تعلیم فرماتے تھے، علامہ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے'' تیرہویں صدی کی آٹھویں دہائی میں جب میں والد ماجد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا تو ان کے حکم سے بعض مشکل مقامات کے حل پر مشتمل نوٹس لکھے تھے جو شرح وقایہ کے نصف اول کا احاطہ کرتے ہیں''[۲]۔

---

[۱] ''وقایہ'' بلند پایہ، عالم، محقق بے مثال علامہ تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد بن عبید اللہ جمال الدین عبادی محبوبی بخاری کی تصنیف ہے، یہ دراصل ''ھدایہ'' کے مسائل کا انتخاب ہے، جہاں تک وقایہ کی شرح کا تعلق ہے تو وہ فقیہ واصولی، محدث ومفسر عبید اللہ صدر الشریعہ بن مسعود بن محمود تاج الشریعہ کی کاوش ہے، جن کا انتقال ۷۴۷ھ میں ہوا، دیکھئے: الفوائد البھیۃ لکھنوی، (ص ۱۰۹، ۲۰۷)، النافع الکبیر، (ص ۱۱۵)، (مجموعہ چھ رسائل)۔

[۲] السعایة في کشف ما في شرح الوقایة لکھنوی، (ص ۳)۔

(۳۵) ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان:

بسملہ کے بعد اس طرح ابتدا ہوتی ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے افضل انسانیت کو مبعوث کر کے جاہلیت کا قلع قمع کر دیا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے اعلی درجات مقرر کئے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا و تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، ایسی گواہی دیتا ہوں جو ہمیں کمترین منزلوں سے نجات دے...... الخ۔

علامہ نے تالیف کا سبب لکھا کہ یہ عبارتیں جو رمضان کے آخری جمعہ میں چار رکعت پڑھ کر قضائے عمری پر دلالت کرتی ہیں، ان سے میرے شاگرد فاضل ذی شان عالم جلیل مولوی ابوالطیب احمد بن مولوی عبداللہ سکندر پوری ہزاروی نے مطلع کیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے پر اصرار کیا[۱]۔

چنانچہ شاگرد کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ان جہلا کی تردید میں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو رمضان کے اخیر جمعہ میں پانچ نمازیں باجماعت اذان واقامت کے ساتھ پڑھ لے، اس کی تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لئے یا اس کے آباء واجداد کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں، یہ مختصر مفید رسالہ تالیف فرمایا اور اس بے بنیاد، باطل عقیدے کی قلعی کھول دی۔

علامہ نے شروع میں بعض کتابوں سے قضائے عمری پر دلالت کرنے والی کچھ عبارتیں نقل کی ہیں پھر بہت سی صحیح احادیث اور متعدد ناحیوں سے اس عقیدے کو غلط ثابت کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ اس طرح کی عبارات وروایات جو کسی باطل خیال اور

---

[۱] ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان، (ص۳۶،۳۷)۔

جاہلانہ عقیدے کوفروغ دیتی ہیں ان کے مرتبین وروایات کی تحقیق ودرایت لازمی ہے پھر وضع حدیث کے اسباب اوراس کی معرفت کے طریقے بیان کئے ہیں۔

اسی طرح رمضان کے اخیر جمعہ کی کچھ دیگر خرافات کا تذکرہ کیا ہے، جیسے رمضان کے اخیر جمعہ میں وثیقہ لکھنا جوڈوبنے، چوری، آتش زدگی اور دیگر آفتوں سے حفاظت کا ضامن ہوتا ہے، اسی طرح رمضان کے رخصت ہونے کے غم میں ہندی اور فارسی اشعار پڑھنا۔

اس تالیف کوشب دوشنبہ ۲۷/صفر ۱۲۹۷ھ میں مکمل کیا، یہ کتابچہ بڑے سائز کے ۱۳/صفحات پر مشتمل پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا۔

(۳٦) رفع الستر عن كيفية إدخال الميت وتوجيهه إلى القبلة في القبر:

بسم اللہ کے بعد لکھتے ہیں: میں اس ذات کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس نے موت کو ہر سوتے جاگتے کے لئے سامانِ عبرت بنایا اور اس ہستیٔ عالی مقام کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے کعبۂ مشرفہ کو تمام انس وجن کے زندوں، مردوں کا قبلہ بنایا......الخ۔

اس کتابچہ کوتحریر میں لانے کا سبب اور موضوع بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’مجھ سے قبر میں میت کوقبلہ روکرنے کی کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ احناف وشوافع کے نزدیک دائیں پہلو پرلٹانا مسنون ہے، پھر میرے ذہن میں اس مسئلہ پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنے کی بات آئی جس میں میت کوقبلہ رو کرنے، قبر میں اتارنے اوراس کی کیفیت کی نصوص کے ساتھ میت کوقبر میں داخل

کرنے کی تحقیق بھی ہو"[1]۔

اس رسالہ کی ترتیب دو مقصد اور ایک خاتمہ پر رکھی گئی ہے، مقصد اول میں میت کو قبر میں داخل کرنے کی کیفیت، دلائل اور اختلافِ مسالک کا تذکرہ ہے، مقصد دوم میں قبر میں میت کو رکھنے اور قبلہ رو کرنے کی کیفیت اور فقہاء کے اقوال و آراء اور دلائل کو بحث و تمحیص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتابچہ کی تالیف بروز پنجشنبہ ۲/ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ میں مکمل ہوئی، ۱۴/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا ہے، اصل رسالہ کے ساتھ مولانا محمد عبد الغفور رمضان پوری کے مختصر حواشی شامل ہیں۔

(۳۷) زجر أرباب الريان عن شرب الدخان:

یہ دو مقصد پر منقسم ایک مختصر رسالہ ہے اس کا سبب تالیف علامہ نے یہ بیان کیا ہے کہ "میں لوگوں سے سنتا کہ کچھ لوگ رمضان کے مہینہ میں روزہ کی حالت میں بیڑی، سگریٹ پینے کو جائز قرار دیتے ہیں اور تمباکو نوشی سے ان کے یہاں روزہ باطل نہیں ہوتا تو میں نے اس امر کو خوب منقح کرنے کا ارادہ کیا"[2]۔

مقصد اول میں تمباکو نوشی سے روزہ کی قضا کا وجوب اور مقصد دوم میں حالت صوم میں وجوبِ کفارہ کو ثابت کیا ہے[3]۔

اس رسالہ کی تالیف سے بروز جمعہ ۷/رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ میں فارغ

---

[1] رفع السّتر عن كيفية إدخال الميت، لکھنوی، (ص ۱۵۶)، (مجموعہ رسائل)۔

[2] دیکھئے: زجر أرباب الريان عن شرب الدخان، لکھنوی، (ص ۲۳)، مجموعہ رسائل خمسہ۔

[3] دیکھئے: کنز البرکات، بندوی، (ص ۳۱)۔

ہوئے، یہ مختصر رسالہ جوفل سائز کے ۴ ر صفحات پر مشتمل ہے رسالہ " ترویح الجنان بتشریح حکم الدخان" [۱] کے باب سوم کے بعد شامل ہے۔

(۳۸) زجر الشبان والشیبة عن ارتکاب الغیبة:

حمد وثنا کے بعد سبب تالیف بیان فرمایا کہ میں نے عوام وخواص کے اندر غیبت کا عام چلن دیکھا ہے وہ اسے معمولی سمجھ کر اس کے مرتکب ہوتے ہیں، میری نظر میں اس مسئلہ پر کوئی جامع رسالہ نہیں ہے چنانچہ میں نے اس رسالہ کو ترتیب دیا تاکہ لوگ اس گناہ کے ارتکاب سے بچیں۔

یہ رسالہ دو اصل پر مرتب ہے، اصل اول میں نو اصول بیان کئے ہیں جن میں غیبت کی تعریف، انواع واقسام، علماء کی جائز کردہ صورتیں، غیبت کا حکم، اس کے نقصانات اور متعلقہ دیگر مسائل کے ساتھ بہت سے غیر متعلق مگر مفید مسائل بھی آگئے ہیں۔

اصل دوم؛ سماع غیبت کے لئے مختص ہے، یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح غیبت حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے اور دیگر کچھ متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

رسالہ کا اختتام اس نتیجہ پر ہوتا ہے جو ان مسائل کے دوران ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح دوران تالیف کی پیش آمدہ مشکلات، آیات واحادیث، آثار، اقوال علماء اور حکایات کے بیان کا نہج بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح اخیر میں مصادر ومراجع کی فہرست شامل کی گئی ہے، اس رسالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی غیبت اور غیبت کے متعلقات سے تنبیہ وتحذیر کی خاطر آیات واحادیث وآثار، اقوال علماء اور حکایاتِ شیخ سعدیؒ وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔

---

[۱] ترویح الجنان، لکھنوی، (ص ۲۳-۲۶)۔

جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ میں یہ رسالہ پائے تکمیل کو پہونچا، علامہ نے "النافع الکبیر" میں رسالة في الزجر عن غيبة الناس" کے نام سے ذکر کیا ہے [۱]، ۲۳۰؍ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ میں طبع ہوا جس کے آخر میں علامہ کے انتقال پر عبدالعلی آسی کا مرثیہ بھی شامل ہے۔

مؤلف کے خط کا تحریر کردہ ایک نسخہ جو چھوٹے سائز کے ۴۲۸؍صفحات کو محیط ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری شعبۂ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۱۸۹/۹ موجود ہے۔

(۳۹) سباحة الفكر في الجهر بالذكر:

بسملہ کے بعد لکھتے ہیں: میں اس ذات کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، شکر بجالاتا ہوں، جس نے ذاکرین کے لئے فضل عظیم تیار کیا اور عابدین کے لئے بڑا وعدہ فرمایا ہے، گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ......الخ۔

پھر سبب تالیف، موضوع اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے مجھ سے ذکر بآواز بلند کا مسئلہ پوچھا گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہمارے اکثر فقہاء نے اگرچہ اس کی کراہت وحرمت کی تصریح کی ہے لیکن محقق فقہا جب تک حد سے تجاوز نہ ہو جواز کا قول اختیار کرتے ہیں، ان کی دلیل اس مسئلہ میں وارد احادیث ہیں [۲]۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ اور دو باب پر ترتیب دیا ہے، مقدمہ جہر وسر کی حد اور اس کے متعلقات کو شامل ہے جس میں اقوال فقہاء مع تعلیق مذکور ہیں۔ باب اول میں ذکر بآواز بلند کا حکم مذکور کیا ہے، اس سلسلہ میں اقوال فقہاء

---

[۱] النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

[۲] سباحة الفكر، لکھنوی، (ص ۴۴)۔

اور ٹھوس دلائل سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ذکر خفی ذکر جہری سے زیادہ افضل ہے، جہاں تک نہایت بلند آواز میں ذکر کا تعلق ہے تو یہ حدیث "أربعوا علی أنفسکم"[۱] کی وجہ سے ممنوع ہے، رہا وہ ذکر جہری جس میں آواز بہت بلند نہیں ہوتی تو یہ احادیث و آثار کی بنا پر جائز ہے۔

باب دوم میں علامہ نے ان مقامات کا ذکر کیا جن میں ذکر جہری ہوتا ہے جیسے اذان، تکبیر، تلاوت قرآن اور نماز کی تکبیرات وغیرہ، تتمہ میں جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لئے بآواز بلند ذکر کرنے کی کراہت بیان کی ہے۔

اس رسالہ سے بروز پنجشنبہ ۲۸/ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ میں فارغ ہوئے، سب سے پہلے یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا پھر ۱۳۲۳ھ میں ۴۹/صفحات کی ضخامت کے ساتھ مطبع یوسفی سے شائع ہوا اور ابھی حال ہی میں یعنی ۱۴۰۸ھ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے آراستہ ہوکر مکتب المطبوعات الاسلامیۃ سے طبع ہوا ہے۔

(۴۰) السعاية في كشف ما في شرح الوقاية:

حمد وثنا کے بعد علامہ نے علم فقہ کا مقام ومرتبہ، صدر الشریعہ کی کتاب الوقایہ اور شرح الوقایہ کا فقہی کتابوں میں مقام ومرتبہ، اور علماء نے کس درجہ اس پر اعتنا کیا اور انہوں نے شرح الوقایہ کی شرح کیوں لکھی ان تمام امور پر گفتگو کی ہے۔

علامہ لکھنوی کا خیال ہے کہ شرح الوقایہ کے سابق شارحین کچھ خاص باتوں

---

[۱] صحیح بخاری، (۱۳۵/۶) مع فتح الباری کتاب السیر، صحیح مسلم، (۲۵/۱۷) مع شرح النووی کتاب الذکر، ترمذی، (۴۵۷/۵) کتاب الدعوات۔

پر زیادہ محنت صرف کرتے تھے جیسے اشکالات واعتراضات لانا اور کثرت سے قیل و قال کے ذریعہ اظہار کمال کرنا، آسان جگہوں کی شرح پر اکتفا کرنا یا صرف مشکل مقامات کی تشریح کرنا اور اعتراضات کے جوابات دینا، گویا اصل مقصود یعنی مسائل کو دلائل کی بنیاد دینا اور معقول کو منقول سے ثابت کرنا اکثر کے یہاں مفقود ہے[۱]۔

علامہ نے اس کتاب میں اپنا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اس شرح میں متن کی عبارتوں کو حل کیا ہے پھر عبارت کے متعلق جرح کی ہے اور مشہور ومعتبر کتابوں سے مناسب فقہی جزئیات نقل کر کے فقہاء امت کے اختلاف میں معقولہ اور منقولہ دلائل ذکر کر کے تفصیلی گفتگو کی ہے، حدیث، رجال وعلل کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، یہ تمام تفصیلات افراط وتفریط سے بچتے ہوئے وضاحت، تنقیح، انصاف اور ترجیح کے ساتھ پیش کی ہیں، تعصب وتغلیط سے اجتناب برتا ہے، اس میں شک نہیں کہ جو شخص اس شرح کے لطیف نکات، اعلیٰ بحوث، عمدہ ترجیحات، بلند تطبیقات، اہم جزئیات، بے شمار فوائد، مشکل مقامات کی وضاحت، مذاہب ومسالک کا اختلاف، متفرق دلائل وشواہد کا تجمع، مفتیٰ بہ اور راجح مسلک کی تعیین اور دیگر فوائد و مصالح سے مطلع ہوگا وہ یہی کہے گا کہ یہ ایک بحر زخار، گنج گراں مایہ اور ساحری ہے، حقیقت ہے کہ متقدمین نے متأخرین کے لئے کرنے کے کتنے کام چھوڑے ہیں[۲]۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں کہ یہ ایک مفصل کامل وشامل شرح ہے جس میں اصل کی عمدہ تحقیق ہے، دلائل ہیں، منقولات کو معقولات کی اساس ملی ہے جزئیات کو اصول کے ذریعہ ضبط میں لایا گیا ہے، صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کا اختلاف اور ان کے

---

[۱] دیکھئے: السعایۃ في کشف مافي شرح الوقایۃ، لکھنوی، (ص ۳)۔

[۲] ایضاً۔

دلائل بیان کر کے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے[۱]۔

علامہ لکھنوی نے ''النافع الکبیر'' میں لکھا ہے: میں نے اب تک باب الأذان سے فصل الجماعة اور کتاب الطهارة سے باب التیمم تک شرح لکھی ہے اور اجزاء ۱۰۰ر کو پہونچ گئے ہیں[۲] اور شرح مکمل بھی نہیں ہوئی۔

اس شرح کا پہلا جزء مطبع مصطفائی میں ۱۳۰۸ھ میں طبع ہوا پھر مطبع دی کاروان پریس پاکستان میں ۱۹۷۶ء میں طبع ہوئی پھر دوسری مرتبہ ۱۹۸۷ء میں طبع ہوئی۔

(۴۱) السعي المشكور في رد المذهب المأثور یعنی واضح الحجة في إبطال إتمام الحجة :

آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جس نے انسانوں کو پیدا کیا بیان سکھایا اور درود ہو اس رسولؐ پر جو عاصیوں کی سفارش کرے گا اور اس کے آل واصحاب پر جو بلند ہمت جلیل الشان ہیں۔

مولوی بشیر سہسوانی جنہوں نے اپنی کتاب ''المذهب المأثور في زيارة سيد القبور'' یعنی إتمام الحجة على من أوجب الزيارة مثل الحجة'' میں یہ دعوی کیا تھا کہ علامہ لکھنوی کی کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حج کی طرح زیارت کو واجب قرار دیتے ہیں، علامہ نے اسی کے رد میں اردو میں یہ رسالہ تالیف کیا۔

اور لکھا کہ یہ محض دعویٰ ہے جس کی دلیل نہیں، میں نے اپنے سابقہ رسالہ میں قبر اطہرؐ کی زیارت کا وجوب واستحباب دونوں ذکر کیا ہے اور دلائل سے واجب کے قریب قول کو راجح قرار دیا ہے اور حج کی طرح وجوب کا قائل نہیں جیسا کہ سہسوانی کا دعویٰ ہے۔

---

[۱] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۲۸)۔

[۲] النافع الکبیر، (ص ۱۵۳)۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب میں مولوی بشیر احمد سہسوانی کا حدیث وفقہ و اصول کے مختلف گوشوں سے تعاقب کیا ہے اسی طرح کچھ نئے امور جو اس دوران واضح ہوئے، ذکر فرمائے ہیں۔

۲۴رشوال ۱۲۹۴ھ جمعرات کے روز اس تالیف سے فارغ ہوئے، ۴۹۹ر صفحات کی یہ ضخیم کتاب ۱۲۹۶ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

(۴۲) ظفر الأنفال على حواشي غاية المقال:

یہ علامہ کے رسالہ ''**غاية المقال فيما يتعلق بالنعال**'' کا حاشیہ ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔

علامہ نے اس کتاب میں دو باتوں پر خاص توجہ دی ہے، (۱) ''غایۃ المقال'' میں مذکور رجال کے حالات زندگی لکھے، (۲) بعض مسائل سے متعلق اشکالات و ابہام کا حل وازالہ، اس تعلیق سے ۱۳رجب ۱۳۰۲ھ بروز دوشنبہ فارغ ہوئے۔

(۴۳) عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية:

علامہ لکھنوی نے شرح وقایہ کو بغیر بسملہ اور حمد باری کے شروع کیا ہے یا تو اس لئے کہ مقدمہ میں اس کا ذکر آچکا ہے یا اس بسملہ پر اکتفا کیا جو شرح الوقایہ کی ابتدا میں آیا ہے۔

سبب تالیف: ''حسن الولایہ بحل شرح الوقایہ'' کے تعارف میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ علامہ لکھنوی نے طالب علمی کے زمانہ ہی میں شرح الوقایہ کے حواشی لکھے تھے، بعد میں انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اس قدر مختصر ہے کہ تشنگی باقی رہتی ہے تو ''السعایۃ'' کے نام سے ایک بڑی مفصل شرح لکھنی شروع کی پھر یہ دیکھا کہ اس شرح کی تکمیل میں بڑا

وقت لگے گا تو مختصر شرح پر اکتفا فرمایا[۱]۔

علامہ لکھنوی نے اپنا منہج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے حل متن کا التزام کیا ہے، کتاب وسنت، آثارِ صحابہؓ یا اصول سے فقہی احکام کے دلائل ذکر کئے ہیں، ائمۂ احناف کے اختلاف کو تو ذکر کیا ہے لیکن دیگر ائمہ کے اختلاف کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے، شرح میں شرح ومتن کے مطالب، ان سے متعلقہ سوالات وجوابات کی خوب توضیح کردی ہے اور موقع محل کے لحاظ سے بعض وہ جزئیات جن کی اکثر ضرورت ہوتی ہے پیش کی ہیں اور مسائل احناف پر وارد شبہات کا اشارۃً وصراحۃً جواب دیا ہے[۲]۔

جلد اول کی تالیف سے ۱۶/ جمادی الآخرۃ ۱۳۰۰ھ بروز منگل اور جلد دوم سے ۲۸/ شوال ۱۳۰۲ھ بروز دوشنبہ کو فارغ ہوئے، طباعت دو جلدوں پر باریک حروف میں پتھر پر شرح الوقایہ کے ساتھ ہوئی، کل ضخامت فل سائز کے ۶۴۵/ صفحات ہے۔

(۴۴) عمدة النصائح في ترک القبائح:

اس کتاب کو علامہ لکھنوی نے اردو میں لکھا ہے، بسم اللہ اور حمد باری سے شروع کرنے کے بعد سبب تالیف ذکر کیا، فرماتے ہیں: جب میں نے انسان کی دنیا وآخرت تباہ کرنے والی بہت سی برائیاں لوگوں میں رائج دیکھیں جیسے غیبت، چغلی، خود پسندی اور بغض وعداوت، اور ان علماء کو جو منبروں پر لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں خود بھی ان گناہوں میں ملوث پایا کہ وہ دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود کو بھول جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں پر ان کی باتیں اثر نہیں کرتیں، اسی خیال سے میں نے اردو میں ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ کیا تاکہ عوام وخواص ان

---

[۱] دیکھئے: عمدۃ الرعایۃ، لکھنوی، (ص ۵)۔

[۲] ایضاً۔

گناہوں کی قباحت وشناعت کوسمجھ سکیں[1]۔

علامہ لکھنوی نے عربی زبان میں ایک رسالہ" زجر الشبان و الشیبة عن ارتکاب الغیبة" کے نام سے لکھا ہے لیکن اس میں گفتگو غیبت پر مرکوز رہتی ہے مگر اس رسالہ میں انہوں نے امت میں پائے جانے والے بہت سے اخلاقی نقائص پر گفتگو کی ہے، مقدمہ کے بعد علامہ نے ان برائیوں کی وضاحت کی ہے، سب سے پہلے شراب کا اور اس سے ڈرانے والی احادیث کا بیان ہے، پھر حسد، قطع رحمی، بخل وحرص، صلہ رحمی، غیبت، تکبر، غصہ، جھوٹ، بے حیائی اور شیطانی وساوس کو موضوع گفتگو بنایا ہے، رسالہ کو ۹؍مواعظ پر تقسیم فرمایا اور ترغیب وترہیب کی احادیث بیان کی ہیں، فل سائز کے ۹۶؍صفحات پر مشتمل یہ کتاب دومرتبہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

(۴۵) غاية المقال فيمايتعلق بالنعال:

بسم اللہ سے آغاز ہونے کے بعد اس طرح ہے: ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اے وہ ذات جس نے ہمیں تمام اقوام وامم سے بہتر امت بنایا اور تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو اپنے حبیبؐ، پیغمبر جن وانس اور ان کے آل واصحابؓ پر اس وقت تک درود ورحمت نازل فرما جب تک آفتاب ومہتاب گردش میں رہیں۔

رسالہ کا موضوع، سبب تالیف اور خطہ ذکر کر کے لکھا ہے"یہ رسالہ ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، میں نے اس شر وفساد کے زمانہ میں محسوس کیا کہ لوگ دھڑلّے سے نعال پہنتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو نعال پہننا مباح ہے اور اس کا استعمال ہر طرح درست ہے اس خیال سے میں نے یہ رسالہ

---

[1] عمدة النصائح في ترك القبائح، (ص۲)۔

تالیف کیا، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ رسالہ مسائل وفوائد کا جامع ہوگا‘‘ [۱]۔

علامہ لکھنوی نے مقدمہ میں لفظ ’’نعل‘‘ اور اس کے متعلقات کی تحقیق کی ہے معتمد کتابوں پر اعتماد کر کے ’’نعل‘‘ کے لغوی معنی، اشتقاق، تانیث وتذکیر وغیرہ کو بیان کیا ہے، باب اول میں ’’نعل‘‘ سے متعلق تمام مسائل کو بالاستیعاب جمع کرلیا ہے، باب کو کئی فصلوں میں منقسم کیا ہے، فصل اول میں وضو میں نعل کا مسئلہ اور اس کے متعلقات بیان کئے ہیں فصل ثانی میں یہ گفتگو ہے کہ نجاست اگر ’’خف‘‘ یا ’’نعل‘‘ میں لگ جائے تو کیسے پاک کی جائے گی؟ فصل ثالث میں نعل پہن کر نماز پڑھنے کا حکم اور متعلقہ مسائل تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں پھر چوتھی فصل میں نعل پہن کر حج کرنے کا حکم اور دیگر مسائل ہیں، فصل پنجم جہاد، فصل ششم حدود، فصل ہفتم بیع وشرا کے سلسلہ میں ہے یعنی نعل بنوانا، بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور دیگر متفرق مسائل، فصل ہشتم حظر واباحت اور متعلقہ مسائل کے سلسلہ میں ہے۔

باب ثانی میں دو فصلیں ہیں فصل اول میں نعل سے متعلق عادات نبویہ کا بیان ہے اس فصل میں کتب حدیث وشمائل وسیر سے شمائل نبوی کی روایات جمع کی ہیں فصل ثانی میں ان شعراء، قصیدہ خانوں اور داستان گویوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بہت سی ایسی چیزیں از خود وضع کی ہیں جن کی معتبر کتابوں میں کوئی اصل نہیں ملتی، اسی فصل میں علامہ نے نعل رسول اللہ ﷺ کی تاریخ بھی بیان کی ہے۔

رسالہ کا اختتام کلام عرب کے ان امثال کے ساتھ ہوتا ہے جو نعل اور منتعل (نعل پہننے والا) کے اردگرد گھومتی ہیں غرض علامہ نے اس رسالہ میں نعل سے متعلق

---

[۱] دیکھئے: غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، لکھنوی، (ص ۹۷)۔

تمام احکامات ومسائل کوتحقیق وتدقیق کے ساتھ جمع کر دیا ہے اوراسی پر اکتفانہیں فرمایا بلکہ نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی گفتگوفرمائی جوشمائل نبوی کا موضوع تھا۔

علامہ اس تالیف سے بروز جمعرات ۲۷/شعبان ۱۲۸۶ھ شہر حیدرآباد میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا، ضخامت ۶۵/صفحات ہے اور اس کے ساتھ علامہ کا حاشیہ ''ظفر الأنفال'' جس کے متعلق پہلے گفتگو ہوچکی ہے شامل ہے۔

(۴۶) غيث الغمام على حواشي إمام الكلام:

بسملہ اور حمد باری کے بعد علامہ نے سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھ سے بعض مخلص احباب اور باکمال دوستوں نے کہا کہ میں ''امام الکلام'' کا حاشیہ لکھوں جس میں وہ متفرق حواشی شامل کروں جو میں نے پہلے لکھے ہیں اور نئے فوائد و نکات کا اضافہ کروں تاکہ متعصبین اور کوتاہ ہمت افراد کے اشکالات دور ہوں، کاملین کو شرح صدر حاصل ہو[1] اس تالیف کو علامہ نے ۲۸/جمادی الثانیہ ۱۳۰۳ھ میں مکمل کیا، پہلے اس کا نام ''الفوائد العظام على حواشي إمام الكلام'' رکھا تھا جیسا کہ ''عمدة الرعاية'' کے مقدمہ میں مذکور ہے[2] پھر غالبًا نام بدل کر ''غيث الغمام'' رکھا۔

علامہ لکھنوی نے رسالہ ''امام الکلام'' میں بہت سے فقہی اور حدیثی فوائد کا اضافہ فرمایا ہے اسی طرح بہت سے رجال وروات کے حالات لکھے ہیں اور اس مسئلہ سے متعلق بہت سی احادیث وآثار اور اقوال علماء بیان کئے ہیں، اسی طرح بعض

---

[1] دیکھئے: غيث الغمام مع إمام الكلام، لکھنوی، (ص۲)۔

[2] دیکھئے: مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، لکھنوی، (ص۴۰)، غيث الغمام، (ص۲۳۸)۔

غلطیوں پر تنبیہ بھی کی ہے جس کے نواب صدیق حسن خان کے شکار ہوئے ، یہ حاشیہ امام الکلام کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوا ہے۔

(۴۷) الفَلَک الدوّار في رؤية الهلال بالنهار:

بسملہ کے بعد ابتدائی عبارت اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رات اور دن کا بنانے والا، گردش کرنے والے فلک کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس سے شیاطین کو مارا...... الخ۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب ذکر فرمایا کہ اسی سال یا اس سے پہلے ایک واقعہ رونما ہوا جس نے ہمیں یہ رسالہ لکھنے پر آمادہ کیا وہ واقعہ یہ ہوا کہ ۱۲۹۴ھ میں رمضان کا چاند دوشنبہ کی رات میں دیکھا گیا اور دوشنبہ کے دن میں لوگوں نے روزہ رکھا پھر اس مہینہ کی ۲۹ر تاریخ دوشنبہ کے روز لوگوں نے چاند دیکھا لیکن ہمارے شہر لکھنؤ میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رویت ہلال نہ ہوئی تو لوگوں نے تیس کا خیال کر کے منگل کے روز روزہ رکھا پھر کانپور اور دوسرے قریبی شہروں سے خبر موصول ہوئی کہ گزشتہ رات کو چاند دیکھا گیا ہے تو اس وقت افطار کا فتوی دیا گیا، شیعہ حضرات کے استثنا کے ساتھ ہم نے اور تمام لوگوں نے عین دوپہر میں روزہ توڑ دیا لیکن بعض جاہلوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے دن میں چاند دیکھ کر روزہ افطار کیا ہے [۱]۔

محمد عبد الباقی کہتے ہیں کہ یہ رسالہ اس وقت تالیف فرمایا جب ایک مرتبہ عوام و خواص نے دن میں چاند دیکھا تو کچھ لوگوں نے افطار کیا اور کچھ افطار کی تیاری میں لگ گئے تو انہیں منع کر دیا گیا، اس رسالہ میں یہ واضح کیا کہ دن میں قطعاً افطار جائز

---

[۱] الفلك الدوار في رؤية الهلال بالنهار، لکھنوی، (ص۲)۔

نہیں ہے چاہے چاند کو زوال سے پہلے دیکھے یا زوال کے بعد، اس مسئلہ کو احادیث نبویہ سے مستدل کرتے ہوئے فقہائے احناف کے اقوال سے ثابت کیا ہے [۱]۔

علامہ لکھنوی اس رسالہ کی تالیف سے بروز اتوار ۸؍شوال ۱۲۹۵ھ میں فارغ ہوئے، جسے کچھ معمولی سے نشستوں میں مکمل کرلیا یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ فُل سائز کے آٹھ صفحات پر شائع ہوا، اس کا ایک قلمی نسخہ مؤلف کے خط میں لکھا ہوا مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۳۱۱/۵۹ سے موجود ہے، اس کی کل ضخامت فل سائز کے ۱۱؍صفحات ہے۔

(۴۸) الفلک المشحون فیما یتعلق بانتفاع المرتھن بالمرھون:

بسملہ کے بعد اس طرح ابتداء ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمارے لئے حلال وحرام کو واضح فرمایا، مشتبہ احکامات کو بیان کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں...... الخ۔

علامہ نے سبب تالیف اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے میں نے یہ رسالہ اپنے بعض مخلص احباب کی تعمیل حکم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس امید میں لکھا ہے کہ وہ اس سے کاملین کو ہدایت دے اور جہال کی رہنمائی کرے، اس رسالہ میں دو فصلیں ہیں اور ایک خاتمہ [۲]۔

فصل اول میں علامہ اس مسئلہ میں اختلاف ائمہ کو ذکر کرنے کے بعد ہر

---

[۱] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۲۹)

[۲] الفلك المشحون فيما يتعلق بانقطاع المرتهن بالمرهون، لکھنوی، (ص۲)۔

مسلک کی احادیث وآثار پر مشتمل بہت سی دلیلیں لائے ہیں، فصل ثانی میں اقوال احناف ذکر کر کے موضوع بحث بنایا ہے، خاتمہ میں راہن کی اجازت کے ساتھ اور اجازت کے بغیر مرتہن کے انتفاع سے متعلق مختلف فروعی مسائل ذکر کئے ہیں۔

بروز جمعرات ۴/ ذی القعدہ ۱۲۹۵ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے، یہ رسالہ فل سائز کے آٹھ صفحات پر مطبع مصفائی سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا، اس کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۳۴۹/۵۷ سے موجود ہے جس کی ضخامت فل سائز کے ۹/ صفحات ہے۔

(۴۹) قوت المغتذین بفتح المقتدین:

بسملہ کے بعد ابتدائی عبارت ہے: اے وہ ذات جس نے مجھے شرع قویم کے متبعین میں شامل کیا، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو اپنے اس رسول ؐ پر سلام و رحمت نازل فرما جس پر قرآن اتارا گیا اور اس کے ارباب فضل وکمال آل واصحاب پر سلام ورحمت نازل فرما......الخ۔

علامہ لکھنوی رسالہ کا موضوع اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ رسالہ مقتدی کا امام کو لقمہ دینے سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے جس میں ایک مقدمہ کچھ مسائل اور ایک خاتمہ ہے، مقدمہ میں علامہ نے یہ فقہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ امام کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں''؟۔

علامہ لکھنوی نے جواز کے دلائل پیش کیے ہیں اور اس موضوع سے متعلق بہت سے مسائل معتبر فقہی کتابوں سے لیے ہیں، خاتمہ میں امام کو لقمہ دینے کی تاریخ کا ذکر ہے۔

اس رسالہ سے علامہ جمعہ کی رات ۲۸ ؍شعبان ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ علامہ نے فتح المقتدین کے مسئلہ پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس کا نام ''القول الأشرف في الفتح من المصحف'' رکھا تھا، یہ رسالہ سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوا جو فل سائز کے ۶ ؍صفحات پر مشتمل تھا۔

(۵۰) القول الأشرف في الفتح من[۱] المصحف: علامہ نے بسملہ اور حمد باری کے بعد سبب تالیف لکھا ہے کہ جب وہ حیدر آباد پہونچے تو ایک عجیب وغریب چیز دیکھی، وہ یہ کہ مقتدی اپنے سامنے قرآن پاک کھلا رکھتا جب امام پڑھنے میں غلطی کرتا یا بھول جاتا تو مقتدی اپنے سامنے کھلے قرآن سے لقمہ دیتا، لوگوں نے علامہ سے اس کا حکم معلوم کیا تو جواب دیا کہ اگر مقتدی نے اپنے سامنے کھلے قرآن سے امام کو لقمہ دیا جسے امام نے قبول کرلیا تو سب کی نماز فاسد ہوجائے گی[۲]، رمضان ۱۲۸۴ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے یہ رسالہ مطبع علوی سے ۱۲۸۶ھ میں فل سائز کے پانچ صفحات پر شائع ہوا۔

(۵۱) القول الجازم في سقوط الحد بنكاح المحارم:

حمد وثنا کے بعد علامہ نے تالیف کا سبب اور موضوع لکھا ہے کہ ایک شیعہ ان کے پاس آیا اور اس نے محارم سے نکاح حلال ہونے کی یہ دلیل دی کہ مسلک احناف میں محارم سے نکاح کر لینے سے حد ساقط ہوجاتی ہے، علامہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ

---

[۱] اصل میں (عن) ہے۔

[۲] دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبد الباقی، (ص۴۰) اور دیکھئے: هدايه، مرغینانی، (۱/۱۳۶)۔

مسئلہ ہماری کتابوں میں موجود ہے اور امام اعظمؒ کی طرف اس کی نسبت صحیح بھی ہے لیکن حد کے سقوط سے اباحت لازم نہیں آتی اور فرمایا کہ حد مطلق سزا ہی سے عبارت نہیں ہے بلکہ مقدر شرعی سزا بھی اس میں داخل ہے اس طرح علامہ نے اس اشکال کو زائل فرمایا اور واضح کیا کہ سقوط حد اور حلت کے درمیان تلازم نہیں ہے کیونکہ سزا کا میدان شرعی لحاظ سے متعینہ حدود پر منحصر نہیں ہے، نتیجۃً امام وقت اس گناہ کے مرتکب کو اس کی سرزنش اور تعذیر کے لئے جو مناسب سمجھے گا سزا دے گا[۱]۔

۲۶/رجب ۱۲۹۸ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے، مؤلف کے خط کا ایک نسخہ نمبر ۳۴۸/۵۶ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جو بڑے سائز کے ۳۱/صفحات پر محیط ہے، یہ رسالہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا اس پر علامہ کا ۴۰/صفحات کا حاشیہ بھی ہے۔

(۵۲) القول المنثور علی القول المنشور:

یہ رسالہ "القول المنشور في هلال خير الشهور" پر علامہ کا حاشیہ ہے: اس میں علامہ نے دو باتوں پر خاص توجہ دی ہے، (۱) "القول المنشور" میں جن رجال وروات کے نام آئے ہیں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں، (۲) بعض مسائل سے متعلق اشکالات اور غموض وابہام دور کیا ہے۔

شعبان ۱۲۹۲ھ میں اس سے فارغ ہوئے، مؤلف کے قلم سے لکھا ایک نسخہ نمبر ۳۵۲/۶۰ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل "القول المنشور" کے حاشیہ کے ساتھ ملحق ہے۔

---

[۱] دیکھئے: القول الجازم في سقوط الحد بنكاح المحارم، لکھنوی (ص۲)۔

(۵۳) القول المنشور في هلال خير الشهور:

بسملہ کے بعد ابتدا یوں ہے: تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اے وہ ذات جس نے چاند کو لوگوں کے فائدہ کے لئے اور حج وروزہ کے لئے وقت بتانے والا بنایا اور حلال وحرام کو ہمارے لئے واضح کیا، کیسے میں اس ذات کی تعریف کروں اور کیوں کر اس کی حمد وثنا نہ بیان کروں جب کہ وہ عظمت وجلال اور شوکت ورفعت والا ہے...... الخ۔

حمد باری اور بسملہ کے بعد علامہ نے اپنے دستور کے مطابق سبب تالیف لکھا ہے کہ اس زمانہ میں میں نے دیکھا کہ لوگ ستاروں کے حساب پر اعتماد کرتے ہیں، نجومیوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ سابقہ تجربہ پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ سب شریعت کے خلاف ہے لہٰذا میں نے اس موضوع کی تحقیق کر کے اس میں تفصیلی رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا[۱]۔

علامہ نے اس رسالہ میں ہر مسئلہ سے متعلق احادیث وآثار اور کلام فقہاء کو بحث وتحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے اور رؤیت ھلال کے مسئلہ اور اس پر مرتب ہونے والے فقہی مسائل کی تحقیق فرمائی ہے۔

۴/ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ منگل کے دن اس تالیف سے فارغ ہوئے، اس کا ایک قلمی نسخہ نمبر ۶۰/۳۵۲ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل موجود ہے جس پر ''القول المنشور'' کے نام سے حاشیہ بھی ہے۔

یہ رسالہ مطبع مصطفائی سے سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا جو بڑے سائز کے تین صفحات پر مشتمل ہے۔

---

[۱] القول المنشور في هلال خير الشهور۔ (ص۱۰)۔

(۵۴) الكلام الجليل فيما يتعلق بالمِنديل:

بسملہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: تمام تعریفیں جلیل المرتبت، رفیع الشان اللہ کے لئے ہیں، گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں، ان کا منکر ذلیل ہے، اے اللہ تو اپنے حبیب احمد مصطفےٰ اور پیغمبر محمد مجتبیٰ اور ان کے آل واصحاب پر جو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں پر رحمت و سلام نازل فرما...... الخ۔

بسملہ اور حمد باری کے بعد رسالہ کا موضوع اور خطبہ ذکر ہوا ہے، رسالہ ایک مقدمہ، چند مسائل اور ایک خاتمہ پر محیط ہے، مقدمہ میں کلمہ ''مندیل'' کے معنی اور اس کے مشتقات کی ادب ولغات کی کتابوں سے تحقیق پیش کی گئی ہے، پھر ''مندیل'' کے متعلق مسائل کا بیان ہے، مولوی محمد عبدالباقی کہتے ہیں اس رسالہ کے مندرجات کا مغز اور خلاصہ یہ ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد رومال سے اعضاء پوچھنا جائز ہے، احادیث وآثار سے اس مسئلہ پر استدلال فرمایا ہے، مزید لکھا ہے کہ وضو کے رومال پر نماز نہیں پڑھے گا اور کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے بعد رومال سے نہیں پوچھا جائے گا اور کھانے سے فراغت کے بعد ہاتھ دھوکر پوچھنا مباح ہے[۱]۔

اس رسالہ سے علامہ لکھنوی ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنو ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا، کل ضخامت بڑے سائز کے ۶ر صفحات تھی، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا نمبر ۶۶/۳۵۸ ہے۔

---

[۱] دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (۳۰)۔

(۵۵) الكلام المبرم في نقض القول المحقق المحكم:

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے جسے علامہ نے شیخ سہسوانی کے رد میں لکھا، آئندہ صفحات میں ہم اس پر گفتگو کریں گے [۱]، اس کی تالیف سے جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ میں فارغ ہوئے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیوسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں ۱/۱۸۱ نمبر سے موجود ہے یہ رسالہ اوسط سائز کے ۲۶ صفحات پر محیط ہے۔

یہ رسالہ ۱۲۹۰ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ میں علامہ کے شاگرد مولوی عبدالجبار خان کے نام سے شائع ہوا۔

(۵۶) الكلام المبرور في رد القول المنصور:

یہ رسالہ بھی اردو زبان میں مولوی بشیر سہسوانی کے رد میں لکھا گیا آئندہ صفحات میں ہم اس گفتگو کریں گے [۲]۔

علامہ اس رسالہ سے منگل کے روز ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ میں فارغ ہوئے۔

اوسط سائز کے ۸۶/ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں ۱/۱۸۲ نمبر سے موجود ہے، یہ رسالہ ۱۲۹۱ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں ان کے شاگرد مولوی عبدالعزیز قنوجی کے نام سے شائع ہوا۔

(۵۷) مجموعة الفتاوى:

علامہ عبدالحی ایک محدث ہی نہ تھے بلکہ آپ بلند پایہ فقیہ بھی تھے جس کی بدولت وہ پورے ہندوستان میں عموماً اور خصوصاً شہر لکھنؤ میں منصب افتاء کی شہ نشین پر

---

[۱] دیکھئے: کتاب ہٰذا (ص ۲۴۶، ۲۴۷)۔ [۲] ایضاً۔

فائز ہوئے۔

علماء اور عوام؛ زندگی کے بیش تر فقہی اور عقائدی مسائل میں ان سے استفتا کرتے اور وہ مختلف فیہ مسائل میں قول راجح پر فتویٰ دیتے اس سلسلہ میں ان کا اعتماد معتبر و متداول مصادر و مراجع پر ہوتا تھا۔

علامہ؛ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں آئے استفتاءات کے جواب دیتے جن سے استفادہ عام قاری کے لئے دشوار تھا، مفتی برکت اللہ فرنگی محلی نے آسان اسلوب میں اردو زبان میں سوالات و جوابات کا ترجمہ کر کے مختلف عناوین کے تحت مضامین کو ترتیب دیا اور مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی نے فہرست تیار کی، اس طرح ہر قاری کے لئے اب ان سے استفادہ آسان ہو گیا۔

یہ فتاویٰ ۱۳۱۴ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ میں طبع ہوئے، اخیر میں تین جلدوں پر مشتمل نئی فہرست اور جدید ترتیب وتبویب کے ساتھ یہ فتاویٰ ۱۳۷۳ھ میں مطبع ایجوکیشنل پریس پاکستان سے طبع ہوئے ہیں۔

(۵۸) نخبة الأنظار على تحفة الأخيار:

یہ رسالہ "تحفة الأخيار" پر علامہ کے مختصر حواشی ہیں جس میں انہوں نے ان بعض رجال و رواۃ کی سوانح لکھی ہے جن کے نام "تحفہ" میں آئے ہیں اسی طرح بعض احادیث کی تحقیق اور کچھ کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔

ان حواشی سے یکم رجب المرجب ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، "تحفة الأخيار" کے ساتھ یہ حواشی مطبع چشمہ فیض لکھنؤ میں طبع ہوئے پھر شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۱۲ھ میں "تحفة الأخيار" کے ساتھ شائع ہوئے۔

(۵۹) نـزهة الـفكر في سبحة الذكر :لقب: هدية الأبرار في سبحة الأذكار:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس گردنوں کے مالک اوراسباب ووسائل بہم پہونچانے والے کے لئے ہیں جس کی پاکی بیان کرتی ہیں تمام وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں درخت، پیڑ پودے، پتھر، مچھلیاں اور ہر طرح کے چوپائے اور جاندار، میں اس کی ایسی حمد بیان کرتا ہوں جیسی ایک غلام اپنے آقا اور مخلوق اپنے خالق کی بیان کرتی ہے...... الخ۔

حمد وثنا کے بعد علامہ نے رسالہ کا موضوع اور سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''مجھ سے اس تسبیح کے بارے میں جسے ذکر واذکار میں صلحاء اکثر استعمال کرتے ہیں بارہا پوچھا گیا کہ حدیث میں اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ ہر دفعہ میرا جواب یہی تھا کہ اس کی اصل موجود ہے، پھر میں نے اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو جامع ومحیط ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی شافعی کا رسالہ ''المِنحة بالسبحة'' میرے ہاتھ لگا غایت درجہ مختصر، دو ورق میں سمٹا ہوا، میں نے اسے بھی اپنے اس رسالہ کا جزء بنایا'' [۱]۔

وہ لکھتے ہیں اس رسالہ میں ایک مقدمہ، دس فصل اور ایک خاتمہ ہے، مقدمہ میں ''السبحة'' (تسبیح) کی حقیقت اور اس کا لغوی معنی واضح کیا ہے۔

فصل اول میں وہ احادیث ہیں جو انگلیوں کی پوروں، کنکریوں اور گٹھلیوں وغیرہ سے تسبیح شمار کرنے کی اباحت میں وارد ہوئی ہیں۔

---

[۱] دیکھئے: نزهة الفكر في سبحة الذكر، لکھنوی، (۳۵)۔

فصل دوم میں تسبیح رکھنے کے جواز کو واضح دلیل سے ثابت کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں تسبیح کے جواز میں ایک مرفوع حدیث پیش کی گئی ہے۔

فصل چہارم میں یہ ثابت کیا ہے کہ تسبیح عہد صحابہؓ میں مقبول ورائج تھی۔

فصل پنجم میں تسبیح کے جواز پر علماء کی عبارتوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

فصل ششم میں اس شبہ کا ازالہ ہے جو تسبیح کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

فصل ہفتم تسبیح اختیار کرنے کے فوائد پر مشتمل ہے۔

فصل ہشتم میں تسبیح کے ناموں کی تفصیل ہے۔

فصل نہم میں نماز میں آیات وتسبیحات وغیرہ کے عدد کا حکم مذکور ہے۔

فصل دہم میں نماز کے علاوہ اورادواذ کار کی تعداد کے سلسلہ میں بہت سے اقوال بیان فرمائے ہیں۔

خاتمہ میں تسبیح سے متعلق متفرق فوائد ذکر کئے گئے ہیں۔

علامہ لکھنویؒ اس رسالہ کی تالیف سے تین ہلکی نشستوں میں بدھ کے دن ۲۵/جمادی الاولی ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ مجموعہ ”تحفة الطلبة“ کے ساتھ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا، قبل ازیں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا یہ اوسط سائز کے ۲۰/صفحات پر مشتمل تھا، اسی طرح مذکورہ رسالہ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۹ھ میں چھپا، اخیر میں پروفیسر حسین مخلوف سابق مفتی مصر کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۸۰ھ میں مصر سے طبع ہوا۔

(٦٠) النفحة بتحشية النزهة:

یہ ”نزهة الفكر في سبحة الذكر“ کا حاشیہ ہے، جس میں ان بعض رجال

کے حالات لکھے گئے ہیں جن کا تذکرۃ "النــزھة" میں اجمالاً آیا ہے، کہیں کہیں غیر واضح امور کی وضاحت کی گئی ہے اسی طرح بعض احادیث وآثار کی تخریج کی ہے، مصنف اس حاشیہ سے ۲/ رجب ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، " نزهة الفكر في سبحة الذكر" کے ساتھ یہ حاشیہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع یوسفی سے طبع ہوا۔

(۶۱) نفع المفتي والسائل بجميع متفرقات المسائل:

بسملہ کے بعد حمد وثنا سے اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے مخصوص ہیں جس نے حاملین شرع متین کے درجات بلند کئے اور وہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فہم عطا کرتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں...... الخ۔

حمد وثنا کے بعد کتاب کا موضوع اور باعث تصنیف لکھا ہے" یہ متفرق مسائل پر جو کچھ نماز سے متعلق ہیں اور کچھ حظر واباحت کے تحت آتے ہیں مشتمل ایک مفید کتاب ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو قیام حیدرآباد دکن کے زمانہ میں، اللہ اسے بدعات اور فتن سے محفوظ رکھے، مجھ سے پوچھے گئے [۱]۔

علامہ نے اس کتاب کو کتاب الطہارۃ اور مسائل وضو سے شروع کیا ہے اور عقلی ونقلی دلائل سے گفتگو کی ہے اور اس قول کو راجح قرار دیا ہے جس کی صحت ان کے نزدیک محقق ہوئی یا وہ صحت وسنت کے زیادہ قریب تھا اور نماز سے متعلق مسائل زیر بحث لائے ہیں، اخیر میں کتاب الآداب، جنائز اور صید وغیرہ کے مسائل بیان کئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف سے ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ میں فارغ ہوئے۔

---

[۱] دیکھئے: نفع المفتي والسائل لکھنوی، (ص ۱۰)۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: یہ ایک عمدہ کتاب ہے جس کا طرز وطریق لطیف و دلکش ہے، مشکل فقہی مسائل احادیث نبویہ سے محقق کر کے پیش کئے گئے ہیں میرے علم میں اس جیسی کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی[۱]۔

یہ مفید کتاب فل سائز پر مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی ہے، کتاب کے اخیر میں علامہ لکھنوی کی وفات پر محمد عبدالعلی آسی مدراسی کا مرثیہ بھی شامل ہے، اس کی ضخامت کل ۶۰ر صفحات ہے۔

(۶۲) هداية المعتدين إلى فتح المقتدين:

علامہ نے یہ رسالہ اردو زبان میں عوام کے فائدے کے لئے قلم بند فرمایا، اس سے قبل یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اسی موضوع پر عربی زبان میں دو رسالے "القول الأشرف في الفتح عن المصحف" اور "قوت المغتذين بفتح المقتدين" تالیف فرمائے گئے تھے۔

اوسط سائز کے ۱۵ر صفحات پر مشتمل مؤلف کے خط کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۸۴/۱ نمبر سے موجود ہے۔

(۶۳) الهَسْهسَة بنقض الوضوء بالقهقهة:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور اندازہ کیا اور راستہ دکھایا اور سوجھ بوجھ دی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور درود وسلام ہو اس کے رسول مختار ﷺ پر اور ان کے آل واصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ہدایت کے امام ہیں۔

---

[۱] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۳)۔

بسملہ وحمد باری کے بعد سبب تالیف، موضوع اور لائحہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے سامنے ایک مرتبہ دوران تدریس اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی کہ احناف قہقہہ کو مفسد صلات اور ناقض وضو سمجھتے ہیں، کسی نے کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اثر صریح موجود ہے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں جو حدیث وارد ہوئی وہ خبر واحد ہے اور ضعیف السند بھی جس پر عمل کرنا اصول احناف کے خلاف ہے، تو میں نے ایک مستقل رسالہ جو تمام دلائل ومسائل کو حاوی ہو لکھنے کا ارادہ کیا[۱]۔

اس رسالہ کی ترتیب ایک مقدمہ، دو مقصد اور ایک فاتحہ پر رکھی گئی ہے، مقدمہ میں ضحک کی انواع واقسام کا ذکر کیا ہے۔

مقصد اول میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے سلسلہ میں اختلاف مذاہب کے ساتھ ہر مسلک کے دلائل اور اس کے تمام پہلوؤں کو تحقیق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بیشتر روایات وآثار بیان کئے، ان کے درجہ کا تعین کیا اور مسلک احناف کو قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مقصد ثانی میں احناف کے یہاں نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کی تفصیلات ہیں اور خاتمہ میں تبسم، ضحک اور قہقہہ کے احکام؛ مرفوع احادیث، شمائل نبوی اور آثار صحابہؓ کے استدلال کر کے درج کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے بروز سہ شنبہ ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں ۳۴/ صفحات کی ضخامت کے ساتھ طبع ہوا۔

---

[۱] دیکھئے: الهَسهسَة بنقض الوضوء بالقهقهة، لکھنوی، (ص۲)۔

☆ الفرائض

(۶۴) شرح شریفیه شرح السراجیة:

محمد بن عبد الرشید سجاوندی[۱] نے علم فرائض کے موضوع میں "السراجیة" لکھی جس کی شرح سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے ''شریفیہ'' کے نام سے قلمبند کی، علامہ عبدالحی لکھنوی نے اسی شریفیہ کا حاشیہ لکھا ہے۔

علامہ لکھنوی لکھتے ہیں: علم فرائض ایک ایسا علم ہے جس کی بیش تر ضرورت پڑتی ہے اس علم کی اشاعت اور ترویج لازماً ہونی چاہئے، جب سید شریف جرجانی نے مولانا سراج الملت عبدالرشید سجاوندی کی مایہ ناز، معروف ومشہور شاہکار تصنیف "الفرائض السراجیة" کی شرح لکھی تو علماء کو اس کی شرح وتوضیح کے اہتمام کا احساس ہوا لہٰذا میں نے اسے حواشی سے آراستہ کرنے اور اشکالات دور کرنے کی طرف توجہ کی[۲]۔

علامہ لکھنوی نے اس حاشیہ میں علم فرائض کے بہت سے مشکل مسائل کی وضاحت تو فرمائی ہی ہے ساتھ ہی بہت سے صحابہؓ، تابعینؒ، فقہاءؒ، مفسرینؒ اور محدثینؒ کی سوانح بھی لکھی ہے اور بعض جگہوں کا تعارف بھی پیش کیا اور مسائل مذکورہ میں روایات وآثار سے مزید دلائل بھی نقل کیے ہیں۔

یہ شرح ''الشریفیہ'' کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۲۸۳ھ میں طبع ہوا۔

---

[۱] محمد بن محمد عبدالرشید سجاوندی حنفی، سراج الدین أبوطاہر، مفسر، فقیہ، ماہر علم الفرائض، تقریباً ۶۰۰ھ میں وفات ہوئی، دیکھئے: ان کے حالات زندگی، تاج التراجم ابن قطلو بغا (ص ۴۲)، اور الجواہر المضیة، قرشی، (۱۹/۱)۔

[۲] شرح الشریفیة، لکھنوی (ص ۱۴۲)۔

☆الرقائق

(٦٥) اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة: دوسرا نام" إزالة الغفلة والسِنة بتأليف خطب السَنة"۔

رسالہ کا آغاز حمد وثنا سے ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسولوں کو بھیج کر اور بلند مرتبہ کتابیں اتار کر ہمیں سیدھی راہ دکھائی، حلال وحرام کو واضح کیا، اپنی خوشنودی کے راستے بتلائے ......الخ۔

حمد وباری کے بعد علامہ نے سبب تالیف بیان کیا، لکھتے ہیں: جب میں نے جمعہ کے دن اکثر خطیبوں کو جاہل اور عربی الفاظ وکلمات کے سامنے بے بس پایا، دیکھا کہ کچھ خطیب فارسی اور ہندی زبانوں میں خطبہ دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عجمی زبان کے ساتھ عربی کو شامل رکھتے ہیں انہیں شاید پتہ نہیں کہ یہ احادیث سے ثابت نہیں اور بعض خطبا کا حال یہ ہے کہ وہ ہر جمعہ کو ایک ہی خطبہ دیتے نظر آتے ہیں اس بات سے بے خبر کہ خطبۂ جمعہ کی اصل غایت تذکیر ہے تو میں نے معاملہ کو آسان کرنے کی غرض سے سال کے ہر مہینہ کے پانچ جمعوں کے لئے پانچ خطبے لکھ دئے ہیں [۱]۔

پھر علامہ لکھنوی نے اس طرز وطریق کا ذکر کیا ہے جسے ان خطبات کے جمع و تالیف میں ملحوظ رکھا ہے، لکھتے ہیں: نصائح ومواعظ کے زیادہ سے زیادہ جملے لانے کا اہتمام رکھا ہے تا کہ واعظ وسامع مستفیض ہوں، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کثرت سے آگئے ہیں، مسجع ومقفی عبارت لکھنے سے گریز کیا گیا ہے، غریب لاینحل کلمات سے حتی الامکان بچنے کی سعی کی ہے تا کہ بآسانی مفاہیم ومطالب سمجھے جائیں، اسی طرح

---

[۱] اللطائف المستحسنة۔ لکھنوی (ص۲)۔

ہر خطبہ میں متعلقہ مہینہ کے مناسب احکام وفضائل درج کئے ہیں[۱]۔

یہ تمام خطبات بروز چہارشنبہ ۳/ جمادی الآخرة ۱۳۰۳ھ میں کتابی شکل میں سامنے آئے اور مطبع یوسفی سے ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئے۔

☆تاریخ وتراجم

(٦٦) تبصرة البصائر في معرفة الأواخر:

علامہ لکھنوی[۲] اور محمد عبدالباقی انصاری نے اسی نام سے ذکر کیا ہے[۳]۔

مولانا حفیظ بندوی کہتے ہیں: یہ نہایت عمدہ تصنیف ہے جو شرمندۂ تکمیل نہ ہوئی، علامہ نے اس میں ہر اس لفظ کو جمع فرمادیا جس میں ''آخر'' کا لفظ شامل ہے جس طرح علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ''الأوائل'' میں ان تمام کلمات کو شمار کرایا ہے جن میں ''الاول'' کا لفظ ہے، اس کتاب کے ''کتاب الصلاۃ'' کا یہ جملہ دیکھیں: آخر المساجد مسجد النبی ﷺ كما ورد في صحيح مسلم: إني آخر الأنبياء ومسجدي آخر المساجد، **نورالدین سمہودی کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء کی آخری مسجد ہے ورنہ مسجد نبوی اس امت کی پہلی مسجد ہے، اسی طرح لکھتے ہیں:** آخر ما كان من أمر القبلة هو التحويل إلى الكعبة، **قبلہ کا سب سے آخری معاملہ یہ تھا کہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اور لکھتے ہیں** " آخر من صلى خلفه النبي ﷺ أبو بكر الصديق" **سب سے آخری شخص جس کے پیچھے نبی ﷺ نے نماز**

---

[۱] اللطائف المستحسنة۔ لکھنوی (ص۳)۔

[۲] **دیکھئے: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، لکھنوی، (ص۱۵۲)، ظفر الأمانی، لکھنوی، (ص۳۱۰)۔**

[۳] دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص۴۱)۔

پڑھی وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں[۱]۔

علامہ نے محض واقعات بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ احادیث و آثار اور اقوال صحابہ و علماء سے استدلال بھی کیا ہے اور ابواب وعناوین قائم کئے ہیں۔

مؤلف کے خط کا مرقومہ ایک نسخہ بشکل مسودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۵۱۱/۳۳ موجود ہے، جس کا نام "كتاب الأواخرفي أخبار الأنبياء والحكماء" ہے۔

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ کسی ایک کتاب کے متعدد نام ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ علامہ اکثر تر کتاب کا ایک نام ذکر فرماتے ہیں پھر تکمیل کے بعد دوسرا نام تجویز کر دیتے ہیں جو ان کے نزدیک پہلے سے بہتر ہوتا ہے لہٰذا ایک کتاب کے کئی نام ہو جاتے ہیں اور یہ معاملہ علامہ کی دوسری کتابوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔

(٦٧) التعليقات السَنِيّة على الفوائد البهية:

یہ مؤلف کی کتاب "الفوائد البهية" کا تشریحی اضافہ ہے جس میں بعض اسماء سے ابہام وغموض کا ازالہ اور ان بعض علماء کے حالات زندگی کا اضافہ ہے جو اصل کتاب میں شامل نہیں ہیں ایسے ہی بہت سی کتابوں اور ان کے مصنفین کا تعارف، اسماء اور کنیتوں کے سلسلہ میں بعض علماء کی لغزشوں پر تنبیہ اور سب سے اخیر میں خود علامہ کے مختصر حالات زندگی شامل ہیں۔

بروز یک شنبہ جمادی الآخرہ ۱۲۹۳ھ اس کام سے فارغ ہوئے، یہ حاشیہ ہندو بیرون ہند "**الفوائد البهية**" کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

---

[۱] دیکھئے: کنزالبرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص ۲۵، ۲۶)۔

(٦٨) تحفة الأمجاد بذكر خير الأعداد:

مولانا محمد قیام الدین نے ''آثار الأول'' [1] اور الطاف الرحمٰن نے ''احوال علماء فرنگی محل'' [2] میں اس کا تذکرہ کیا ہے، محمد حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ یہ رسالہ مکمل نہیں ہوا [3]۔

(٦٩) خير العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل:

مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں علامہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے یہ آپ کے موسوعہ ''إنباء الخلان'' کا ایک جز ہے، یہ کتاب پائے تکمیل کو نہیں پہونچی [4]۔

(٧٠) دفع الغواية عمن يطالع شرح الوقاية: یعنی: مقدمة السعاية:

محمد عبد الباقی لکھنوی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسے علامہ لکھنوی کی ایک مستقل تصنیف قرار دیا ہے [5]۔

حمد وثنائے باری سے آغاز ہوتا ہے پھر مقصد تالیف کا ذکر ہے۔

علامہ نے اسے چھ افادات پر تقسیم کیا ہے، افادہ اول میں الوقایہ کے مصنف، شارح وقایہ صدر الشریعۃ اور مصنف وشارح دونوں کے آباء واجداد کے حالات زندگی اور نسب وخاندان کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں مختلف اقوال بھی جمع کردئے ہیں، افادہ دوم میں وقایہ کے دیگر بہت سے شارحین ومحشین وغیرہ کے حالات ہیں، افادہ سوم میں

---

[1] دیکھئے: آثار الأول من علماء فرنگی محل، (ص۲۴)۔

[2] دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمٰن (ص۶۴)۔

[3] دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص۲۳)۔

[4] مقدمہ عمدۃ الرعایۃ، لکھنوی، (ص۳۰)۔

[5] حسرة الفحول، محمد عبد الباقی، (ص۲۷)۔

صدر الشریعہ کی شرح وقایہ کے محشی حضرات کے حالات ہیں، افادہ چہارم میں ان کتابوں کا ذکر ہے جس کا نام شرح وقایہ میں آیا ہے گویا علامہ تمام اہم مصادر کو ان کے مصنفین کے حالات وسوانح کے ساتھ جمع کر دینا چاہتے ہیں، افادہ پنجم میں شرح وقایہ میں مذکور رجال کے تراجم اور انساب کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا ہے، افادہ ششم میں صدر الشریعہ کی النقایہ مختصر الوقایہ کے شارحین ومحشین کا تذکرہ ہے۔

خاتمہ میں خود اپنے حالات زندگی رقم کئے ہیں، وہ اس تالیف سے شب پنجشنبہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ میں فارغ ہوئے، سعایہ کے ساتھ یہ مقدمہ ایک جلد میں مطبع مصطفائی سے ۱۳۰۷ھ میں طبع ہوا، پھر ۱۹۷۶ء اور ۱۹۸۷ء میں مطبع دی کاروان پریس پاکستان سے چھپا۔

(۱۷) ایک رسالہ متقدم ہندوستانی علماء کے حالات زندگی میں:

"مقدمہ عمدۃ الرعایۃ" میں اس کا ذکر ہے یہ ان کے موسوعہ "إنباء الخلان بأبناء علماء هندوستان" کا جزء ہے یہ رسالہ بھی مکمل نہیں ہوا[۱]، علامہ لکھنوی نے "التعليق الممجد" کے مقدمہ میں رسالہ في تراجم فضلاء الهند" کے نام سے ذکر کیا ہے[۲]۔

محمد عبد الباقی نے اس رسالہ کو تین رسائل کے مجموعہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور اس رسالہ میں فضلائے ہند کے حالات زندگی درج ہیں، کتاب کا بڑا حصہ تیرہویں صدی کے علماء کے سوانح پر مشتمل ہے اور علماء فرنگی محل کے حالات تحریر ہیں پھر آگے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ مکمل نہیں ہوا[۳]۔

---

[۱] مقدمہ عمدة الرعاية، لکھنوی (ص ۳۰)۔ [۲] مقدمہ التعليق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۹)۔

[۳] تکملة خير العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل، محمد عبد الباقی، (ص ۴۷)۔

مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوا کہ اس رسالہ کے دو نام ہیں،(۱) رسالة أخرىٰ في تراجم السابقين من علماء الهند، (۲) رسالة في تراجم فضلاء الهند۔

(۷۲) رسالة في معرفة الأوائل:

مولانا محمد عبدالباقی انصاری نے اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔

(۷۳) طرب الأماثل بتراجم الأفاضل:

بسم اللہ اور حمد باری کے بعد سبب تالیف ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسالہ "الفوائد البهية في تراجم الحنفية" اور "التعليقات السنية" کے بعد قید تحریر میں لایا گیا ہے۔

علامہ نے خطہ ذکر کیا ہے جو دو سفر (کتاب) پر منقسم ہے، سفر اول: مختلف مذاہب کے علماء کی سوانح اور ان کی تالیفات کے تذکرہ پر مشتمل ہے، ان میں علماء احناف کی تعداد زیادہ ہے۔

سفر دوم: مشہور مؤلفات کے طریق واسلوب اور ان کے مصنفین کے حالات زندگی پر حاوی ہے، دونوں سفر میں تکرار معلومات ہے لیکن وہ کسی نئے فائدہ سے خالی نہیں، علامہ نے سفر اول کو مستقل کتاب کی شکل میں ''طرب الأماثل'' کے نام سے شائع کیا اور سفر دوم کو "فرحة المدرسين" کا عنوان دیا[۲]، اس کتاب میں مذکور علماء کی تعداد ۳۹۹ر کے قریب پہونچ گئی ہے جن میں احناف ودیگر شامل ہیں۔

اس تالیف سے بروز چہار شنبہ ۳ر صفر ۱۲۰۳ھ میں فارغ ہوئے یہ رسالہ جس

---

[۱] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۴۱)۔

[۲] دیکھئے: طرب الأماثل لکھنوی، (ص ۱۷۷)، (مجموعہ چھ رسائل)۔

کی ضخامت ۱۳۹ر صفحات ہے چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی میں ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا۔

(۷۴) فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين:

مقدمہ "طرب الأماثل" [۱] میں اس کا ذکر ہو چکا ہے، محمد عبدالباقی اس کتاب کے پہلے صفحہ میں کہتے ہیں: جب علامہ "الفوائد البهية في تراجم الحنفية" اور "التعليقات السنية" کی تالیف سے فارغ ہوکر علماء کے تراجم اور معتبر و معتمد تالیفات کے احوال جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، تو مؤلف اس کا مقدمہ بھی نہیں لکھ سکے طباعت اور نشر واشاعت تو بعد میں ہونی تھی اور حاشیہ میں لکھا کہ علامہ اس تالیف سے یکم ربیع الاول بروز چہارشنبہ ۱۳۰۳ھ میں فارغ ہوئے [۲]۔

علامہ نے اس کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے، حرف ھاء تک پہنچے ہی تھے کہ قضا آ گئی، وہ موضوع اور مؤلفات کے تعلق سے ایک فکر دیتے تھے، میں نے اس کتاب کو دیکھا تو مجھے ان کی وسعت علمی کا اندازہ ہوا کہ وہ کثرت سے کتابوں سے عبارت نقل کرتے ہیں۔

مؤلف کے خط کا ایک نسخہ نمبر نمبر ۵۴۹/۱۷ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں رکھا ہے۔

(۷۵) الفوائد البهية في تراجم الحنفية:

حمد وثنائے باری کے بعد علامہ نے فن رجال کی اہمیت اور ان کتابوں کا ذکر

---

[۱] دیکھئے: مقدمہ طرب الأماثل في تراجم الأفاضل، لکھنوی، (ص۱۷۶)۔

[۲] فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين، لکھنوی، (ص۱، مخطوطہ)۔

کیا جو وہ پہلے اس موضوع میں لکھ چکے ہیں، یہ کتاب علماء احناف کے تراجم پر مشتمل ہے در حقیقت یہ کتاب محمود بن سلیمان کفوی [۱] کی ''طبقات الحنفیہ'' کی تلخیص ہے جس میں علامہ نے اضافہ کیا ہے لکھتے ہیں کہ میں نے تراجم فقہا کو کسی متعلق بات کو حذف کئے بغیر ملخص کیا ہے غیر متعلقہ فوائد اور اولیاء وصلحاء کا تذکرہ جن پر تصنیفات کی کمی نہیں حذف کر دئے ہیں، تلخیص کے بعد اس موضوع کی دیگر کتابوں سے عمدہ فوائد و نکات کا ''قال الجامع'' کہہ کر اضافہ کیا اور جس ترجمہ میں ''قال الجامع'' نہیں لکھا گیا ہے اسے اصل سمجھا جائے گا اور جس ترجمہ میں ''قال الجامع'' مذکور ہے تو اس سے پہلے اصل اور اس کے بعد اس جامع ومرتب کی طرف سے سمجھا جائے اور تراجم کی ترتیب حروف معجم پر رکھی گئی ہے تا کہ استفادہ میں سہولت ہو اور تسہیل کامل ہو [۲]۔

محمد عبد الباقی کہتے ہیں: علامہ نے حق کا احقاق، باطل کا ابطال اور تصنیفات کی نسبت سے کفوی کی لغزشات اور موالید و وفیات میں اختلاف ائمہ اور کتب انساب سے نسب کا ضبط فرمایا ہے، قدیم فقہاء کی توثیق وتضعیف کو واضح کیا ہے اور اس مسائل کو خوب محقق کیا اور دلائل و براہین قائم کئے ہیں [۳]۔

علامہ نے ایک مقدمہ سے بات شروع کی ہے جس میں اختصاراً تقلید ائمہ اور طبقہ مقلدین کا جائزہ لیا ہے پھر اصل کتاب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، ۵۸۰ر فقہا و علما کے حالات لکھے ہیں جن میں اکثر احناف اور کچھ شوافع و مالکیہ ہیں [۴]۔

---

[۱] محمود بن سلیمان الکفوی، حنفی، فقیہ وقاضی، وفات ۹۹۰ھ، تصنیفات میں: أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار، قابل ذکر ہیں، دیکھئے: معجم المؤلفین ۱۲ر۱۶۷)۔

[۲] الفوائد البهية، لکھنوی، (ص۴)۔

[۳] حسرة الفحول، محمد عبد الباقی، (ص۲۲)۔

[۴] الفوائد البهية، لکھنوی، (ص۲۳۳)۔

خاتمہ دو فصلوں پر منقسم ہے فصل اول ان علماء کے تعارف میں ہے جن کے نام کتب احناف میں مبہم اور غیر واضح طور سے آئے ہیں۔

فصل دوم میں اسماء، کنیت اور القاب وانساب سے متعلق متفرق فوائد جمع کردئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف بروز شنبہ ۱۱رصفر ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئی، یہ کتاب "التعليقات السنية" کے ساتھ کئی بار ہندوستان سے طبع ہوچکی ہے، ۱۳۲۴ھ میں مصر کے مطبعۃ السعادۃ سے طبع ہوئی یہ ۲۴۹رصفحات پر مشتمل ہے پھر دارالمعارف بیروت میں اس کا عکسی ایڈیشن شائع ہوا۔

(۷۶) مذيلة الدراية لمقدمة الهداية:

بسملہ اور حمد باری کے بعد لکھتے ہیں: اس رسالہ کا نام " مذيلة الدراية لمقدمة الهداية" ہے جس میں کچھ ہدایات ہیں جو ایک طالب علم کے لئے کافی وشافی ہیں میں نے اس رسالہ کو اپنی سابقہ کتابوں کا ضمیمہ اور تتمہ کے طور پر لکھا ہے [۱]۔

علامہ نے اس مقدمہ کو چند ہدایات پر تقسیم کیا ہے، ہدایت اول ان علماء کے تراجم پر مشتمل ہے جن کا تذکرہ ہدایہ اولین میں مذکور ہے اس سلسلہ میں التهذيب، تهذيب التهذيب، الإصابة، تهذيب الأسماء، اللغات نووی اور شروحات ہدایہ سے استفادہ کیا ہے [۲]۔

اس مقدمہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور علماء کے حالات زندگی حروف تہجی کی

---

[۱] مذيلة الدراية لکھنوی (ص۳)۔

[۲] مذيلة الدراية لمقدمة الهداية، لکھنوی (ص۳)۔

ترتیب سے ناموں اور نسبتوں میں واقع اختلاف کی تصریح کے ساتھ مختصراً جمع فرمادئے ہیں۔

ہدایت دوم میں ان بعض مبہم، پیچیدہ مقامات کی تشریح ہے جو ہدایہ کے نصف اول میں آئے ہیں جیسے "فصل البئر "میں لکھا ہے:"أنه عليه الصلاة و السلام أمر العرنيين بشرب أبوال الإبل و ألبانها"[۱]۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں" میرا کہنا ہے کہ کتاب الجہاد میں بخاری کی روایت میں واقع ہے کہ "عُکل" جو تیم رباب کی ایک شاخ ہے کی ایک جماعت اور ایک دوسری روایت کے مطابق عرینہ کے کچھ لوگ اور ایک تیسری روایت میں عُکل اور عرینہ دونوں کے لوگوں کا تذکرہ ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے یہی آخرالذکر قول درست ہے[۲]،اس کی تائید ابوعوانہ اور طبری کی روایت سے ہوتی ہے، جو بروایت سعید عن قتادہ ہے وہ کہتے ہیں یہ عرینہ کے چار اور عکل کے تین آدمی تھے، اگر تم اعتراض کرو کہ یہ بخاری کی جہاد والی روایت کے مخالف ہے جس میں عُکل سے ۸/آدمیوں کا ہونا مذکور ہے، تو میں کہوں گا ممکن ہے کہ آٹھواں شخص کسی تیسرے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو جو ان کے ساتھ ساتھ آیا اور ابن اسحاق کے بقول یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمادی الاولی ٦ھ میں آئے"[۳]۔

یہاں علامہ نے حدیث کی تمام روایت کو جمع کر کے ان اشکالات کا ازالہ فرمایا جو بعض روایات کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں، یہی ماہرین علم وفن کا طرز وطریق

---

[۱] الهداية للمرغيناني، (٤٢/١) مطبوعہ پاکستان۔

[۲] فتح الباري شرح صحيح البخاري، (۳۳۷/۱) كتاب الوضوء، (۴۵۸/۸)، كتاب المغازي۔

[۳] مذيلة الدراية لمقدمة الهداية، لکھنوی (ص۸)۔

ہوتا ہے اسی طرح ہدایہ میں وارد بعض غیر واضح ناموں کی وضاحت کے ساتھ ان کا تعارف بھی کرایا ہے۔

ہدایت سوم میں ہدایہ میں مذکور قبائل جیسے بنو حنیفہ، بنو ہاشم اور بنو طالب وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ قبیلے ان شخصیات سے نسبت رکھتے ہیں۔

ہدایت چہارم میں ہدایہ میں پیش آمدہ جگہوں اور شہروں کا تعارف کرایا ہے۔

ہدایت پنجم ہدایہ نصف اول میں واقع مصنف کے تسامحات کے بیان کے لئے مختص ہے، جیسے باب صلاۃ الجنائز میں صاحب ہدایہ کہتے ہیں: اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یعنی ''بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ'' کہا جب ابو دجانہ کو قبر میں اتارا [۱]۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں: یہ غلط ہے کیونکہ ابو دجانہ کی وفات وصال رسول ﷺ کے بعد جنگ یمامہ کے موقع پر عہد خلافت صدیقیہ میں ۱۲ھ میں ہوئی جیسا کہ واقدی کتاب الردۃ میں بیان کیا ہے، یہی زیلعی کا بھی قول ہے، اس طرح علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ نہایت غلط وہم ہے، کیونکہ ابو دجانہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ہیں، جیسا کہ طبرانی نے معجم میں محمد بن اسحاق سے اس واقعہ کی سند بیان کی ہے، اور اس واہمہ کا سبب اندھی تقلید ہے، کیونکہ شیخ الاسلام سرخسی نے مبسوط میں اور صاحب البدائع نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور جس صحابیؓ کو اللہ کے رسولؐ نے قبر میں اتارا تھا وہ عبداللہ ذو البجادینؓ ہیں جن کی وفات غزوہ تبوک میں ہوئی [۲]۔

پھر علامہ لکھنوی عینی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینیؒ کی یہ بات صحیح

---

[۱] الهداية، مرغيناني، (۱۸۲/۱)۔ [۲] مذيلة الدراية، لکھنوی (ص۱۳) اور دیکھئے: الدراية في تخريج أحاديث الهداية لابن حجر على حاشية الهداية، (۱۸۶/۱، ۱۸۷)۔

ہے کہ اس واہمہ کا سبب تقلید ہے، لیکن عینی نے خود بھی "منحة السلوك شرح تحفة الملوك" میں صاحب ھدایہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کا قول ذکر کیا ہے اوران سے چوک ہوئی ہے اور ذوالبجادینؓ کی تدفین کا واقعہ "حلية الأولياء" وغیرہ میں منقول ہے [۱]۔

اسی طرح علامہ لکھنوی ایسی لغزشوں اور اوہام کا تعاقب کرتے ہیں، اور صحیح بات واضح کرتے ہیں، علمائے احناف اور دیگر کی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھتے ہیں۔

اس رسالہ کو بروز شنبہ ۱۶/ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ کو مکمل کیا۔

یہ رسالہ جو بڑے اور چوڑے سائز کے گیارہ صفحات پر مشتمل ہے ہدایہ کے تمام ہندوستانی نسخوں کے شروع میں شامل ہے۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ جو مؤلف کا تحریر کردہ ہے اور فل سائز کے ۳۳/ صفحات پر مشتمل ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی میں ۹۷/۱۷/۳ نمبر سے محفوظ ہے۔

(۷۷) مقدمة التعليق الممجد:

یہ ایک گراں قدر علمی مقدمہ ہے جو بہت سے علوم کا امین ہے، مقدمہ کا آغاز بسم اللہ اور حمد باری سے ہوتا ہے، پھر شرح موطأ محمد کے سبب کا بیان ہے علامہ کہتے ہیں: "موجودہ زمانہ میں ہمارے ملک میں یحیٰ اندلسی اور محمد بن حسن شیبانی کے دو نسخے بہت مشہور ومقبول ہیں آخر الذکر نسخہ کی شرح بہت سے متقدمین ومتأخرین علماء نے کی ہے، جب کہ محمدؒ کے نسخہ کی شرح پیری زادہ اور علی قاری صرف دو فاضلین نے لکھی ہے، اور میں

---

[۱] مذيلة الدراية، لکھنوی (ص ۱۳)، اور دیکھئے: الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر عسقلاني (۹۹/۲)۔

ایک تیسرا ٹھہرا اور دوسری وجہ یحییٰ کے موطأ پر نسخۂ محمد کا کئی وجوہ سے راجح ہونا رہا ہے [1]۔

علامہ نے اس مقدمہ میں اپنا طریقۂ کار تو ذکر کیا ہی ہے، تدوین حدیث پر گفتگو کے ساتھ فضائل موطأ، امام مالک کے حالات، موطأ کے نسخے اور ان کے شارحین نیز امام ابو یوسفؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے حالات زندگی بھی شامل کیے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا دفاع بھی کیا ہے پھر موطأ محمد، موطأ یحییٰ کے درمیان موازنہ کرتے ہیں اور کئی وجوہ سے امام محمد کی روایت کو راجح قرار دیتے ہیں، اسی طرح موطأ محمد میں درج احادیث اور آثار کی تعداد بلحاظ ابواب و کتب اور موطأ میں امام محمد کا طریقۂ کار بھی ذکر کیا ہے۔

فل سائز کے ۱۴۱ ر صفحات پر مشتمل یہ مقدمہ "التعلیق الممجد" کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(۷۸) مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية:

بسم اللہ اور حمد باری کے بعد وقایہ کی شرح کا سبب بیان کیا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آچکا، یہ مقدمہ بھی بیش قیمت اہم فوائد پر مشتمل ہے جسے علامہ لکھنوی نے چند دراسات پر تقسیم کیا ہے، دراسہ اول میں علم فقہ کے رواج وشیوع کی تاریخ اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب خصوصاً مذہب ابوحنیفہ پر گفتگو کی ہے، دراسہ دوم میں اختصار کے ساتھ علماء احناف کے پانچ طبقات کا ذکر ہے، دراسہ سوم میں مذہب امام ابوحنیفہؒ کے متعلق مسائل کے تین طبقات بیان فرمائے ہیں۔

طبقۂ اول میں مسائل اصول ہیں اور ظاہر الروایہ کے مسائل ہیں جو امام محمد کی کتابوں جیسے "المبسوط" اور "الجامع الکبیر والصغیر" وغیرہ میں آئے ہیں،

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: التعليق الممجد، (ص٤٦)۔

طبقۂ دوم میں مسائل غیر ظاہر یہ الروایہ ہیں یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد کی دیگر کتابوں جیسے ''الکیسانیات'' وغیرہ یا حسن بن زیاد وغیرہ کی کتابوں میں آئے ہیں، طبقۂ سوم میں فتاویٰ ہیں جنہیں ''الواقعات'' کا نام دیا گیا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جنہیں امام محمد کے متأخرین اصحاب وتلامذہ اور دیگر علماء نے ان واقعات کے سلسلہ میں مستنبط فرمایا جن میں ائمۂ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی، دراسہ چہارم میں علامہ نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن پر مفتی اور مصنف کا اعتماد ہوتا ہے اور ان کتابوں کا ذکر جن پر اعتماد کرنا غیر مناسب ہے، یہ سب فقہ حنفی سے متعلق ہے، دراسہ پنجم میں بعض اصول احناف کا ذکر ہے، جو احناف کی بعض کتابوں میں آئے ہیں، اور کچھ فقہی اصطلاحات کی توضیح بھی ہے، دراسہ ششم میں مصنف الوقایہ اور شارح وقایہ اور ان کے آباء واجداد کے حالات وانساب کا تذکرہ ہے، علامہ نے یہ چیزیں سعایہ کے مقدمہ میں بھی ذکر کی ہیں، دراسہ ہفتم میں شارحین وقایہ کے حالات ہیں، دراسہ ہشتم میں علامہ لکھنوی نے شرح وقایہ پر حواشی لکھنے والوں کا ذکر کیا ہے، اور خود کو شرح وقایہ کے محشین میں رکھا ہے، دراسہ نہم ''وقایہ'' اور شرح وقایہ میں مذکور علماء اعلام کے سوانح کے لئے مخصوص ہے۔

یہ مقدمہ فل سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، جو " **عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية**'' کے ساتھ بارہا ہندوستان سے طبع ہوا ہے۔

(۷۹) مقدمة الهداية:

بسم اللہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: حامداً ومصلیاً! عرض کرتا ہوں کہ یہ رسالہ مسائل ہدایہ کے فہم وادراک میں بصیرت عطا کرتا ہے، پھر علامہ نے مقدمہ کا اور

موضوعات ذکر کئے ہیں، جنہیں ٦ / ہدایات پر تقسیم کیا ہے۔

ہدایت اول میں مؤلف ہدایہ کے حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر ہے، ہدایت دوم میں صاحب ہدایہ کے طریقۂ کار کا تذکرہ ہے، اس میں وہ اہم باتیں ہیں جن کا جاننا ہر اس طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے جو اس کتاب سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔

انہیں باتوں میں علامہ لکھنوی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب صاحب ھدایہ "قال رضی اللّٰہ عنه" فرماتے ہیں تو خود کو مراد لیتے ہیں اور جب "قال مشائخنا" کہتے ہیں تو علماء ماوراء النہر، بخارا و سمرقند مراد ہوتے ہیں، "عند فلان" فلاں کا مسلک بتاتے ہیں[1] اور "عن فلان" کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ فلاں سے روایت ہے، اس طرح علامہ لکھنوی نے ھدایہ کے بہت سے مشکل مقامات حل کر دئے ہیں۔

ہدایت سوم کو ہدایہ کے نصف اخیر میں واقع بعض تسامحات کے بیان کے لئے مخصوص کیا ہے، جیسے صاحب ھدایہ نے خرید و فروخت میں ذمیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کے مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، " **فأعلمهم أن لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين** " تو یہ بتایا کہ ان کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کے فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں[2]۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں: یہ اشارہ کاتب کے قلم کا سہو ہے، علامہ زیلعی کا بیان ہے میں اس حدیث کو نہیں جانتا جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے[3]،

---

[1] دیکھئے: مقدمة هداية، لكهنوى، (ص ۳۰۲)۔ [2] الهداية، مرغيناني (۱۰۲/۳)، کتاب البیوع۔

[3] مقدمة هداية لکھنوی، (ص ۳)۔ دیکھئے: نصب الراية، زيلعي (۵۵/۴)، دوسرا ایڈیشن المكتب الإسلامي بيروت، ۱۳۱۳ھ۔

ابن حجر کہتے ہیں میں نے حدیث کواس طرح نہیں پایا[1]، علامہ لکھنوی نے اس ہدایت میں صاحب ہدایہ کے حدیثی فقہی اور دیگر ۸؍تسامحات کی نشاندہی کی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے علماء سابقین کے اقوال پر اعتماد کیا ہے۔

ہدایت چہارم میں علامہ نے کتب احناف کی بعض مستعمل مشہور فقہی اصطلاحات کی مراد ومنشا معین کی ہے۔

ہدایت پنجم میں ہدایہ کے نصف اخیر میں مذکور علماء کی سوانح لکھی ہے۔

ہدایت ششم میں علامہ نے اپنے استاذ سید احمد بن زینی دحلان مکہ مکرمہ سے حاصل شدہ ہدایہ کی سند اجازت کا ذکر کیا ہے جو انہیں ذی القعدہ ۹ ۱۲۷ھ میں حاصل ہوئی تھی، اور اپنے استاذ سے صاحب ہدایہ تک کا سلسلہ لکھا ہے۔

اس تالیف سے علامہ لکھنوی ماہِ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ میں فارغ ہوئے، یہ مقدمہ جوفل سائز کے ۱۵؍صفحات پر مشتمل ہے ہدایہ اخیرین کی ابتداء میں شامل ہے۔

(۸۰) النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير:

بسم اللہ اور حمد کے بعد علامہ نے موضوع کی اہمیت اور سبب تالیف بیان کیا ہے کہ ''بعض احباب نے امام محمد کی کتاب جامع صغیر پر ایک مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جو اساتذہ وطلبہ دونوں کے لئے یکساں مفید ہو، جس میں اس کے مؤلف، ان کے دونوں استاذ وفقہاء اور تصانیف کے طبقات کے ذکر کے ساتھ ان کی کتابوں کے امتیازات اور ان کے عظیم المرتبت شارحین کے حالات زندگی بھی درج کئے گئے ہوں، میں نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس مقدمہ میں ان تمام امور کو چند فصلوں

---

[1] الدراية في تخريج أحاديث الهداية مع الهداية، ابن حجر (۱۰۲/۳)۔

میں جمع کر دیا ہے'' [۱]۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: یہ عمدہ نکات اور فقہی حواشی پر مشتمل ایک قابل قدر رسالہ ہے [۲]۔

علامہ نے اس مقدمہ کو چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے، فصل اول میں طبقات فقہاء اور کتب احناف کے ساتھ علم وفن کے شیوع ورواج، بعض معتمد اور غیر معتمد فقہاء کے تذکرے کے ساتھ فقۂ حنفی کی معتمد کتابوں پر گفتگو شامل کی ہے۔

فصل دوم میں جامع صغیر کی اہمیت وخصوصیات مذکور ہیں۔

فصل سوم میں ائمہ ثلاثہ محمدؒ، ابو یوسفؒ اور ابوحنیفہؒ کے مناقب وفضائل درج ہیں۔

فصل چہارم شرح جامع صغیر اور اس کے مرتبین کے تذکرے کے لئے خاص ہے۔

اور خاتمہ میں علامہ نے خود اپنے مختصر حالات زندگی لکھے ہیں اور خود کو جامع صغیر کے شارحین کی فہرست میں رکھا ہے۔

یہ مقدمہ بروز شنبہ ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۱ھ میں مکمل ہوا۔

اوسط سائز کے صفحات کا یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں مطبع دبدبہ احمدی سے طبع ہوا، پھر ۱۳۲۳ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپا۔

(۸۱) النصيب الأوفر في تراجم علماء المائة الثالثة عشر:

اس کا تذکرہ علامہ نے عمدۃ الرعایہ [۳] کے مقدمہ میں کیا ہے، یہ ان کی تصنیف ''إنباء الخلان'' کا ایک جزء ہے جو منزل تکمیل تک نہیں پہنچا [۴]۔

---

[۱] النافع الكبير، لکھنوی (ص ۹۴)، مجموعہ چھ رسائل۔ [۲] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۴)۔

[۳] عمدة الرعاية في شرح الوقاية، لکھنوی (ص ۳۰)۔ [۴]: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۷)۔

☆سیر وسوانح

(۸۲) حسرة العالم بوفاة مرجع العالم:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز کیا گیا ہے: اے وہ ذات جس نے خود کو بقا سے موصوف کیا اور مخلوق کے لئے فنا مقدر کیا، اپنے حبیب ﷺ پر رحمت وسلام نازل فرما جو تمام برگزیدہ لوگوں کے سردار ہیں، اور آپ ﷺ کے آل رضی اللہ عنہم واصحاب رضی اللہ عنہم پر رحمت نازل فرما جو ہدایت وراہ یابی کے نجوم وکواکب ہیں۔

علامہ نے اس رسالہ میں اپنے والد عبدالحلیم انصاری کے حالات زندگی اور مناقب وفضائل قلمبند کئے ہیں، نام،نسب ،خاندان، نسبت، ولادت، نشو ونما، اساتذہ، اسفاراور وہ عہدے جو ان کو حاصل ہوئے، اسی طرح وہ اجازتیں جو معقولات ومنقولات میں جلیل المرتبت علماء سے ان کو ملیں؛ سب کا تذکرہ ہے، پھر وفات، اور علامہ کی کتب ورسائل کا بیان ہے۔

بروز دوشنبہ ۲۹/ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ اس سوانح سے فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا، اس سے پہلے مطبع یوسفی سے طبع ہو چکا تھا، کل ضخامت ۲۶/صفحات ہے۔

(۸۳) درک المآرب في شأن أبي طالب:

اس رسالہ کا تذکرہ مولانا محمد قیام الدین نے "آثار الأول" [1] اور مولانا الطاف الرحمٰن نے " أحوال علمائے فرنگی محل" [2] میں کیا ہے، بندوی کا بیان ہے کہ یہ رسالہ مکمل نہ ہوسکا [3]۔

---

[1] دیکھئے: آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص۲۴)۔ [2] دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمٰن، (ص۶۴)۔ [3] دیکھئے: کنز البرکات، بندوی، (ص۲۳)۔

☆ موالید ووفیات

(۸۴) إبراز الغي الواقع في شفاء العَي: دوسرانام ''**حفظ أهل الإنصاف عن مسامحات الحطة و الإتحاف**''۔

اس رسالہ میں حمد باری تعالیٰ کے بعد علامہ لکھنوی نے سید صدیق حسن خان سے اپنے مناظرہ اوراس جیسے علمی مناظروں کے فوائد کا تذکرہ کیا ہے، پھر نواب صدیق حسن خان اوران کے مؤیدین کی طرف سے ہونے والے تعاقبات وتردیدات اوران اسباب وعوامل کا ذکر کیا ہے، جو اس کتاب کے لکھنے کا محرک بنے، آئندہ صفحات میں ہم صدیق حسن خان کے ساتھ علامہ لکھنوی کے مناظروں کا احوال لکھیں گے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس رسالہ میں علامہ نے عالم فطین نواب صدیق حسن خاں کے تسامحات پر گرفت کی ہے جوان کے متفرق رسائل میں مذکورسوانحات میں ان کے خامہ سرزد ہوئی ہیں[1]۔

علامہ نے ایک نشست میں بروز یکشنبہ ۹ /شعبان ۱۲۹۷ھ کو یہ رسالہ مکمل کر لیا، جو مطبع انوار محمدی میں ۶۴ /صفحات پر ۱۳۰۱ھ میں طبع ہوا۔

(۸۵) تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد: یعنی **ظفر المنية بذكر أغلاط صاحب الحطة:**

یہ رسالہ بھی علامہ نے نواب صدیق حسن خان کے رد میں قلمبند کیا، مندرجہ ذیل اشعار سے آغاز فرمایا ہے:

ببسم الله والرحمٰن فُزنا	**قديماً والرجيم به قهرنا**

---

[1] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۷)۔

وهل تُغني جلادة ذی حفاظٍ　　　إذا يوماً لمعركة نزلنا

''اللہ اور رحمٰن کے نام کی برکت ہے جو ہمیں سابق میں کامیابی ملی اور اسی کی مدد سے ہم نے حریف کو زیر کیا، کیا غصہ ور تیز مزاج کی سختی وتندی سے بات بنے گی اگر ہم کسی دن معرکہ آراء ہوں''؟۔

پھر بسملہ اور حمد باری کے بعد مصنف نے اپنی ان تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو اس منظر نامہ میں پہلے لکھ چکے ہیں، اور ان امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جن پر اپنے سابقہ رسائل میں تنبیہ فرما چکے ہیں، پھر ان تعلیقات اور علمی مناظروں کا اصل مقصد بیان کیا ہے، پھر صراحۃً لکھا ہے کہ یہ رسالہ انہوں نے ''تبصرة الناقد برد كيد الحاسد'' کے جواب میں تالیف کیا ہے جس کو مولوی سہسوانی نے اپنے ایک شاگرد ابوالفتح عبدالنصیر کے نام سے ''**إتحاف النبلاء**'' اور ''**الحطة**'' کے مؤلف نواب صدیق حسن خاں کی جانب سے مرتب کیا ہے، اس میں علامہ نے نواب صدیق حسن خاں اور ان کے مؤیدین کی کتابوں میں واقع بہت سی علمی اور طباعتی غلطیوں پر تنبیہ تو کی ہی ہے، مزید نئے اعتراضات بھی پیش کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے شبِ سہ شنبہ ۹ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں فارغ ہوئے، ۴۴۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے چھپی۔

(۸۶) تنبيه أرباب الخبرة على مسامحات مؤلف الحِطة:

''غيث الغمام على حواشي إمام الكلام''[1] میں اس کا تذکرہ موجود ہے جسے علامہ نے نواب قنوجی اور ان کے موافقین کے نقد میں تالیف فرمایا اور علامہ

---

[1] غيث الغمام على حواشي إمام الكلام، لکھنوی، (ص ۸۲)۔

قنوجی کی کتابوں کی سو غلطیوں کی نشان دہی کی، یہ کتاب تذکرۃ الراشد کے ساتھ ۳۷/ صفحات پر محیط ۱۳۰۱ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

منطق وحکمت

(۸۷) الإفادة الخطيرة في مبحث نسبة سُبع عرض شعيرة:

اس رسالہ میں علامہ نے منطق کی ایک پیچیدہ بحث پر گفتگو کی ہے، محمد عبدالباقی کہتے ہیں: علامہ نے فاضل رومی[۱] کی کتاب شرح الجغمینی[۲] میں واقع اس بحث کو کہ بڑے سے بڑے پہاڑ کی بلندی کی نسبت ایک شعیرہ کے عرض کے ساتویں حصہ کی نسبت کے بقدر ہے، محقق کیا ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ اگر علامہ نے یہ رسالہ تصنیف نہ کیا ہوتا تو کوئی شخص اس پیچیدہ مسئلہ اور بحث سے واقف نہ ہوتا[۳]۔

۲۳/ صفر ۱۲۹۰ھ بروز دوشنبہ یہ تالیف مکمل ہوئی اور مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۲۶ھ میں چھپی، اس کی ضخامت فل سائز کے بیس صفحات ہے۔

(۸۸) تعليق الحمائل على تعليق السيد الزاهد المتعلق بشرح الهياكل:

---

[۱] احمد بن عبداللہ رومی، حنفی، قاضی زادہ کے نام سے مشہور ہیں، وفات ۱۱۹۷ھ، دیکھئے: مفتاح السعادۃ، طاش کبری زادہ، (۲۸۸/۱)۔

[۲] جغمینی سے مراد محمود بن عمر بن عمر ابو جغمینی، ماہر فلکیات ہیں، ۶۱۸ھ، دیکھئے: کشف الظنون، حاجی خلیفہ، (ص ۱۸۱۹)۔

[۳] دیکھئے: حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۹)۔

شہاب سہروردی [۱] نے حکمت میں ''ھیاکل النور'' ایک کتاب لکھی ہے جس کی شرح محقق جلال الدین دوانی [۲] کی ہے پھر میر زاہد ہروی [۳] وغیرہ بہت سے علماء نے اس پر حاشیہ لکھا ہے، علامہ لکھنوی نے شرح میر زاہد پر '' تعلیق الحمائل '' کے نام سے حواشی لکھے۔

یہ تعلیق رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض سے طبع ہوئی۔

(۸۹) التعليق العجيب لحل حاشية الجلال لمنطق التهذيب:

یہ حاشیہ جلال الدین پر تعلیق ہے جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے، یہ تعلیق ۱۲۸۴ھ میں مکمل ہوئی [۴]۔

مؤلف کے خط میں ایک نسخہ جوفل سائز کے ایک سو اکیس صفحات پر مشتمل ہے، شعبہ مخطوطات فرنگی محل مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں نمبر ۱۸۶/۱۷۲ موجود ہے۔

(۹۰) تعليق على حاشية الزاهد شرح التهذيب للدواني:

علامہ نے اس کا تذکرہ '' النافع الكبير '' [۵] میں کیا ہے، اور یہ حاشیہ مطبع

---

[۱] شہاب الدین ابوالفتوح یحییٰ بن حبش بن امیرک سہروردی، وفات ۵۸۷ھ، حکیم، صوفی، متکلم، فقیہ، اصولی، دیکھئے: وفیات الأعیان، ابن خلکان، (۳۴۵/۲)، معجم الأدباء، حموی، (۳۱۴/۱۹)، شذرات الذهب، (ابن عماد ۲۹۰/۴)۔

[۲] جلال الدین محمد بن أسعد الدوانی الشافعی، وفات ۹۲۸ھ، حکیم، منطقی، مفسر، دیکھئے: الضوء اللامع، سخاوی، (۱۳۳/۷)، شذرات الذهب، ابن عماد (۱۶۰/۸)۔

[۳] محمد میر زاہد ہروی، منطقی، وفات، کابل ۱۱۰۱ھ، دیکھئے: معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، (۷۰/۱۲)۔

[۴] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۱)۔

[۵] النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔

نجم العلوم لکھنؤ سے ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوا ہے۔

(۹۱) تعليق على حواشي الزاهد على شرح المواقف:

"النافع الكبير" میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے [۱]۔

(۹۲) حاشیہ حواشی الزاہد رسالہ قطبیہ: اس کا تذکرہ بھی "النافع الکبیر" میں ہے [۲]۔

(۹۳) التعليق النفيس على خطبة شرح الموجز للنفيس:

محمد عبدالباقی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور یہ مکمل نہ ہو سکی [۳]۔

(۹۴) شرح هداية الحكمة، صدر شیرازی [۴] کے حواشی:

محمد عبدالباقی لکھنوی [۵] اور عنایت اللہ انصاری [۶] اور خود علامہ لکھنوی نے "النافع الکبیر" [۷] میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۹۵) تکملہ حل النفیس:

علامہ عبدالحلیم انصاری نے ابن النفیس [۸] کی کتاب "موجز القانون" کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے، اس شرح کو علامہ

---

[۱] النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔ [۲] ایضاً

[۳] حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۲)۔

[۴] صدرالدین محمد بن ابراہیم شیرازی وفات، ۱۰۵۰ھ، دیکھئے: ہدایۃ العارفین، بغدادی، (۲۷۹/۲)۔

[۵] دیکھئے: تكملة خير العمل، محمد عبدالباقی، (ص ۴۷)۔

[۶] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

[۷] النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔

[۸] برہان الدین نفیس بن عوض بن حکیم کرمانی، دیکھئے: معجم المطبوعات، سرکیس، (ص ۱۸۶۴)۔

عبدالحی نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا، ۸ا۱۲۸ھ میں مکمل کیا، مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ جو فل سائز کے ۱۳۰؍صفحات کو شامل ہے، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۵؍۶۰۷ نمبر سے موجود ہے۔

(۹۶) حاشیة بدیع المیزان:

علامہ نے اس کا تذکرہ مقدمہ عمدة الرعایة [۱] میں کیا ہے، مولانا محمد عبدالباقی لکھنوی کا کہنا ہے کہ یہ حاشیہ منزلِ تکمیل سے آشنا نہ ہوا [۲]۔

(۹۷) حاشیہ شرح التہذیب عبداللہ یزدی:

مولوی محمد عنایت اللہ انصاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے [۳]۔

(۹۸) حاشیہ شرح ملا جلال تہذیب المنطق:

یہ جلال الدین دَوانی کی شرح تہذیب المنطق کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ شرح ملا جلال کے ساتھ افضل المطابع دہلی میں ۱۲۸۱ء میں طبع ہوا۔

(۹۹) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ میبذی [۴]:

علامہ نے "النافع الکبیر" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۰۰) حاشیہ الشمس البازغۃ [۵]:

---

[۱] دیکھئے: مقدمہ عمدة الرعایة، لکھنوی، (ص۳۰)، اور مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص۲۹)۔

[۲] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۲۲)۔ [۳] تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص۱۳۲)۔

[۴] حسین بن معین المیبذي، حکیم، صوفی، نحوی، وفات ۸۷۰ھ، دیکھئے: معجم المؤلفین، کحالہ، (۴؍۶۳)۔

[۵] تالیف ملا محمود بن محمود فاروقی جونپوری، وفات ۱۰۶۲ھ، صاحب تاج العروس زبیدی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ہندوستان میں دو فاروقیوں کی مثال نہیں ملتی، ایک شیخ احمد سرہندی اور دوسرے ملا محمود، دیکھئے: سبحة المرجان في آثار ہندوستان (ص۵۳)۔

مولوی محمد عنایت اللہ انصاری نے[1] اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۰۱) حَل المغلق في بحث المجهول المطلق:

علامہ محبّ اللہ بہاری[2] نے ''سُلم العلوم'' نامی منطق میں ایک کتاب لکھی، جس میں مجہول مطلق کی دشوار اور ژولیدہ بحث شامل کی، علامہ لکھنوی نے محسوس کیا کہ یہ بحث مزید شرح وتوضیح کی طالب ہے، تاکہ قاری کما حقہ مستفید ہو، لہٰذا یہ کافی شافی شرح لکھی[3]۔

یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے چھپی ہے، مؤلف کے دست مبارک کا لکھا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے، جس کا نمبر ۱۱۰۸/۹۴ ہے۔

(۱۰۲) دفع الكلال عن طلاب تعليقات الكمال على الحواشى الزاهدية المتعلقة بحاشية التهذيب للجلال:

یہ حواشی تہذیب جلالیہ پر حواشی زاھد یہ سے متعلق حاشیہ مولوی کمال الدین لکھنوی کی شرح وتعلیق ہے۔

مؤلف کے خط کا ایک نامکمل نسخہ ۹/۷۷/۴ مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جو فل سائز کے ۸۳ صفحات پر مشتمل ہے، یہ حاشیہ

---

[1] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

[2] محبّ اللہ بن عبد الشکور بہاری، حنفی، فقیہ، اصولی، منطقی لکھنؤ اور حیدرآباد میں قضا کے عہدہ پر فائز رہے، ان کی تصنیفات میں ''مسلم الثبوت في أصول الفقه، اور سلم العلوم في المنطق'' وغیرہ ہیں، وفات ۱۱۱۹ھ، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبد الحی حسنی، (۲۵۰/۷)، ہدیۃ العارفین، اسماعیل پاشا، (۵/۱)۔

[3] دیکھئے: حسرۃ الفحول، محمد عبد الباقی لکھنوی، (ص ۲۱)۔

مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنو سے طبع ہوا ہے۔

(۱۰۳) علم الهدى على حواشي نور الهدى:

یہ علامہ عبدالحق خیرآبادی کی تردید میں تیسرا رسالہ ہے جس سے آپ ماہ صفر ۱۳۰۲ھ میں فارغ ہوئے اور یہ رسالہ ۱۳۰۲ھ میں ہی مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۱۰۴) الكلام المتين في تحرير البراهين:

علامہ نے اس رسالہ میں مسئلہ ''تناہی'' کولیا ہے اور لامتناہی کے ابطال کے دلائل دئے ہیں، علامہ اس تالیف سے ربیع الاول ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ بڑے سائز کے ۸۴ر صفحات پر مشتمل ہے جس کا ایک نسخہ نمبر ۲۰۸ر۹۰۷ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں رکھا ہوا ہے۔

(۱۰۵) الكلام الوهبي في حل بعض عبارات القطبي:

یہ معمولی ضخامت کا ایک رسالہ ہے جس کے بارے میں علامہ لکھنوی رقمطراز ہیں کہ میرے پاس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے علامہ قطب الدین رازی کی بعض عبارتوں سے متعلق کچھ سوالات آئے جو ''شرح الشمسیۃ معروف بہ قطبی'' کی تھیں، جن کے جواب میں ایک نشست میں یہ رسالہ مرتب کیا۔

مؤلف کے خط کا ایک نسخہ فل سائز کے ۳ر صفحات پر مشتمل مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۹ر۴۷۷ موجود ہے، یہ رسالہ مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۱۰۶) مصباح الدجى في لواء الهدى:

یہ حاشیہ غلام یحییٰ بہاری کا دوسرا حاشیہ ہے جس میں علامہ نے بہت سے

پیچیدہ اور غیر واضح مسائل کی شرح وتوضیح کا اضافہ کیا ہے۔

بروز دوشنبہ ۷/شوال ۱۲۸۸ھ اس تالیف سے فارغ ہوئے، فل سائز کے ۴۶۵/صفحات پر مشتمل ایک نسخہ فرنگی محل نمبر ۱۱۰۹/۹۵ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔

(۱۰۷) المعارف بما في حواشی شرح المواقف:

علامہ نے لکھا ہے کہ شرح المواقفکی عام باتوں سے متعلق حواشی زاہد یہ پر یہ میرے کچھ نوٹس ہیں لیکن یہ کام مکمل نہیں ہوا[۱]۔

مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ یہ حاشیہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا ہے علامہ کے خط کا لکھا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۹/۷۷ سے موجود ہے جس کی کل ضخامت فل سائز کے ۱۶۶/صفحات ہے۔

(۱۰۸) مفيد الخائضين في جواب من رد على معين الغائصين:

علامہ لکھنوی نے اس کتاب میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو بعض علماء نے ان کے والد کی کتاب ”معين الغائصين في رد المغالطين“ پر کئے ہیں[۲]۔

(۱۰۹) مُيسِّر العَسِير في مبحث المثناة بالتكرير:

---

[۱] دیکھئے: المعارف بمافي حواشي شرح المواقف، لکھنوی، (ص۲)۔

[۲] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص۲۲)۔

علامہ نے اس کتاب کا ذکر مقدمہ ''التعلیق الممجد'' اور مقدمہ ''عمدة الرعایة'' میں کیا ہے [۱]۔

(۱۱۰) نور الهدیٰ لحملة لواء الهدی:

اس رسالہ میں علامہ نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو علامہ عبدالحق خیرآبادی نے کئے تھے، نیز موصوف پر کچھ نئی تنقیدیں اور علمی گرفتیں بھی فرمائی ہیں۔

علامہ اس تالیف سے بروز شنبہ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ مطبع نجم العلوم لکھنؤ میں ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔

(۱۱۱) هداية الوری إلی لواء الهدی : یہ رسالہ قطبیہ کے حواشی زاھد یہ پر غلام یحییٰ بہاری کے حواشی کا قدیم نوٹ اور حاشیہ ہے، مولانا محمد عبدالباقی نے لکھا ہے کہ علامہ نے یہ حاشیہ زمانۂ طالب علمی [۲] میں تصنیف کیا تھا، علامہ نے اس میں بعض علماء خصوصاً مولانا عبدالحق خیرآبادی پر تنقید کی ہے، ۱۲۸۰ھ میں اس سے فارغ ہوئے اور ۱۲۸۱ھ میں یہ حاشیہ مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے شائع ہوا۔

☆علم مناظرہ

(۱۱۲) تعلیق حاشیة الرشیدیة شرح الشریفیة:

سید شریف جرجانی نے علم مناظرہ میں ''الشریفیة'' نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے یہ علم الفرائض کے موضوع پر اس شریفیہ سے جدا الگ کتاب ہے جس کے متعلق میں نے گزشتہ صفحات میں گفتگو کی ہے، اس کی شرح ''رشیدیہ'' کے نام سے مولوی

---

[۱] دیکھئے: مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۹)، اور مقدمہ عمدة الرعایة، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

[۲] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۰)، اور مقدمة الرعایة، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

عبدالرشید جونپوری نے لکھی ہے، علامہ نے اسی شرح پر حواشی قلم بند فرمائے ہیں۔

۱۲۶۶ھ میں یہ حاشیہ رشیدیہ کے ساتھ مطبع یوسفی سے طبع ہوا۔

(۱۱۳) الهداية المختارية شرح الرسالة العضدية:

یہ علم مناظرہ میں رسالہ قاضی عضدالدین [۱] کا حاشیہ ہے، سرکیس نے اسے "الهداية الندية شرح على العضدية" [۲] کے نام سے ذکر کیا ہے اور زکی مجاہد [۳] نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ اس تالیف سے صفر ۱۲۸۲ھ میں فارغ ہوئے۔

۱۰۳ر صفحات پر مشتمل مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۸۲۶/۱۰۰۷ موجود ہے۔

☆ علم نحو

(۱۱۴) إزالة الجمد عن إعراب أكمل الحمد:

علامہ نے اس رسالہ کا تذکرہ "الرعاية" [۴] کے مقدمہ میں کیا ہے، اس میں "الحمد لله أكمل الحمد" کے وجوہ اعراب بتائے ہیں، اور یہ ثابت کیا ہے کہ رفع، نصب، جر، تینوں ہی اعراب جائز ہیں لیکن نصب اولیٰ ہے۔

فل سائز کے دو صفحات کے اس رسالہ کا مؤلف کی تحریر میں لکھا ایک نسخہ علی گڑھ

---

[۱] عضدالدین عبدالرحمٰن بن أحمد بن عبدالغفار ایجی، شیرازی، وفات ۷۵۶ھ، دیکھئے: مفتاح السعادة، طاش کبری زادہ، (۲۱۱/۱)، شذرات الذهب، ابن عماد حنبلی، (۱۷۴/۱)۔

[۲] معجم المطبوعات العربية، سرکیس، (ص ۱۵۹۷)۔

[۳] الأعلام الشرقية، زکی مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

[۴] دیکھئے: مقدمۃ عمدة الرعاية، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں ۱۵/۱۶۰ نمبر سے موجود ہے۔

(۱۱۵) خیر الكلام في تصحيح كلام الملوك ملوك الكلام:

علامہ نے یہ رسالہ حیدر آباد میں ۱۲۸۴ھ میں لکھا، اس میں ''کلام الملوك ملوك الكلام'' [۱] کے وجوہ اعراب سے بحث کی ہے، اس کا ایک مخطوطہ ''إزالة الجمد'' کے آخر میں شامل ہے۔

☆ علم صرف

(۱۱۶) امتحان الطلبة في الصيغ المشكلة:

علامہ نے اس رسالہ کو فارسی میں لکھا جس میں مشکل صیغوں کی تصریفات و تعلیلات کی وضاحت کی ہے، ۱۲۷۶ھ میں اس سے فارغ ہوئے اس وقت ان کی عمر قریب ۱۲/سال تھی اور یہ ان کی سب سے پہلی تصنیف ہے، اس امر کی صراحت خود علامہ لکھنوی نے کی ہے [۲]۔

چھوٹے سائز کے ۵۷/صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۶/۱۶۳ ہے۔

(۱۱۷) التبيان في شرح الميزان:

یہ ''میزان الصرف'' فارسی کی شرح ہے علامہ نے یہ تالیف جمادی الثانیہ ۱۲۷۶ھ میں مکمل کی، اس وقت ان کی عمر کم وبیش ۱۲/سال تھی اور وہ جون پور کے مدرسہ امامیہ میں پڑھ رہے تھے، یہ کتاب کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے میرے سامنے چھٹا ایڈیشن

---

[۱] حسرۃ الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۹)۔

[۲] دیکھئے: النافع الکبیر لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

ہے، جو مطبع یوسفی سے طبع ہوا جس کی کل ضخامت اوسط سائز کے ۵۷/صفحات ہے۔

(۱۱۸) تکملة المیزان:

یہ "التبیـان في شرح المیزان" کا تتمہ ہے جو اس کے ساتھ طبع ہوا ہے، ۱۲/ صفحات کا یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔

(۱۱۹) چہار گل:

علامہ نے اس کا تذکرہ مقدمہ "عمدۃ الرعایۃ" [۱] میں کیا ہے، فارسی زبان میں انہوں نے یہ رسالہ زمانۂ طالب علمی میں لکھا، اس میں عربی زبان کے بعض افعال کی گردانیں بیان کی ہیں مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۳/۵۷ ہے، یہ رسالہ بڑے سائز کے ۳۸/صفحات پر محیط ہے۔

(۱۲۰) شرح تکملة المیزان:

محمد عنایت اللہ انصاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے [۲]۔

---

[۱] دیکھئے: مقدمة عمدة، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

[۲] دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

معاصرین کے ساتھ علامہ عبدالحی لکھنوی کے علمی مباحثے

علامہ لکھنوی کے اپنے معاصرین کے ساتھ وسیع تعلقات ومراسم تھے،ان کی زندگی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بعض معاصرین کے ساتھ یہ روابط کامل اتفاق و یگانگت سے متسم تھے،اور دیگر معاصرین علماء کے ساتھ اختلاف پر قائم تھے، یگانگت اور کامل ہم آہنگی ان معاصرین کے ساتھ تھی جن کے ساتھ ان کے مباحثے اور مناظرے نہیں ہوئے اس قسم کے مراسم محبت واخوت اور آپسی احترام سے متصف تھے، محدث نذیر حسین دہلوی[۱] ان مشہور علماء میں ہیں جن سے ان کے تعلقات اسی قسم کے تھے، علامہ لکھنوی نے دہلی میں ان سے ملاقات کی انہوں نے شایانِ شان خیر مقدم کیا اور اعزاز واکرام کا معاملہ کیا،ان کے حق میں تعریفی کلمات کہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم کہہ چکے ہیں[۲]، اسی طرح علامہ لکھنویؒ، امام ربانی مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی

---

[۱] علامہ محدث نذیر حسین بن جواد علی بن عظمت اللہ حسینی دہلوی، آپ کا عز وشرف اور حدیث میں جلالت شان متفق علیہ ہے، ولادت ۱۲۲۰ھ یا ۱۲۲۵ھ میں ہوئی، شیخ عبدالعزیزؒ کے پوتے شیخ اسحاق بن محمد افضل عمری دہلویؒ سے حدیث پڑھی اور دہلی میں ایک زمانے تک تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں محدث شمس الحق دیانوی مؤلف عون المعبود شرح سنن أبي داود بہت مشہور ومعروف ہیں، دہلی میں ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی (۴۹۷/۸)۔ [۲] تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ أنصاری، (ص ۱۳۶)۔

خدمت میں بھی حاضری دیتے جو علومِ فقہ وحدیث میں کامل دستگاہ کے ثنا خواں تھے، اسی طرح بانیٔ دار العلوم دیو بند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کے اچھے دوستانہ مراسم تھے، وہ علامہ کی خدمت میں تحائف بھیجتے تھے[۱]۔

جن معاصرین سے علامہ کے تعلقات اختلاف کی بنیاد پر تھے، ان میں وہ علماء آتے ہیں جن کی بعض غلطیوں پر جو ان کی کتابوں میں پیش آئی تھیں علامہ لکھنوی مطلع ہوئے اور تنبیہ کرنا ضروری سمجھا، اس سلسلے میں علماء احناف و دیگر کے درمیان امتیاز کرنا ان کا طریق نہ تھا، اس کا محرک ان کا علمی اشتیاق تو تھا ہی ان کتابوں کے قارئین کی ذہنی تربیت بھی پیش نگاہ تھی، لیکن علامہ کی نکتہ چینیاں اور تنقید ان کتابوں کے مصنفین کو راس نہ آئی اور انہوں نے اسے حسد جیسے معانی پہنائے اور علامہ لکھنوی کی تردید پر کمربستہ ہوئے لیکن علامہ لکھنوی نے ان کے جوابوں کا جواب لکھا اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور مناظروں کا ایک انبار لگ گیا۔

میرے خیال میں یہ مناظرے اپنے منفی پہلوؤں کے باوصف زیر بحث مسائل کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ہم یہاں ان علماء کے حالات زندگی رقم کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کے ساتھ یہ علمی مباحثے پیش آئے۔

(۱) علامۂ زماں ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی حسینی قنوجی بخاری:

ان کا نسب حضرت زین العابدین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے[۲]، ۱۲۴۹ھ اپنے ننہال "بانس بریلی" میں پیدا ہوئے اور

---

[۱] دیکھئے: سوانح قاسمی، مناظر احسن گیلانی، (۵۹۲/۱)۔

[۲] أبجد العلوم الوشي المرقوم في بيان أحوال العلوم، قنوجی، (۲۷۱/۳)۔

اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے دادیہال ''قنوج'' آئے، چھ سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد یتیمی اور کسمپرسی کی زندگی اپنی والدہ کی زیر تربیت گزاری بھائی احمد حسن قنوجی سے صرف ونحو اور بلاغت ومنطق پڑھی، فرخ آباد اور کانپور میں چند مہینے قیام کرکے وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا، پھر ۱۲۶۹ھ میں دہلی کا سفر کیا اور مفتی صدرالدین خان سے پڑھا اور دیگر علماء دہلی سے استفادہ کیا۔

تلاش معاش میں شہر بھوپال کا رخ کیا، جہاں وزیر جمال الدین صدیقی دہلوی نے اپنے پوتوں کا اتالیق مقرر کیا، اس زمانے میں قاضی زین العابدین انصاری یمانی قاضیٔ بھوپال تھے، انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان سے کتب حدیث پڑھی اور ان کے بڑے بھائی شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی [1] سے سند اجازت حاصل کی۔

حرمین شریفین کا سفر کرکے حج وزیارت سے شرف یاب ہوئے، علماء سے استفادہ کیا اور نادر وبیش قیمت کتابیں قید قرطاس کرلیں، پھر یمن تشریف لے گئے جہاں قاضی شوکانی کے تلامذہ اور محدثین یمن سے حدیث اور سند اجازت حاصل کی پھر بھوپال واپس لوٹے اور حکومت بھوپال میں اعلی مراتب ومناصب پر فائز ہوئے۔

۱۲۸۷ھ میں ان کی شریف النسبی، وسعت علم اور پاکیزہ سیرت سے متأثر ہوکر ملکۂ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم نے ان سے نکاح کرلیا، ہندوستان پر حکمراں برطانوی حکومت نے ۱۲۸۹ھ میں ''نواب والاجاہ'' کا لقب دیا اور دوسرے درجے کے تمغے سے سرفراز کیا، علامہ قنوجی تالیف وتصنیف کے دلدادہ اور علمی وعملی

---

[1] دیکھئے: أبجد العلوم، الوشی المرقوم في بيان أحوال العلوم، قنوجی، (۲۷۱/۳)۔

خصوصیات کے جامع تھے[۱]۔

علامہ عبدالحی حسنیؒ نے ان الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، ''علامۂ زماں، ترجمان حدیث وقرآں، عربی زبان وادب کا گلستاں اور ماہتاب ہندوستان شیریں کلام، غایت درجہ تیز خاطر، صاف ذہن، خوش تحریر، شریف الطبع اور بلند اخلاق تھے''[۲]۔

علامہ صدیق حسن خان قنوجی نے بہت سی مفید کتابیں قید قرطاس کیں، جن کی تعداد ۲۲۲ رتک پہونچتی ہے، جن میں مشہور یہ ہیں: أبجد العلوم، عون الباري شرح صحيح البخاري، التاج المكلل اوررسالة الناسخ والمنسوخ، إتحاف النبلاء، الحطة في ذكر الصحاح الستة وغیرہ۔

۱۳۰۷ھ کوعلم وفن کا یہ روشن ترین ستارہ بھوپال میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا[۳]۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اورنواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی کے درمیان علمی اختلاف:

علامہ لکھنوی اورنواب صدیق حسن خاں قنوجی کے درمیان علمی اختلاف اس وقت شروع ہوا جب علامہ لکھنوی نے ''النافع الكبير'' کے حاشیہ اور ''التعليقات السنية'' میں علماء کی ولادت ووفات کے تعلق سے نواب صدیق حسن خاں قنوجی کی کتابوں میں درآئیں غلطیوں پر تنبیہ کی، چنانچہ ''النافع الكبير'' میں لکھا: ''ہمارے

---

[۱] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۱۹۰/۸)، تراجم علماء الحدیث بالہند، ابویحییٰ امام، (ص ۲۳۲)۔

[۲] نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۱۹۲/۸)۔

[۳] دیکھئے: مآثر صدیقی، موسوم بہ سیرت والا جاہی، ابوسید محمد حسن خان، (۲۲۵/۳)۔

ایک معاصر عالم اپنی کتاب ''إتحاف النبلاء'' [۱] وغیرہ میں رقم کرتے ہیں کہ علامہ ابن الھمام متشدد متعصب حنفی ہیں، یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ وہ محقق علماء میں سے ہیں، بہت سے مسائل کو بغیر کسی مسلکی تعصب کے صرف اس لئے رد فرمادیتے ہیں کہ وہ احادیث سے متعارض ہیں، اور یہ امر علامہ ابن الھمام کی کتابوں سے مراجعت کرنے والے پر مخفی نہیں ہے'' [۲]۔

دوسری جگہ علامہ قنوجی پر اس طرح گرفت کرتے ہیں کہ ہمارے معاصر اپنے رسالہ ''الجنة بالأسوة الحسنة بالسنة'' [۳] میں لکھتے ہیں کہ سیوطی ابن حجر کے شاگرد ہیں یہ ان کے رسالہ ''الأصول'' میں مذکور ہے، یہ صریح لغزش قلم ہے، کیونکہ ''حسن المحاضرة'' میں سیوطی کے بیان کے مطابق ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی جبکہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ ہے، تو سیوطی کے لئے ابن حجر کا تلمذ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ [۴]۔

''**التعليقات السنية**'' میں اس طرح نقد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہمارے ایک ہمعصر اپنے رسالہ ''**الإكسير في أصول التفسير**'' میں جو یہ لکھتے ہیں کہ علاء الدین قوشجی کی نسبت موضع ''قوشنج'' کی طرف ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، پھر علاء الدین علی بن محمد قوشجی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد حاکم ماوراء النہر امیر الغ بیگ کے خداموں میں سے تھے، اور یہ بازوں کے ماہر تھے، یہی ان کی زبان میں ''قوشجی'' کے معنی ہیں [۵]۔

---

[۱] إتحاف النبلاء، قنوجی (ص ۳۶۴)۔ [۲] حاشية النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۰۴)۔

[۳] الجنة بالأسوة الحسنة بالسنة، قنوجی، (ص ۲۳)۔ [۴] حاشية النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۳۴)، اور دیکھئے: حسن المحاضرة، سیوطی، (۱/۱۸۸)۔ [۵] التعليقات السنية، لکھنوی (۸۸، ۲۱۴)، دیکھئے: شفاء العي عما أورده عبدالحی، عبدالنصیر (ص ۴۵)، الإكسير في أصول التفسير، قنوجی، (ص ۱۱۳)۔

"التعليقات السنية" میں ایک جگہ اوران پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہمارے ایک معاصر عالم نے اپنی کتاب "الحطة بذكر الصحاح الستة" میں علی بن محمد بن عبدالکریم بن موسی بزدوی کا سنہ وفات ۴۸۸ھ ذکر کیا ہے، یہ فاش غلطی مصنف "كشف الظنون" [۱] کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، صحیح یہ ہے کہ علی بزدوی کی وفات ۴۸۲ھ میں ہوئی [۲]۔

ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ہمارے کچھ ہمعصر فضلاء کو رسالہ "مختصر الجرجاني في أصول الحديث" کے سید شریف کی تصنیف ہونے میں اختلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ ابن ابی شریف کی تصنیف ہے، لیکن وہ اس امر پر کوئی اطمینان بخش دلیل دینے سے عاجز ہیں [۳]۔

اسی طرح لکھا کہ قدم بھی کہاں کہاں لغزش کھاتا ہے قلم بھی کتنی خودسری دکھاتا ہے، اس کا نمونہ ہمارے ایک فاضل معاصر کی کتاب "الحطة في ذكر الصحاح الستة" میں جامع مسلم اوراس کی شروحات کے ذکر کے وقت دیکھنے کو آیا ہے، مسلم پر محمد بن احمد بن عباد خلاطی حنفی متوفی ۶۷۹ھ کی کتاب ہے [۴]۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "الإكسير في أصول التفسير" میں ہمارے ایک معاصر عالم نے امام فخرالدین رازی کا سنہ وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے، یہ صریح لغزش خامہ ہے، کیونکہ یہ ثقات کے اقوال سے مختلف ہے، اسی طرح حیرت ہوتی ہے

---

[۱] التعليقات السنية، لکھنوی، (ص۱۲۴)، اور دیکھئے: شفاء العي، عبدالنصیر (ص ۴۶)۔

[۲] الجواهر المضيئة، قرشی، (۳۷۲/۱)۔

[۳] التعليقات السنية، لکھنوی، (ص۱۳۵)، شفاء العي، عبدالنصیر (ص ۴۷)۔

[۴] ایضاً۔

کہ خود فاضل مصنف نے ”الإکسیر“ اور ”إتحاف النبلاء“ میں سنہ وفات ٦٠٦ھ لکھا ہے، یہ اس کے بھی خلاف ہے[۱]۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جو علامہ قنوجی کی کتابوں پر علامہ لکھنوی کی تنقید وگرفت کو بیان کرتی ہیں، یہ تمام تنقیدیں علامہ قنوجی تک پہونچتی تھیں وہ ان سے مطلع ہوتے اور تعصب وعناد پر محمول کرتے تھے، اس کی صراحت خود علامہ لکھنوی نے کی ہے، یہی سبب تھا کہ بعد میں انہوں نے یہ علمی تنقیدیں بند کردی تھیں[۲]۔

علامہ قنوجی کے ایک شاگرد وہمنوا نے علامہ لکھنوی کے رد میں ایک کتاب ”شفاء العي عما أورده الشيخ عبدالحی“ لکھی اور اسے ایک گمنام شخص ابوالفتح عبدالنصیر کی طرف منسوب کرکے پیش کیا، اس سلسلے میں علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے شروع میں میں نے اس کے مؤلف کا نام ابوالفتح عبدالنصیر پایا، ظاہر بات ہے کہ یہ ایک نام ہے جسکے مسمی کا شہر بھوپال میں کوئی وجود نہیں اور اگر مان بھی لیں تو یہ فضل وکمال میں شہرت نہیں رکھتے، شاید یہ کوئی طالب علم ہے جو اساتذۂ فن اور ارباب علم ومعارف کو مخاطب کرنے کا اہل نہیں، میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے بعض ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ اس کتاب کو شیخ محمد بشیر سہسوانی نے تالیف کیا ہے[۳]۔

علامہ لکھنویؒ نے اپنے انتقادات کے اس رد کا ایک مستقل رسالہ میں جواب لکھا، جس کا نام ”إبراز الغي الواقع في شفاء العي“ رکھا جو ”حفظ أهل الإنصاف عن مسامحات مؤلف الحطة والإتحاف“[۴] کے نام سے مشہور

---

[۱] التعليقات السنية، لکھنوی، (ص۱۳۵)، شفاء العي، عبدالنصیر (ص۴۷)۔

[۲] إبراز الغي الواقع في شفاء العي، لکھنوی، (ص۷)۔ [۳] ایضاً۔

[۴] إبراز الغي الواقع في شفاء العي، لکھنوی، (ص۷)۔

ہے،اس کتاب میں آپ نے علامہ قنوجی کی کتابوں " إتحاف النبلاء، الحطة في ذكر الصحاح الستة، الإكسير في أصول التفسير" پرمزید گرفتیں فرمائیں۔

تھوڑے ہی دنوں بعد نواب صدیق حسن خاں کی جانب سے "تبصرة الناقد برد كيد الحاسد" کے نام سے ایک کتاب آئی جس کے مؤلف أبوالفتح عبدالنصیر نے علامہ لکھنوی کے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جوانہوں نے اپنی کتاب "إبراز الغي" میں کئے تھے لکھا کہ نواب قنوجی کی کتابوں میں جوغلطیاں آئی ہیں ان میں ان کا سبب نسخ وطباعت اور عدم مراجعت ہے، کیونکہ نواب صدیق حسن قنوجی ائمۂ عظام کی کتابوں سے نقل فرماتے ہیں تو غلطی مکرر ہوتی ہے لہٰذا رد ائمہ عظام پر ہونا چاہئے نہ کہ نواب قنوجی پر، کیونکہ یہ محض ناقل ہیں[1]۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تردید ایک ضخیم کتاب میں فرمائی جس کا نام "تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد" رکھا، اور مزید اعتراضات وایرادات فرمائے، اوران اشکالات کے سبب کی صراحت فرمائی اوراس بات کی نفی کی کہ یہ علمی بحثیں کسی حسداورکینہ کاثمرہ ہیں، لکھا کہ یہ اعتراضات دومقصد کے تحت کیے گئے ہیں۔

(۱) مؤلف کوتنبیہ ہواوروہ ان کاازالہ فرمادے کیونکہ کتابوں میں غلطیوں کی کثرت مصنف اوراس کے خوشہ چیں طلبہ دونوں ہی کے حق میں نقصان دہ ہے۔

(۲) خواص وعوام بے بنیاد باتوں سے محفوظ رہیں تاکہ ان کا شمار جانوروں اور بہائم میں نہ کیا جائے، اور میں اپنے اس مقصد میں منفرد اورتنہا نہیں ہوں، ہمیشہ بلند پایہ عالی مرتبت علماء وفضلاء نے ان مصنفین ومؤلفین پرنکیر اور گرفت کی جن سے تسامحات،

---

[1] دیکھئے: تبصرة الناقد برد كيد الحاسد، عبدالنصیر، (ص۴۰۳)۔

مغالطے اور لغزشیں صادر ہوئیں، اور ان کے سینوں میں کینہ، حسد اور بغض ونفرت کا شائبہ بھی نہ تھا، ان کی زبانیں نازیبا کلمات اور بے ہودہ گوئی سے پاک تھیں [۱]۔

اس طرح علامہ لکھنوی نے اس شبہ کی جڑ کاٹ دی جو ان اعتراضات کے سبب کو لے کر اٹھایا جاتا تھا، کہ ان کا محرک وعامل حسد وبغض ہے، جیسا کہ "تبصرة الناقد برد کید الحاسد" کے مؤلف نے اس کی صراحت کی اور خود کتاب کے نام سے عیاں ہے، یہ بات واضح اور صاف ہوگئی کہ علامہ لکھنوی کا مقصد محض غلطیوں پر تنبیہ فرمانا تھا تاکہ مؤلف ان کی تصحیح کردے اور قارئین ومستفیدین گمراہ نہ ہوں۔

یہ علمی مباحثہ یہاں آ کر تھم گیا، اور علامہ لکھنوی نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

(۲) بلند پایہ محدث محمد بشیر الدین بن صدر الدین عمری سہسوانی:

شہر "سہسوان" میں تقریباً ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اپنے شہر کے علماء سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ آ گئے اور بعض علمائے فرنگی محل اور دیگر علماء سے کسب فیض کیا پھر دہلی کا سفر کیا اور محدث نذیر حسین دہلوی سے علم حدیث میں ہمہ جہت استفادہ کیا، سہسرام، بھوپال، اور دہلی کے مدارس میں خدمت تدریس انجام دی۔

شروع شروع میں مسلک احناف کے مقلد تھے پھر غیر مقلدیت اختیار کرلی، حج کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور شیخ محمد عبدالرحمٰن سہارنپوری [۲] اور شیخ عیسیٰ

---

[۱] دیکھئے: تذکرۃ الرشید بہ تبصرۃ الناقد لکھنوی، (ص ۵)۔

[۲] شیخ محدث محمد بن عبدالرحمٰن انصاری سہارنپوری، سہارنپور میں پیدا ہوئے، یہیں نشوونما ہوئی، شیخ نصیر الدین مجاہد اور شیخ اسحاق دہلویؒ سے بہت استفادہ کیا، علماء نجد ویمن وشام سے علم حاصل کیا، حدیث پر عمل کرتے اور کسی امام کی تقلید نہ کرتے، ۷۰ رسال حدیث پڑھائی، مکہ میں ۱۳۰۸ھ میں وفات پائی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۳۹۵/۸)۔

احمد بن عیسیٰ شرقی سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

۱۲۹۵ھ میں بھوپال آئے تو نواب صدیق حسن خان نے ان کا اکرام کیا اور سلطنت بھوپال کے مدارس کا نگراں مقرر کیا، مؤرخ عبدالحی حسنیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ بڑے عالم تھے، پرہیزگار، نیک، بلا کے ذہین، باغ و بہار طبیعت کے مالک اور اصول فقہ میں ید طولی رکھتے تھے، سید صدیق حسن خاں قنوجی ان کا بڑا احترام کرتے تھے[1]۔

ان کے استاذ حسین بن محسن یمانی نے اپنے بعض خطوط میں جو شیخ شمس الحق مصنف "عون المعبود" کے نام لکھے ان کے علم و فضل کو سراہتے ہوئے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے برادر علامہ محمد بشیر پر اپنا خاص کرم رحم فرمائے، وہ عالم، محقق اور کتاب و سنت کے سخت متبع تھے۔

دہلی میں ۱۳۲۳ھ میں انتقال ہوا[2]۔

ان کی مشہور علمی یادگاروں میں " صيانة الإنسان في الرد على الشيخ أحمد بن زيني دحلان، القول المحكم، القول المنصور، اور السعي المشكور" اہم ہیں۔

علامہ لکھنوی اور شیخ محمد بشیر سہسوانی کا علمی اختلاف:

یہ علمی اختلاف اس وقت شروع ہوا جب علامہ سہسوانی نے ۱۲۸۸ھ میں حج

---

[1] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۴۱۵/۸)۔

[2] دیکھئے: تطبيب الإخوان، مولوی ادریس نگرامی، (ص ۷۵)، تراجم علماء الهند، ابویحییٰ امام (۲۴۹/۱، ۲۵۶)، قاموس المشاهير، بدایونی، (۱۸۳/۲)، معجم المؤلفين، عمر رضا کحالہ، (۱۰۳/۹)۔

کیا اور روضۂ اقدس پر حاضری نہ دی، ان کے خیال میں روضۂ اطہر کی زیارت واجبات دینی میں سے نہ تھی، بلکہ مستحب کے درجے میں تھی، چنانچہ بعض علماء اور عوام الناس نے ان پر نکتہ چینیاں کیں تو انہوں نے اس موضوع پر "القول المحقق المحکم في زیارة قبر الحبیب الأکرم ﷺ" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں اس مسئلہ کو ثابت و محقق کیا کہ قبر نبوی ؐ کی زیارت مستحب ہے نہ کہ واجب، اور یہی جمہور احناف کا قول ہے، علامہ لکھنوی کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے اس کے رد میں "الکلام المبرم في نقض القول المحقق المحکم" کے نام سے ایک رسالہ اپنے شاگرد مولوی عبد الجبار خاں کی نسبت سے لکھا جس میں قطعی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت واجب ہے۔

کچھ ہی دنوں بعد علامہ سہسوانی کی جانب سے علامہ لکھنوی کے رد میں ایک نئی کتاب منظر عام پر آئی، نام تھا "القول المنصور في زیارة سید القبور" اس کتاب میں علامہ سہسوانی نے استحباب پر فقہاء کا اجماع نقل فرمایا اور احادیث سے وجوب کے ضعف کو واضح کیا، علامہ لکھنویؒ نے اس کی تردید میں ایک دوسرا رسالہ "الکلام المبرور في رد القول المنصور" کے نام سے لکھا اور اس کی نسبت اپنے شاگرد عبد العزیز قنوجی کی طرف کی۔

پھر کچھ عرصے تک خاموشی رہی جسے مولوی سہسوانی نے اس موضوع پر تیسرا رسالہ لکھ کر توڑا اس تیسرے رسالے کا نام تھا "المذهب المأثور في زیارة سید القبور" جو "إتمام الحجة علی من أوجب الزیارة مثل الحجة" سے مشہور ہوئی، اس رسالہ کا مقصد بھی علامہ لکھنویؒ کا رد اور نئے دلائل سے اپنے مسلک کا اثبات

ہی تھا، لیکن علامہ لکھنوی نے بھی علامہ سہسوانی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کرتے ہوئے رسالہ "السعي المشكور في رد المذهب المأثور"جس کا لقب "واضح الحجة في إبطال إتمام الحجة" ہے، تالیف کیا اور علامہ سہسوانی کے تمام اشکالات ودلائل کی قلعی کھول دی[۱]۔

ایک طرف تو یہ علمی مباحثے اور قلمی معرکے تھے، دوسری طرف جب علامہ سہسوانی لکھنؤ آئے تو علامہ عبدالحی لکھنویؒ ہی کے مہمان ہوئے، علامہ نے خوش دلی اور جذبۂ احترام و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور مزید ٹھہرنے کے لئے اصرار کیا اور علامہ سہسوانی ادب و عظمت کے احساس کے ساتھ علامہ لکھنویؒ کے درس ووعظ میں شریک ہوئے[۲]۔

مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علمی مباحثے دونوں کے تعلقات میں کشیدگی اور تلخی کا سبب قطعاً نہ بنے، اسی طرح یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ علامہ لکھنوی کس قدر شریف النفس اور بلند اخلاق تھے۔

(۳) بلند پایہ امام المعقولات عبدالحق بن فضل امام عمری خیرآبادی:

یہ "خیرآباد" یا "دہلی" میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے درسی کتابیں والد سے پڑھیں، اور ایک لمبی مدت تک ان سے کسب فیض کیا اور والد ہی کی شاگردی میں باکمال ہوئے، نواب کلب علی خاں رامپوری نے انہیں اپنا مقرب بنایا، پھر اپنے شہر لوٹے اور ایک زمانے تک وطن ہی میں مقیم رہ کر حیدرآباد کا سفر اختیار کیا، جہاں نواب حیدرآباد نے ان کا اکرام کیا اور منصب پر فائز کیا، نواب کلب علی خاں کے پوتے حامد

---

[۱] دیکھئے: كنز البركات في سيرة أبي الحسنات، محمد حفیظ بندوی، (ص۲۴)، حسرة الفحول، (ص۲۰)۔

[۲] دیکھئے: تراجم علماء الحدیث بالہند، ابویحییٰ امام، (۱/۵۴)۔

علی خاں نے تخت نشینی کے بعد اپنے یہاں بلایا اور خصوصی اکرام کا معاملہ کیا، چنانچہ وہ رامپور ہی میں ۱۳۱۸ھ میں وفات تک رہے [۱]۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: یہ منطق وحکمت کے امام، نحو ولغت کے نکتہ داں تھے، باوقار شخصیت کے مالک، بڑے ذہین اور خوش بیان عالم تھے [۲]۔

ان کی مشہور علمی یادگاروں میں "شرح الكافية للسيد شريف، حاشية على حاشية غلام يحيىٰ على مير زاهد، حاشية على شرح السلم اور شرح على مسلم الثبوت" وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ لکھنویؒ سے علمی اختلاف:

علامہ لکھنویؒ نے حاشیہ رسالہ میرزاہد مصنفہ غلام یحییٰ بہاری کا حاشیہ لکھا جس کا نام "هداية الورى إلى لواء الهدى" رکھا، اس رسالہ میں بعض علماء اور خاص طور سے علامہ عبدالحق خیرآبادی کی علمی غلطیوں پر گرفت کی، پھر تھوڑے دنوں بعد ایک دوسرا حاشیہ "مصباح الدجى في لواء الهدى" کے نام سے رقم فرمایا، جس میں منطق کے پیچیدہ مسائل کی شرح وتوضیح فرمائی اور علامہ خیرآبادی پر مزید کچھ علمی تنقیدیں کیں، جس کے جواب میں علامہ عبدالحق خیرآبادی نے اپنے ایک شاگرد کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور علامہ کے اعتراضات وتنقیدات کا جواب دیا، لیکن یہ رد غیر اطمینان بخش رہا،

---

[۱] دیکھئے: ان کے حالات زندگی: تذکرہ علماء الهند، رحمٰن علی، (ص ۱۱۰)، حكماء الإسلام، عبدالسلام ندوی (۳۳۵/۲)، تطبيب الإخوان، مولوی ادریس نگرامی، (ص ۳۸)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۲۳/۸)۔

چنانچہ علامہ نے "نور الهدى لحملة لواء الهدى" کے نام سے ایک تیسرا رسالہ سپرد قرطاس فرمایا، جس میں علامہ خیرآبادی کے جوابات کا جواب تو لکھا ہی مزید کچھ اعتراضات اور بھی کیئے، دس سال کے بعد علامہ خیرآبادی نے پھر ایک رسالہ علامہ لکھنویؒ کے جواب میں لکھا، جب یہ رسالہ علامہ لکھنویؒ کے یہاں پہونچا تو وہ اس سے غیر مطمئن ہی رہے، اور ایک چوتھا رسالہ "علـم الهدى على حواشي نور الهدى" کے نام سے لکھ کر علامہ عبدالحق خیرآبادی کی خدمت میں روانہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالحق خیرآبادی نے اس علمی مباحثے میں آخر کار خاموشی کو ترجیح دی، اور پھر علامہ لکھنوی کا رد نہیں کیا[۱]۔

علامہ عبدالحی حسنی کہتے ہیں: شیخ عبدالحق، علامہ لکھنوی سے مناظرہ پسند نہ کرتے تھے اور اپنی تردید کی شہرت نہ چاہتے تھے[۲]۔

(۴) مولوی احمد علی احراری:

رام پور میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، اساتذہ رام پور سے علم حاصل کرنے کے بعد یہیں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر دہلی آکر بعض علماء سے پڑھا، مختار الملک امیر حیدرآباد نے انہیں حیدرآباد کے ایک مدرسہ میں استاذی سپرد کی پھر دونوں کے درمیان کچھ غلط فہمیاں راہ پا گئیں، نتیجۃً مولوی احمد کو ۱۳۸۰ھ میں رام پور لوٹنا پڑا، تھوڑی مدت بعد پھر حکومت حیدرآباد کی درخواست پر حیدرآباد تشریف لے گئے اور ناظم عدالت مقرر ہوئے، یہیں ۱۲۹۴ھ میں وفات پائی[۳]۔

---

[۱] دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی لکھنوی، (ص۲۰، ۲۱)، كنزالبركات في سيرة أبي الحسنات، محمد حفیظ اللہ، (ص۲۴، ۲۵)۔

[۲] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۶/۸)۔

[۳] دیکھئے: تذکرہ کاملان رامپور، احمد علی خان شوق، (ص۲۲، ۲۳)۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اختلاف تب شروع ہوا جب علامہ لکھنویؒ کے والد علامہ عبدالحلیم لکھنویؒ نے معجزہ شق القمر کے تعلق سے ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب سے ایک عبارت نقل فرمائی جس کی ظاہری عبارت سے علامہ دہلویؒ کا معجزہ کا انکار متبادر ہوتا تھا، مولوی احمد نے ایک مستقل رسالہ میں علامہ عبدالحلیم پر نقد کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں فہم عبارت میں غلطی ہوئی، رسالہ کا نام "نثر الدرر" رکھا، علامہ لکھنویؒ نے بحکم والداس رسالہ کا رد لکھا، "جمع الغرر في نثر الدرر" [۱] نام رکھا، اور مولوی احمد کے اعتراض کا نہ صرف جواب لکھا بلکہ علامہ عبدالحلیم کی عبارت نہ سمجھنے پر تنقید کی۔

(۵) ابوسعید محمد حسین بن رحیم بخش بن ذوق محمد بطالوی:

۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے، طلب علم کی راہ میں دہلی، علی گڑھ اور لکھنؤ وغیرہ کے اسفار کیے، مفتی صدرالدین دہلوی سے پڑھا، حدیث محدث سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی، پھر اپنے شہر لوٹے اور تصنیف وتدریس اور وعظ وتذکیر میں مشغول ہوئے۔

ایک ماہنامہ مجلّہ "اشاعت السنۃ" جاری کیا، جس میں اہل بدعت، سید احمد بن متقی ہندی معروف بہ سید احمد خان اور غلام احمد قادیانی کے خلاف مضامین لکھتے تھے۔

یہ ائمۂ اربعہ خصوصاً احناف کے شدید نکتہ چیں تھے، پیرانہ سالی یہ میں خیال راسخ ہوگیا تھا کہ یہ اختلافات اسلام کو کمزور کرنے کا سبب ہوئے تھے، لہٰذا اس قسم کے اختلافات کو ہوا نہ دینا ان کی ترجیحات میں شامل ہوگیا تھا، بعض کتب حدیث پر ان کے حواشی ہیں، کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، جیسے البرهان الساطع، المشروع في

---

[۱] جمع الغرر في رد نثر الدرر (ص ۳۱)، (مجموعہ آٹھ رسائل)۔

ذكـر الاقتـداء بـالـمـخـالـفيـن في الفرو ع، منح الباري في ترجيح صحيح البخاري اور الاقتصاد في بيان الاعتقاد وغیرہ[1]۔

۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ محمد حسین نے علوم حدیث سے متعلق کچھ سوالات علامہ لکھنویؒ کے سامنے رکھے تھے، جن کا انہوں نے ایک مستقل تصنیف " الأجـوبة الـفـاضـلة لـلأسئلة العشرة الكاملة"[2] میں علمی جواب دیا۔

[1] دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۸/۴۲۷)۔

[2] الأجوبۃ الفاضلۃ، لکھنوی، (ص۱۹)۔

خاتمۃ البحث

اس تحقیقی مقالے کے ذریعہ میں مندرجہ ذیل چھ اہم نکات ونتائج پر پہنچ سکا ہوں:

(۱) علامہ لکھنویؒ کا زمانہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں سے نہایت پرآشوب دور شمار کیا جاتا ہے، اسلامی حکومت کا تختہ پلٹ ہو چکا تھا اور ہندوستان سرکاری سطح پر برٹش امپائر کے زیر اقتدار آ گیا تھا، مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں انحطاط اور پستی وتنزل کا شکار تھے، دشمنان اسلام کے لئے فضا سازگار تھی، وہ اسلامی عقائد وقوانین کو تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے، عیسائی مشنری سرگرم عمل تھی، گاؤں گاؤں، شہر شہر عیسائی مبلغین پھر رہے تھے اور کھلے عام صریح لفظوں میں مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دے رہے تھے، ایسے میں مسلم علماء دین اسلام کے دفاع میں مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، مقالے میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ اس وقت جن دینی مدارس کی بنیاد رکھی گئی ان سے مسلمانوں کی زندگی پر نمایاں اثرات مرتب ہوئے، راقم نے اس امر کو واضح کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں علامہ لکھنویؒ کا بڑا کردار اور واضح نمائندگی رہی ہے۔

(۲) علامہ لکھنویؒ کا صحیح نام عبدالحی بن محمد عبدالحلیم ہے، دوسرا قول محمد کے اضافے کے ساتھ جو تبرکاً ہے محمد عبدالحی بن محمد عبدالحلیم کا ہے، نسب حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اور یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض عرب مؤرخین نے اہل ہند کے مرکب ناموں کے طریقۂ استعمال سے عدم واقفیت کی بناء پر علامہ کا نام بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔

نیز علامہ لکھنویؒ کو تمام حلقوں کا اعتماد حاصل تھا، ان کے اساتذہ، معاصرین اور موافقین ومخالفین سب نے بالاتفاق ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔

(۳) علامہ لکھنویؒ کے اساتذہ کی تعداد اگرچہ بہت محدود ہے لیکن یہ چیز ان کے مقام ومرتبہ پر اثر انداز نہیں ہوئی اور ان کے والد کا ان کی تعلیم وتربیت میں سب سے نمایاں کردار رہا ہے۔

دوسری طرف علامہ لکھنویؒ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، علامہ انہیں مختلف علوم کا درس دیتے تھے، تلامذہ کو بحث ومباحثہ کی اجازت ہوتی تھی۔

(۴) علامہ لکھنویؒ کی علمی جہتیں نوع بنوع ہیں، اور ان کا سرچشمہ ان کے اساتذہ اور علم کی وسعت وگیرائی ہے، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علامہ مسلک احناف کے متبع تھے، لیکن دلائل کی بنا پر بعض مسائل میں مسلک احناف سے کبھی اختلاف بھی کرتے تھے۔

(۵) علامہ تالیف وتصنیف کے اس قدر دلدادہ تھے کہ محض بارہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کر دیا، اثناءِ سفر میں بھی تالیف کا عمل جاری رکھتے، مختلف علوم وفنون میں ان کی (۱۲۰) گراں قدر مؤلفات ہیں، بعض علماء نے ان کی بعض تصنیفات کو دوسروں سے منسوب کیا ہے، اسی طرح ان کے والد کی بعض تصنیفات کی نسبت ان کی طرف کردی گئی ہیں، اس ضمن میں قول صحیح کی وضاحت کی ہے۔

(٦) علامہ لکھنویؒ کے معاصر علماء سے جو علمی مناظرے اور مباحثے ہوئے انہیں بغور دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ علامہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر گفتگو فرماتے تھے اور متنوع مراجع ومصادر سے استفادہ کرتے، ان کی بیشتر تحقیقات وجوابات صحیح رخ پر جاتے ہیں، احادیث زیارت کے متعلق علامہ سہسوانی سے اور حدیث اُوادم کے تعلق سے علامہ قنوجی سے جو علمی مناظرے ہوئے وہ اس دعوے کی واضح دلیل ہیں۔

مصادر و مراجع

☆اسماعیل پاشابغدادی:

(۱) هدية العارفين أسماء المؤلفين و آثار المصنفين، طباعت استنبول ۱۹۵۱ء۔

☆اطہر مبارکپوری ابوالمعالی:

(۲) العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة و التابعين، دار الانصار، قاہرہ ۱۹۸۰ء۔

☆(ڈاکٹر) اکرم ضیاء عمری:

(۳) بحوث في تاريخ السنة المشرفة، مؤسسة الرسالة، تیسرا اڈیشن ۱۹۷۵ء۔

☆بخاری محمد بن اسماعیل، متوفی ۲۵۶ھ:

(۴) الجامع الصحيح، دارالشعب ودارالفکر۔

☆بروکلمان: کارل بروکلمان۔

(۵) تاريخ الأدب العربي (عربی ترجمہ) دارالمعارف قاہرہ، ۱۹۷۷ء۔

☆بنوری: محمد بن یوسف حسینی بنوری:

(۶) معارف السنن شرح سنن الترمذی، کراچی، پاکستان۔

☆ترہتی: محمد بن یحییٰ:

(۷) اليانع الجني في أسانيد عبدالغني، جید پریس دلی، انڈیا، ۱۳۴۹ھ۔

☆تھانوی: ظفر احمد عثمانی:

(۸) قواعد في علوم الحديث، محققہ: عبدالفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب، تیسرا اڈیشن، ۱۳۹۲ھ۔

☆ ابن الجزری: ابوالخیر محمد بن محمد دمشقی، وفات ۸۳۳ھ۔
(۹) الحصن الحصين مع شرح لکھنوی، مطبع نجم العلوم لکھنؤ، ۱۳۰۶ھ۔
☆ حاجی خلیفہ، وفات ۱۰۶۷ھ۔
(۱۰) كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، دار الفکر ۱۴۰۲ھ۔
☆ ابن حجر عسقلانی: احمد بن علی بن حجر، وفات ۸۵۲ھ۔
(۱۱) الإصابة في تمييز الصحابة، تحقیق: علي البجاوي، دار نہضۃ مصر للطبع والنشر، قاہرہ ۱۹۷۲ء۔
(۱۲) تهذيب التهذيب، دائرۃ المعارف، ہند، ۱۳۲۵ھ۔
(۱۳) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، سعودیہ۔
☆ حسنی: عبدالحی حسنی لکھنوی، وفات ۱۳۴۱ھ۔
(۱۴) الثقافة الإسلامية بالهند، المجمع العلمي دمشق، ۱۳۷۷ھ۔
(۱۵) نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دائرۃ المعارف، پہلا اڈیشن، ۱۳۹۰ھ۔
☆ ابن خلکان، ابوالعباس احمد بن محمد بن ابوبکر، وفات ۶۸۱ھ۔
(۱۶) وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، تحقيق: ڈاکٹر احسان عباس، دار صادر، بیروت ۱۳۹۸ھ۔
☆ ابوداود: سلیمان بن الأشعث، وفات ۲۷۵ھ۔
(۱۷) السنن، تحقيق محیی الدین عبدالحمید، إحياء التراث العربي۔
☆ ذهبي: شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، وفات ۷۴۸ھ۔

(۱۸)تذکرۃ الحفاظ، دارالتراث العربي، بیروت۔
(۱۹)سیر أعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، حسین الأسد، مؤسسة الرسالة، تیسرا اڈیشن ۱۹۸۲ھ۔
☆ ابن رجب حنبلی: عبدالرحمن بن أحمد بن رجب، وفات ۷۹۵ھ۔
(۲۰)لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۵ء۔
☆ زبیدي: محمد مرتضی حسینی بلگرامی، وفات ۱۷۳۲ء۔
(۲۱)تاج العروس من جواهر القاموس، مطبعة الخیریة ۱۳۰۶ھ۔
(۲۲)سبحة المرجان في آثار هندوستان، طباعت علی گڑھ، انڈیا۔
☆ زکی محمد مجاہد:
(۲۳)الأعلام الشرقیة في المائة الرابعة عشرة الهجریة، دارالطباعة المصریة الحدیثة، ۱۳۶۹ھ۔
☆ زیلعي: یوسف بن عبداللہ بن یونس، وفات ۷۶۲ھ۔
(۲۴) نصب الرایة في تخریج أحادیث الهدایة، دارالمأمون، ۱۳۵۷ھ۔
☆ سرکیس: یوسف الیان سرکیس:
(۲۵)معجم المطبوعات العربیة، مطبعة سرکیس، مصر، ۱۳۴۶ھ۔
☆ سہارنپوری: خلیل احمد سہارنپوری، وفات ۱۳۴۶ھ۔
(۲۶) بذل المجهود في حل أبي داود، مطبعة ندوة العلماء، الهند، ۱۹۷۲ء، اور مطبعة السعادۃ قاہرہ ۱۹۷۳ء۔

(۲۷) تدریب الراوي، تحشیہ: شیخ عبدالوہاب عبداللطیف، دار إحیاء السنۃ النبویۃ، طبع دوم، ۱۳۹۹ھ۔

☆ شوکانی: محمد بن علی شوکانی، وفات ۱۲۵۰ھ۔

(۲۸) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، مکتبۃ ابن تیمیۃ قاہرہ۔

☆ طاش کبری زادہ: عصام الدین ابوالخیر احمد بن مصطفیٰ، وفات ۹۶۸ھ۔

(۲۹) مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ، تحقیق: کامل بکری، مطبعۃ الاستقلال الکبری، قاہرہ ۱۹۶۸ء۔

☆ ابن عبدالبر: ابوعمر یوسف بن عبداللہ اندلسی، وفات ۴۶۳ھ۔

(۳۰) الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب، تحقیق: محمد بجاوی، مکتبۃ النھضۃ، قاہرہ۔

☆ علی القاری: ملا علی بن سلطان محمد القاری، وفات ۱۰۱۴ھ۔

(۳۱) الحرز الثمین للحصن الحصین، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۸۷۷ء۔

(۳۲) شرح الموطأ بروایۃ الإمام محمد، مخطوط عارف حکمت ۷۰/حدیث۔

☆ (ڈاکٹر) گوسٹاف لوبون:

(۳۳) حضارات الھند، ترجمہ: عادل زعیتر، مطبع عیسی بابی حلبی قاہرہ، پہلا اڈیشن، ۱۳۶۷ھ۔

☆ ابوالفتح عبدالنصیر:

(۳۴) شفاء العي عما أوردہ عبدالحي، مطبعہ فاروقیہ دہلی، ۱۲۹۷ھ۔

(۳۵) تبصرۃ الناقد برد کید الحاسد، فاروقیہ دہلی، ۱۲۹۹ھ۔

☆ پٹنی: محمد بن طاہر ہندی، وفات ۹۸۶ھ۔

(۳۶) مجمع بحارالأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، دائرۃ المعارف ہند، ۱۳۸۷ھ۔

☆ قاسمی: محمد جمال الدین ابوالفرج: وفات ۱۳۳۲ھ۔

(۳۷) قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث، داراحیاء السنۃ النبویۃ، پہلا اڈیشن ۱۳۹۹ھ۔

☆ قرشی: ابومحمد عبدالقادر ابوالوفا: وفات ۷۷۵ھ۔

(۳۸) الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، دائرۃ المعارف حیدرآباد، ۱۳۳۲ھ۔

☆ قنوجی: صدیق بن حسن خان، وفات ۱۳۰۷ھ۔

(۳۹) أبجد العلوم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۴۰) الحطة في ذكر صحاح الستة، اسلامی اکادمی، لاہور، پہلا اڈیشن ۱۳۹۷ھ۔

(۴۱) الجنة بالأسوة الحسنة بالسنة، مطبع اسکندری، بھوپال، الہند، ۱۲۹۰ھ۔

☆ کاندہلوی: شیخ محمد زکریا۔

(۴۲) أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك، ایڈیشن دارالفکر، بیروت۔

☆ کتانی: محمد بن جعفر، وفات ۱۳۴۵ھ۔

(۴۳) الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة، اصح المطابع، کراچی، پاکستان۔

☆ کتانی: محمد عبدالحی، وفات ۱۳۴۵ھ۔

(۴۴) فهرس الفهارس والإثبات، دارالغرب الاسلامی، پہلا اڈیشن ۱۹۸۵ء۔

☆ کحالہ: عمر رضا۔
(۴۵) معجم المؤلفین، دار إحیاء التراث العربی۔
☆ کوثری: محمد زاہد کوثری۔
(۴۶) مقالات: ناشر: ایچ، ایم سعید کمپنی، پاکستان۔
☆ لکھنوی: محمد عبد الحی لکھنوی وفات ۱۳۰۴ھ۔
(۴۷) إبراز الغي الواقع في شفاء العي، مطبع انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ۔
(۴۸) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۵ھ۔
(۴۹) الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، تحقیق: شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب۔
(۵۰) تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد، مطبع انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ۔
(۵۱) التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، مطبع مجتبائی، لکھنؤ، ۱۲۹۷ھ۔
(۵۲) حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، مطبع یوسفی، لکھنؤ ۱۳۲۵ھ۔
(۵۳) خير الخبر في أذان خير البشر، مطبع دبدبہ احمدی: لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ۔
(۵۴) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب طبع سوم ۱۴۰۷ھ۔
(۵۵) زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس، مطبع مصطفائی، لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ۔
(۵۶) شرح الحصن الحصين، مطبع نجم العلوم، لکھنؤ، ۱۳۰۶ھ۔
(۵۷) طرب الأماثل، دبدبہ احمدی لکھنؤ۔
(۵۸) ظفر الأماني في مختصر الجرجاني، مطبع چشمہ فیض، لکھنؤ، ۱۳۰۴ھ۔

(۵۹) الفوائد البهية في تراجم الحنفية مع التعليقات السنية، دارالمعرفہ، بیروت۔
(٦٠) النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، مطبع دبدبہ احمدی، لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ۔
(٦١) مقدمة "السعاية في كشف ما في شرح الوقاية"، مطبع مصطفائی، لکھنؤ، ۱۳۰۷ھ۔
(٦٢) مقدمة" عمدة الرعاية"، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ۔
(٦٣) مقدمه" الهداية"، مطبع فاروقی، دہلی، ۱۳۳۴ھ۔
☆ مالک: عبداللہ بن انس الاصبحی، وفات ۱۷۹ھ۔
(٦٤) الموطأ برواية محمد بن حسن الشيباني، تعلیق: شیخ عبدالوہاب، دار القلم، بیروت، پہلا ایڈیشن، نیز دیکھئے: التعلیق الممجد۔
☆ محبی: محمد امین محبی۔
(٦٥) خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، بیروت، دارصادر۔
☆ محمد حفیظ اللہ بندوی۔
(٦٦) كنزالبركات لمولانا أبي الحسنات، مطبع علوی، لکھنؤ، ۱۳۰۵ھ۔
☆ محمد عبدالباقی لکھنوی۔
(٦٧) حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، مطبع انوار محمدی، ۱۳۰۵ھ۔
(٦٨) الإسعاف في الإسناد، مطبعہ القدسی قاہرہ، ۱۳۵٦ھ۔
☆ محمد قیام الدین عبدالباری:
(٦٩) آثار الأول من تراجم علماء فرنگی محل، مطبع مجتبائیہ، لکھنؤ۔
☆ مسعود عالم ندوی۔

(۷۰) تاريخ الدعوة الإسلامية بالهند، دارالعربیہ للنشر والتوزیع، قاہرہ۔
☆مسلم: ابوالحسن بن الحجاج قشیری، وفات ۲۶۱ھ۔
(۷۱) الصحيح، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی۔
☆ندوی: سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔
(۷۲) الإمام ولي الله الدهلوي، دارالقلم، کویت۔
(۷۳) الدعـوة الإسلامية وتطوراتها في الهند، مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
(۷۴) الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية، کویت۔ ۱۹۸۳ء۔
(۷۵) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، مکتبہ دارالتراث، قاہرہ، ۱۴۰۲ھ۔
(۷۶) المسلمون في الهند، ندوی پریس لکھنؤ، تیسرا اڈیشن ۱۴۰۷ھ۔
☆ نیموی: ظہیر احسن نیموی۔
(۷۷) آثار السنن، احسن المطابع، عظیم آباد، الہند۔

اردو اور فارسی مراجع

☆اسلم پرویز:

(۱) بہادر شاہ ظفر، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۷۶ء۔

☆احمد علی خان شوق:

(۲) تذکرہ کاملان رامپور، ہمدرد پریس دہلی، پہلا اڈیشن، ۱۹۲۹ء۔

☆الطاف الرحمٰن قدوائی:

(۳) احوال علماء فرنگی محل، مجتبائی پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۷ء۔

☆پنڈت سندر لال:

(۴) ۱۸۵۷ء، مطبع قومی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۵۷ء۔

☆بی،سی، جوشی:

(۵) انقلاب ۱۸۵۷ء۔ ترقی اردو بیورو، دہلی۔

☆حبیب الرحمٰن قاسمی:

(۶) تذکرہ علماء اعظم گڑھ، جامعہ اسلامیہ بنارس، ۱۹۷۶ء۔

☆دہلوی: عبدالعزیز بن ولی اللہ محدث دہلوی: وفات ۱۲۳۹ھ۔

(۷) بستان المحدثین، سعید کمپنی، کراچی، پاکستان۔

☆رحمان علی ناروی:

(۸) تذکرہ علماء ہند، مطبع نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، اور پہلا اڈیشن، کراچی، ۱۹۶۱ء۔

☆رامپوری: حکیم محمد نجم الغنی خان:

(۹) تاریخ اودھ، مطبع مطلع العلوم، مرادآباد، پہلا اڈیشن، ۱۹۱۳ء۔

☆سر سید احمد خان:

(۱۰) اسباب بغاوت ہند، محبوب پریس، دہلی، دوسرا اڈیشن ۱۹۷۱ء۔

☆ سید اقبال احمد:

(۱۱) تاریخ شیراز ہند جونپور، ادارہ شیراز ہند جونپور ہند، ۱۹۶۳ء۔

☆ سید سلیمان ندوی:

(۱۲) یادِ رفتگاں، معارف پریس، اعظم گڑھ، دوسرا اڈیشن ۱۹۸۶ء۔

☆ سید محمد علی حسن خان ابو نصر:

(۱۳) مآثر صدیقی ''سیرت والا جاہی''، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۳۴۲ء۔

☆ ظہیر احمد دہلوی:

(۱۴) داستان غدر، مطبع کریمی، لاہور، پاکستان۔

☆ عبد السلام ندوی:

(۱۵) حکماء اسلام، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء۔

☆ عبد الاول جونپوری:

(۱۶) وفیات المشاہیر، جادو پریس، جونپور، ۱۳۲۳ھ۔

☆ فقیر محمد جہلمی:

(۱۷) حدائق الحنفیہ، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ۔

☆ قاضی علی احمد حنفی:

(۱۸) عین الانسان، وکٹوریہ پریس، بدایوں، ۱۳۱۲ھ۔

☆ قنوجی: نواب صدیق حسن خان۔

(۱۹) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین، مطبع نظامی، کانپور، ۱۳۱۳ھ۔

☆ کرنل بسم اللہ بیگ:

(۲۰) تذکرہ قراء ہند، اعجاز پریس، حیدر آباد۔

☆کلیم سید شاہ محمد شعیب:

(۲۱) اعیان الوطن (آثار پھلواری شریف) دار الاشاعت، پٹنہ ۱۹۴۷ء۔

☆لکھنوی: محمد عبد الحی ۱۳۰۴ھ۔

(۲۲) السعي المشكور فی رد المذهب المأثور، چشمۂ فیض، لکھنؤ، ۱۲۹۶ھ۔

(۲۳) الكلام المبرور فی رد القول المنصور، علوی پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ۔

(۲۴) مجموعه فتاوی، ایجوکیشنل پریس، پاکستان، ۱۳۷۳ھ۔

☆محمد ادریس نگرامی:

(۲۵) تطييب الاخوان بذكر علماء الزمان، مطبع نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء۔

☆محمد بشیر سہسوانی:

(۲۶) إتمام الحجه على من أوجب الزيارة مثل الحجة، معروف به المذهب المأثور، مطبع گنج، آگرہ، ۱۲۹۲ھ۔

(۲۷) القول المنصور في زيارة سيد القبور، نظامی پریس، کانپور، ۱۲۸۹ھ۔

☆محمد حسین مراد آبادی:

(۲۸) أنوار العارفين، صدیقی پریس، بریلی، ۱۲۹۰ھ۔

☆محمد رضا انصاری:

(۲۹) بانی درس نظامی، نامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۹۳ھ۔

☆محمد عبد الحلیم چشتی:

(۳۰) حیات وحید الزماں، أصح المطابع، کراچی، پاکستان۔

☆محمد عنایت اللہ انصاری:

(۳۱) تذکرہ علماء فرنگی محل، برقی پریس، لکھنؤ، ۱۳۴۹ھ۔

☆ محمد میاں:

(۳۲) علماء ہند کا شاندار ماضی، جمعیۃ بکڈپو، دہلی، ۱۹۵۷ء۔

☆ مناظر احسن گیلانی:

(۳۳) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ندوۃ المصنفین، دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء۔

☆ مرزا حیرت دہلوی:

(۳۴) چراغ دہلی، اردو اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۷ء۔

☆ نجم الدین اصلاحی:

(۳۵) یادگار سلف، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء۔

☆ ندوی: سید ابوالحسن علی۔

(۳۶) تذکرہ شیخ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مکتبہ دار عرفات، رائے بریلی۔

☆ نظامی بدایونی:

(۳۷) قاموس المشاهير، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۲۶ء۔

☆ نوشہری: ابو یحییٰ امام خان۔

(۳۸) ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، برقی پریس، دہلی۔

(۳۹) تراجم علماء الحديث في الهند، برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء۔

☆ ولی اللہ لکھنوی:

(۴۰) الأغصان الأربعة، کارنامہ پریس، فرنگی محل، لکھنؤ، ۱۲۹۸ھ۔

انگریزی مراجع

1- Edward Tomas: The Other Side of Medal, London , 1926.

2-Major Basu: The Rise of Christian Power in India, Calcutta, 1931, India .

3- Ramesh Dutt: India in the Victorian Age, Calcutta,1898 India .

4- W. W. Hunter: The Indian Mussalmans, London, 1871.

مجلّات

۱۔ مجلة ثقافة الهند، (عربی)، مئی جون، ۱۹۵۵ء، دہلی۔

۲۔ مجلّہ رفیق، جلد نمبر ۷، جنوری، فروری، ۱۹۸۴ء، پٹنہ۔

۳۔ مجلة الضياء (عربی)، شمارہ رجب، شعبان، ۱۳۵۴ھ لکھنؤ۔

۴۔ مجلة العروة الوثقیٰ، شمارہ نمبر ۱۷، جمادی الاولی، مکتبہ اہلیہ، بیروت، ۱۳۵۱ھ۔

۵۔ مجلّہ معارف، فروری، ۱۹۲۹ء، اعظم گڑھ۔

۶۔ مجلّہ علوم الدین، شمارہ ۱، ۲، ۳، ۱۹۷ء، علی گڑھ۔